ایم۔اے

اُستاذ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

۱۸ ○ اردو بازار ○ لاہور

پاکستان

نام کتاب	حیاتِ شیخ عبدالحق
طابع	مقبول الرحمٰن
مطبع	فالکن پریس لاہور
طبع اول	ایک ہزار
ہدیہ	

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

۱۸ اُردو بازار لاہور

انتساب

گردِ خود گردم چو بینم در ہوائے کیستم
ذرہ ام اما بخورشیدم مقابل کردہ اند

ذاکر صاحب!

مشہور ہے کہ جب سُہیل چمکتا ہے تو اس کی ضو سے بدرنگ اور کم بہا ادیم رنگین اور بیش قیمت ہو جاتا ہے، اسی طرح کیا عجب کہ آپ کی نظرِ کیمیا اثر سے دیدہ وروں کی نگاہ میں میری اس متاعِ کم ارز کی قدر و قیمت بھی بڑھ جائے۔ ؎

کہ گل بہ دستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

خاکسار

نظامی

فہرستِ مضامین

حصہ دوم
تالیفات

پیش لفظ

از افضل العلماء جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب ایم اے۔ ڈی فل

ممبر پبلک سروس کمیشن مدراس

ہندوستان میں اسلامی عہدِ حکومت کی تاریخ کے بعض علمی اور ثقافتی پہلو ابھی تک تشنۂ مضرابِ تحقیق ہیں۔ زمانے کے اقتضا، ماحول کے رنگ اور وسائل کے فقدان کو دیکھ کر کبھی کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ نغمے شاید ہی پردۂ ساز سے باہر نکلیں، اور اس زریں عہد کی تاریخ کی ازسرِ نو تشکیل کا خواب شاید ہی شرمندۂ تعبیر ہو سکے لیکن بعض خوش آیند واقعات اور غیر متوقع اسباب کی بدولت یہ اُمید بندھ جاتی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب کہ ہمارے قابلِ فخر مورخین کا طبقہ شاید اس مشکل کام کا بیڑا اُٹھائے اور اسے کامیابی سے انجام کو پہنچائے۔

قرونِ وسطیٰ کی تاریخ ہند کی ازسرِ نو تشکیل و ترتیب میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور اس سلسلہ میں اس شعبہ کی مساعی نہایت ہی ہمت افزا ہیں۔ ایک زمانہ سے مجھے پروفیسر حبیب اور اُن کے رفقائے کار کی بعض مساعی کا اندازہ تھا۔ خوش قسمتی سے گزشتہ سال چند مہینوں کے لیے علی گڈھ میں قیام اور مسلم یونیورسٹی کی خدمت کا موقعہ ملا تو سب سے پہلے اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی اور میں نے نزدیک سے شعبہائے تاریخ و سیاسیات کے کارکنوں کو دیکھا اور اُن کی مساعی کا ایک ادھورا سا اندازہ کر لیا اور مجھے اس امر کے اظہار میں دلی مسرت ہے کہ ان شعبوں کے ممتاز افراد کا

ذوقِ تحقیق قابلِ داد ہے اور جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ ہمارے ملک وملت کی تاریخ کے لیے باعثِ نازش سرمایہ ہے اور اس کی افادی حیثیت مسلم ہے۔

اس سلسلہ میں ہندوستان میں اسلامی علوم کے نشوو ارتقا کی تاریخ اور مشائخ وصوفیہ کی علمی اور ثقافتی خدمات کی ترتیب وتہذیب کی اہمیت ہرگز نظر انداز نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اس کی بدولت نہ صرف تاریخ کے ان مخفی زوایا پر روشنی پڑتی ہے جو ہمارے محققین اور معلمین کی نگاہوں سے ابھی تک پنہاں ہیں بلکہ ان سے سیرت سازی اور تعمیرِ کردار میں بڑی حد تک مدد ومعاونت حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم کی ثقافتی تاریخ میں بہت سے ایسے نشانِ راہ اور مینار ملینگے جن کی روشنی سے صرف ان کے عہد کی تاریکیوں کا ازالہ ہی نہ ہوا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے وہ مشعل راہ کا کام دے رہے ہیں۔ اس عہد کی علمی تاریخ میں بہت سے ایسے علما اور صلحاء کے کارنامے پیشِ نظر ہونگے جنھوں نے ناسازگار ماحول میں حق پسندی کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ان علما اور مجددین میں شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رح کا ایک ممتاز موقف ہے کیونکہ اس وقت جب کہ علماء سوء کی وجہ سے دین میں رخنے پڑ رہے تھے اور مذہب کی بنیادیں کھوکھلی کی جا رہی تھیں، شاہ صاحب کی ہمت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔ شاہ صاحب کی زندگی اور سیرت کے مطالعہ کے بغیر اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ان کے دل میں علوم حدیث اور ان کی ترویج واشاعت کا کیسا جذبہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ شاہ صاحب کے علمی انہماک، درس وتدریس اور مجالسِ ارشاد وہدایت کی کہانی نہایت ہی دلچسپ ہے اور اس کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس عہد کے پس منظر کا حقیقی نقشہ پیش نظر ہو۔ اکبری دور کے ملحدانہ خیالات کی رو میں جاہ پرست علماء کے قدم ڈگمگا گئے تھے لیکن شاہ صاحب کے خاندانی ماحول اور تربیت اور سفرِ حرمین شریفین کی وجہ سے ان میں وہ ودیعتیں ابھر آئی تھیں جن کی بدولت ہندوستان میں علومِ حدیث کے احیاء اور ترویج واشاعت کا سہرا ان کے

سر رہا۔ اس بنا پر شاہ صاحب کی سیرت کی ترتیب وتدوین کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔
بڑی مسرت کی بات ہے کہ اس اہم کام کو مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے ایک ہونہار رکن اور قابل فخر نوجوان خلیق احمد صاحب نظامی نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ خلیق صاحب کی گراں قدر خدمات کا اندازہ اُن کی تصانیف سے ہو سکتا ہے، بالخصوص "تاریخ مشایخ چشت" اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے اور اس کے غائر مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں وہ ذوق نصیب ہے جس کا ذکر اُنہوں نے شیخ محدث کے طرز نگارش میں کیا ہے۔ شیخ کا مقولہ حقیقت پر مبنی ہے۔

بے ذوق چہ نویسد کہ رونق سخن در ذوق است

وہی ذوق خدائے پاک انہیں کامل طور پر عطا فرمائے، اور ان کی تصنیف کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ!

مدراس

عبدالحق

تعارُف

از جناب پروفیسر شیخ عبدالرشید صاحب صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہندوستان کی سیاسی اور تمدنی تاریخ میں سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس زمانہ میں ایک طرف اگر پرانا سیاسی نظام منہدم ہوا تو دوسری طرف فکر و نظر کے پرانے سانچے بھی ٹوٹ گئے۔ نئی نئی علمی اور مذہبی تحریکیں منصۂ شہود پر آنے لگیں۔ مسلمانوں کے لیے بعض تحریکیں ہمدردانہ تھیں بعض معاندانہ۔ بہرکیف جب متضاد نظریات آپس میں ٹکرائے تو عمل اور ردِ عمل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہوگیا جس نے فکر و عمل کی صدہا نئی راہیں کھول دیں۔ مذہب کے نظریات نے بدلے، سماج کی بنیادیں بدلیں، سیاست کے اصول بدلے۔ اس ہمہ گیر تبدیلی کے دور میں اسلامی سماج، مذہب اور معاشرہ کو مختلف منزلوں سے گزرنا پڑا۔ مغلوں کے عروج سے مسلمانوں کے گرتے ہوئے سیاسی ستون کو سہارا مل گیا اور سیاسی استحکام کا نیا دور شروع ہوا۔ دوسری طرف مذہبی انتشار اور دینی گمراہیوں کو دور کرنے کے لیے متعدد مذہبی اور اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں۔ سید محمد مہدی جون پوری سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک دینی اصلاح و تربیت کے لیے پُرخلوص اور مسلسل جد و جہد جاری رہی۔ ان بزرگوں کی راہیں مختلف تھیں، بعض اوقات طریقۂ کار بھی مختلف تھا لیکن منزل مقصود ایک تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی دینی فکر کو اس طرح بیدار کیا جائے جس سے اسلامی معاشرہ کو صحیح اصولوں پر منظم کرنے کا کام لیا جا سکے اور جس کے سایہ میں اسلام ایک علیحدہ مستقل دینی ادارہ کی حیثیت سے قائم رہ سکے۔

اکبر نے اپنی غیر مسلم رعایا پر قابو پانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے اُن سے علماء میں

کافی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ایک طبقہ اس کے طریقہ کار اور اعمال کی پرجوش تائید کرتا تھا، دوسرا طبقہ اس کی حرکات کو قطعی طور پر شریعت اسلامی کے منافی قرار دیتا تھا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر کے ان غیر شرعی اعمال کا سختی سے مقابلہ کرتے ہوئے اس کے دربار کے بعض ممتاز امراء کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح اس درباری جماعت میں بھی رخنہ پڑ گیا، جو اکبری طریقہ کار کو سراہا کرتی تھی بہر حال حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک جس میں حکومت کے اعمال سے تعرض تھا ایسی نہ تھی جس میں اختلاف رائے نہ ہوتا، بر خلاف اس کے حضرت شیخ عبدالحق دہلوی کی تحریک خالص مذہبی تحریک تھی جو ایسے اختلاف کی زد میں نہ آسکی کیونکہ وہ تمام عالم کے مسلمانوں کے لیے جس میں حکمراں اور غیر حکمراں طبقے سب ہی داخل تھے، اسوۂ رسولؐ کو ایک عملی پروگرام کی حیثیت سے پیش کرتی تھی۔ اسی لیے ارباب حکومت سے کسی قسم کا تصادم نہ ہوا لیکن اثرات بہت گہرے ہوئے اور ہندوستان میں اسلامی علوم کے احیاء کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ انہوں نے مسلمانان ہند کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درس حدیث کے ذریعے منظم کر دیا، اور ان میں دینی غور و فکر کی وہ صلاحیتیں ابھار دیں جنہوں نے مسلمانوں کے معاشرہ میں ایک نئی جان ڈال دی۔ علاوہ ازیں انہوں نے حدیث کی مستند کتابوں کو فارسی میں منتقل کرکے اور مدارج النبوۃ کی ترتیب فرما کر ہندی مسلمانوں پر جو احسان کیا ہے وہ اسلامی تاریخ کا طالب علم کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ سترہویں صدی میں مسلمانوں کی مذہبی سیاسی علمی اور سماجی اصلاح و تربیت کا سہرا حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہی کے سر ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنے زمانے کی مذہبی بے راہ روی کو دور کیا اور علوم اسلامی کے احیاء کے لیے پر خلوص جد و جہد کی۔ حضرت مجدد صاحبؒ سے متعلق پچھلے دنوں میں کچھ کام گو کسی حد تک نامکمل ہی سہی ہو چکا ہے لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے

حالات زندگی اب تک تشنۂ تفسیر و تعبیر تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس کمی کو ایک ایسے شخص نے پورا کیا ہے جس سے بہتر اس کام کو کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا۔

میرے نوجوان دوست اور شریک کار خلیق احمد صاحب نظامی نے قرونِ وسطیٰ کے ذہنی اور تمدنی حالات زندگی کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس ہی مستقل انہماک نے اُن کی نظر میں بڑی گیرائی اور خیالات میں بڑی وسعت پیدا کر دی ہے۔ پیشِ نظر کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے اور آخر میں تعلیقات، مقدمہ میں مصنف نے شیخ محدثؒ سے قبل ہندوستان میں علوم اسلامی کے نشو و نما کا جائزہ لیا ہے۔ اور اسلامی ہند کے مختلف زمانوں میں علوم دینی کی حالت پر بحث کی ہے۔ اس مقدمہ کے مطالعہ سے ہندوستان کی علمی اور دینی تاریخ میں شیخ محدثؒ کا صحیح مقام متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے حصہ اول میں جو سوانح سے متعلق ہے چودہ باب ہیں جن میں شیخ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اُجاگر کیا گیا ہے۔ اُن کے خاندان کے حالات، ابتدائی تعلیم و تربیت، حجاز میں تعلیم، ہندوستان میں قیام درس گاہ وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اور خود شیخ کی تصانیف اور معاصرین کے تذکروں سے اُن کے حالاتِ زندگی بڑی محنت سے جمع کیے گئے ہیں۔ حصہ دوم تصانیف سے متعلق ہے اور سولہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں شیخ کی ایک ایک تصنیف پر بحث کی گئی ہے قلمی نسخوں کا پتہ لگایا گیا ہے اور مطبوعہ نسخوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ کتاب کے تیسرے حصہ میں شیخ محدثؒ کے اُن کے معاصرین سے تعلقات پر بحث کی گئی ہے۔ اور مجدد صاحبؒ، عبدالرحیم خان خاناں، فیضی وغیرہ سے ان کے تعلقات کی نوعیت بتائی گئی ہے۔ چوتھے حصہ میں شیخ کی اولاد کا تذکرہ ہے۔ پانچویں باب میں مصنف نے شیخ محدثؒ کی علمی اور دینی خدمات کا جائزہ بڑی گہری نظر سے لیا ہے۔ اور شیخ کا ماحول بیان کرنے کے بعد اُن کی خدمتِ حدیث، فقہ، تاریخ، ادب وغیرہ پر بحث کی ہے، آخر میں تعلیقات ہیں۔ جن میں دو نادر اور نایاب علمی جواہر پارے درج ہیں۔ ایک شیخ محدثؒ کا وہ رسالہ جو انہوں نے مجدد صاحبؒ کے بعض نظریات

کی تردید میں لکھا تھا اور دوسرے فیضی کے وہ غیر مطبوعہ مکتوبات جو اس نے شیخ کے نام لکھے تھے یہ دونوں چیزیں پہلی مرتبہ شائع ہو رہی ہیں اور نظامی صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ ان کی تشنگیِ طلب نے اُن کو ان نوادر تک پہنچایا۔

خلیق احمد صاحب نظامی نے شیخ محدثؒ کی اتنی مکمل اور جامع حیات طیبہ لکھ کر اسلامی ہند کی علمی اور ذہنی تاریخ کا ایک اہم پہلو اُجاگر کر دیا ہے۔ ضیاء الدین برنی نے کہا ہے:

"نفاست علم تاریخ آنست کہ از دانستن علم تاریخ شیم ناجیان و عادلان و نیکوکاران

ونجات وہ درجات ایشاں در دل می نشیند"

حقیقۃً نظامی صاحب نے یہی خدمت انجام دی ہے۔ شیخ محدثؒ کی طرح جن کے حالاتِ زندگی انہوں نے مرتب کیے ہیں، خود انہوں نے کمال غیر جانبداری اور غور و فکر کے ساتھ لکھا ہے۔ اور شیخ کے زمانے کے سماجی اور ذہنی ماحول کی ایسی مکمل اور جامع تصویر بہم پہنچائی ہے جو بلاشبہ عرصہ تک اپنے موضوع پر سب سے زیادہ مستند اور معتبر سمجھی جائیگی کیونکہ یہ ایسے شخص کے قلم سے نکلی ہوئی تصنیف ہے جس نے ہندی مسلمانوں کی علمی اور دینی تاریخ کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے۔

شیخ عبدالرشید

۸۔ شبلی روڈ
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مُقَدّمہ

ہندوستان میں علومِ اسلامی کا نشو ونما

شیخ محدّث سے قبل

۷۸۶

حضرت شیخ عبدالحقؒ محدث دہلویؒ کو اسلامی ہند کی علمی اور مذہبی تاریخ میں ایک خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ تقریباً نصف صدی تک دہلی میں اُن کی خانقاہ علم و فضل کا گہوارہ اور رارشاد و تلقین کا مرکز رہی ہے۔ ہزاروں تشنگان علم نے وہاں آکر اپنی پیاس بجھائی ہے اور سیکڑوں گم گشتگانِ علم نے وہاں آکر روشنی حاصل کی ہے ؎

سالہا گوش جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبد گردوں زدہ است

یہ زمانہ وہ تھا جب دنیا پرستی کی لعنت نے عزم و راستی کی روح کو مردہ کر دیا تھا۔ مذہبی گمراہی کے سوت، محلوں سے پھوٹ کر جھونپڑوں میں بہہ رہے تھے۔ مذہب "نو کرمک شب تابؒ" کی صورت ہو چکا تھا، شریعت و سنت سے بے اعتنائی بڑھ رہی تھی۔ علمار کے دامن ہوا و حرص میں آلودہ تھے، صوفیہ دنیا پرستی میں غرق تھے۔ سرابہ ملت منتشر ہو رہا تھا۔ قرآن و حدیث سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ الحاد و زندقہ حکمت و اجتہاد کے دل فریب عنوان سے پھیلایا جا رہا تھا۔ ؎

غرض فتنوں کی شوریدہ سری ایک رنگ لائی تھی

کہ حجاز کے ایک خضر طریقت اور منبع علم و فضل بزرگ حضرت شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے اپنے حلقۂ تلامذہ سے ایک ہونہار ہندوستانی طالب علم کو یہ کہہ کر کھڑا کر دیا:-

"بہ دہلی واپس باید رفت زیراکہ دہلی بہ فراق شما نالاں است" — دہلی واپس جانا چاہیے کیونکہ دہلی تمہاری جدائی میں نالاں ہے۔

اس شخص کا ہندوستان آنا گویا ایک علمی انقلاب کا رونما ہونا تھا۔ علوم دینی جن پر عرصہ سے مردنی چھائی ہوئی تھی اس کی مسیحائی سے جلا پا گئے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں دعوت و اصلاح کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ خود اس نے اپنی زندگی کا واحد مقصد احیاء علوم دین اور ترویج شریعت کو قرار دیا اور پکار کر اعلان کیا ——

"ایں بندہ مامور[1] است کہ جز در ابواب دین و ملت کہ باعث ترویج و تجدید شریعت و موجب حفظ عقائد و احکام سنت باشد تکلم نکند و از دائرہ اعتدال و حیطۂ احتیاط بیروں نیفتد"[2]

---

[1] یہاں لفظ مامور میں وہی اعلان اور ایقان نظر آتا ہے جو مجدد صاحبؒ کے اس جملے:

"اے فرزند! باوجود ایں معاملہ کہ بہ خلقت من مربوط بودہ است کارخانہ عظیم دیگر بمن حوالہ فرمودہ اند" مکتوب ۶ دفتر دوم۔ ص ۱۷۔

یا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اس ارشاد:

"بہ سرم در دادند کہ ایں حقیقت بہ مردم برساں، امروز وقت دقت تست و زبان زمان تو" میں مضمر ہے۔ حقیقت میں توفیق الٰہی ہی بعض صلاحیتوں کے لیے ان کا دائرہ عمل متعین کرتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے "دعوت" اور "عزیمت دعوت" پر تذکرہ (ص ۲۳۹-۲۴۴) میں جو بصیرت افروز بحث کی ہے اس کی روشنی میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اس اعلان کو دیکھا جائے تو اسلامی ہند کی علمی تاریخ میں ان کا صحیح مقام متعین ہو جاتا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے دوسرے جملے میں گویا اپنے طریقۂ کار کا پورا اندازہ بتا دیا ہے —— "از دائرہ اعتدال و حیطۂ احتیاط بیروں نیفتد"۔ ان کا کام احیاء علوم تھا۔ اس میں احتیاط اور اعتدال کی راہ سب سے زیادہ مستحسن تھی۔ زندگی کے پورے نظام کو از سر نو ترتیب دینے اور حالات کا رُخ بدلنے کے لیے جس "مجاہدانہ بے باکی" اور "سرفروشی" کی ضرورت تھی اس کے لیے فطرت نے حضرت مجدد صاحبؒ کا انتخاب کیا تھا۔

[2] کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۔

چورانوے سال کی عمر میں جب داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کا وقت آیا تو اس کی تصنیفات کے ہزاروں صفحات اس اعلان کی پابندی میں اُس کے ذوق وانہماک کی شہادت دے رہے تھے۔ ہزاروں انسان جن کے قلوب شریعت وسنت کے احترام سے معمور تھے اُس کے احسان کی گرانباری کو محسوس کر رہے تھے۔ درس وتدریس کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں پھیل چکا تھا اور فضاؤں میں یہ آواز سنائی دے رہی تھی ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اسلامی ہند کی تاریخ میں ان کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن سے قبل ہندوستان میں علوم دینی کے نشوونما کا مطالعہ کیا جائے۔

عرب وہند کے تعلقات کی ابتداء

عرب اور ہندوستان کا تعلق بہت قدیم ہے[1] ظہور اسلام سے صدیوں پہلے سے عرب کے تاجر سواحل ہند سے تجارت کرتے تھے۔ اور ان دونوں ملکوں میں تجارتی تعلقات کا ایک مضبوط رشتہ قائم تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے بعد بھی یہ تعلقات بدستور قائم رہے۔ مسلمان عربوں نے سواحل ہند پر اپنی نوآبادیاں بنالی تھیں اور وہاں اپنا کاروبار کرتے تھے۔ ان مسلمان تاجروں کو تبلیغ واشاعت کے کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ممکن ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں انہوں نے چند عربی الفاظ ہندوستان کو دیے ہوں اور کچھ ہندوستانی الفاظ قبول کر لیے ہوں لیکن مجموعی طور پر وہ ہندوستان کی تمدنی زندگی پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ پروفیسر محمد حسین نینار کا خیال ہے کہ ان تاجروں نے ایک ہندو کو بھی حلقہ بگوش اسلام نہیں بنایا۔[2]

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی نے عرب وہند کے تعلقات (الہ آباد۔ ہندوستانی اکاڈمی۔ یو۔پی ۱۹۳۰ء) میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

[2] پروفیسر نینار نے دسویں صدی کے ایک عرب سیاح کا قول نقل کیا ہے۔
Arab Geographers' Knowledge of South India
p. 108.

سندھ میں اسلامی حکومت کا قیام

عربوں کا ہندوستان سے دوسرا رابطہ اُس وقت قائم ہوا جب ۱۱-۱۲ھ میں محمد بن قاسم نے سندھ پر عربی حکومت کا پرچم لہرایا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب اسلامی دنیا بنی اُمیہ کے زیرنگین تھی مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب ایک طرف اسپین، اور دوسری طرف وسط ایشیا تک پہنچ چکا تھا، اور اسلامی علوم کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔ مکہ، مدینہ، بصرہ اور کوفہ میں بڑی علمی سرگرمی کے مظاہرے ہو رہے تھے۔

بصرہ ایران سے متصل تھا اور وہیں سے خراسان پر حکومت کی جاتی تھی۔ اس لیے عجمی اقوام سے تعلقات قائم کرنے کی دشواریوں کا احساس سب سے پہلے بصرہ والوں کو ہوا۔ عجمی قوموں کو عربی زبان سے کس طرح آشنا کیا جائے؟ قرآن پاک کی تعلیم عجمی مسلمانوں کو کس طرح دی جائے؟ — ان سوالات کا جواب، محلِ وقوع کی بنا پر بصرہ ہی کو دینا تھا اور اسی نے دیا۔ ابوالاسود بصری (المتوفی ۶۸۸ء) نے عربی قواعد کو ترتیب دے کر عربی زبان کے نشوونما اور ترقی کی راہیں کھول دیں۔ اس کے بعد الخلیل بن احمد بصری (المتوفی ۷۸۶ء) نے عربی زبان کی سب سے پہلی قواعد الکتاب لکھی۔ پھر اسی زمانہ میں احادیث کے جمع کرنے اور تدوین فقہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور کوفہ و بصرہ میں سیکڑوں کی تعداد میں علماء نے علم حدیث کی طرف توجہ کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، امام حسن بصری، امام زہری، مسروق بن الاجدع، عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابو عمر النخعی، ذر بن حبیش، ربیع بن خثیم، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، ابو عبدالرحمن السلمی، شریح بن ہانی، قیس بن ابی حازم، محمد بن سیرین، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ، امام شعبی، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ابو اسحٰق سبعی، عون بن عبداللہ، سماک بن حرب، عمرو بن مرۃ، منصور بن المعتمر اور ابراہیم بن محمد کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے۔ اور کوفہ و بصرہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کی درس گاہ بن گیا تھا۔[1]

[1] (صفحہ ۷ پر دیکھیے)

یہ کیسے ممکن تھا کہ عربی ممالک کی ان علمی اور دینی تحریکات کی صدائے بازگشت سندھ میں نہ سنی جاتی! فتح سندھ کے بعد علماء و مشاہیر کی ایک کثیر تعداد ہندوستان کی طرف متوجہ ہوگئی اور منصورہ، بھکر، دیبل وغیرہ میں علوم اسلامی کا چرچہ شروع ہوگیا۔

سندھ کے علماء و محدثین

علامہ سمعانی نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الانساب میں بہت سے ایسے علماء و محدثین کا ذکر کیا ہے جن کی نسبت منصورہ، دیبل وغیرہ کی طرف ہے۔ دیبل میں محمد بن ابراہیم، شعیب بن محمد، ابوالعباس، محمد بن محمد، محمد بن حسن، احمد بن عبداللہ وغیرہ کا شمار اعلیٰ محدثین میں ہوتا تھا۔ اور ان بزرگوں نے وہاں کی علمی فضا کو چار چاند لگا دیے تھے۔

مولانا ابوحفص ربیع بن صبیح بصرہ کے رہنے والے تھے تبع تابعین میں ان کا شمار تھا۔ وطن سے ہجرت کر کے سندھ گئے تھے اور وہیں ۱۶۰ھ مطابق ۷۷۶ء میں وصال فرمایا تھا۔[1] حدیث کے متبحر عالم تھے۔ تذکرۂ علمائے ہند میں لکھا ہے:

"گویند وے اول مصنفیں درامت اسلامیہ است ..."[2]

ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی حدیث، مغازی اور فقہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ سمعانی نے بڑی عزت سے اُن کا ذکر کیا ہے۔ ان کے اساتذہ میں محمد بن کعب قرظی، ہشام بن عروہ، نافع وغیرہ تھے اور تلامذہ میں محمد بن ابی معشر، ابونعیم، وکیع، محمد بن عمر واقدی، امام سفیان ثوری وغیرہ جیسے مشاہیر شامل تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں حدیث کا درس دیتے تھے۔ رمضان ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء میں وصال فرمایا اور بغداد کے مقبرۂ کبیر میں سپرد خاک کیے گئے۔[3]

(حاشیہ صفحہ ۶) [1] تفصیل کے لیے فتوح البلدان، معجم البلدان، فتح المغیث، تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، مرآۃ الجنان یافعی، تہذیب التہذیب کا مطالعہ ضروری ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا [1] سبحۃ المرجان۔ ص ۲۶ [2] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۳۔
[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۱۲۔

سندھ کے چند اور مشہور علماء و فضلاء جن کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے :-

(۱) ابو نصر سندھی

(۲) ابو العطا سندھی

(۳) ابو ضلع سندھی

(۴) ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی

ابو القاسم مقدسی دسویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا تو اس نے محدثین کی ایک کثیر جماعت اس ملک میں دیکھی ۔ ابو محمد منصوری سے اس کی ملاقات ہوئی ۔ لکھتا ہے کہ ان کی بہت سی عمدہ تصانیف ہیں ۔ سندھ میں اسلام کی حالت کے متعلق رقمطراز ہے : "..... اسلام کو تازگی حاصل ہے اور علم اور اہل علم یہاں بہت ہیں"

اس میں شک نہیں کہ سندھ میں علوم اسلامی نے کافی ترقی کر لی تھی اور سندھ کے بعض علماء عربی دنیا میں بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ سندھ سے اسلامی علوم کا قافلہ ملک کے دوسرے حصوں میں نہ جا سکا ہندوستان کی یہ ایک بد قسمتی بھی تھی کہ مسلمانوں کے سیاسی ادارے اور دینی علوم جو یہاں آئے وہ براہِ راست عرب سے نہ آسکے بلکہ عجمی ممالک میں طویل مسافت طے کرنے کے بعد یہاں پہنچے ۔ اور وہ بھی اُس وقت جب دیارِ عجم میں اسلامی علوم پر مردنی چھائی ہوئی تھی ۔

عہد غزنوی میں علوم اسلامی کا نشو و نما

غزنوی فتوحات سے ہندوستان کی سیاسی اور تمدنی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے سلطان محمود نے ۹۹۹ء سے ۱۰۳۰ء تک ہندوستان کو اپنی جہانگشایانہ ہمت کا بازیچہ بنائے رکھا اور کم و بیش سترہ بار اس کو زیر و زبر کیا ۔ جہاں تک مستقل سیاسی اقتدار جمانے کا تعلق ہے محمود نے پنجاب سے باہر کسی علاقہ کو اپنی

حکومت میں شامل نہیں کیا۔ لیکن پنجاب میں ایسی مستحکم حکومت کی بنیاد ڈال دی کہ غزنی کی تباہی و بربادی کے بعد بھی پنجاب پر اس کے خاندان کا قبضہ رہا۔

جس وقت پنجاب پر غزنویوں کا تسلط قائم ہوا تھا اس وقت تمام اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف اچھی طرح نشو و نما پا چکے تھے خصوصیت کے ساتھ جو بات ذہن میں رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ان سب علوم نے عجمی ممالک میں ترقی کی تھی۔ غزنی جو محمود کے زمانے میں اسلامی عجم کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا ان سب علوم کا گہوارہ بن گیا تھا۔ جب پنجاب سلطنت غزنی کا ایک ٹکڑا ہو گیا تو ناممکن تھا کہ وہ دارالحکومت کے ماحول سے متاثر نہ ہوتا!

قرآن پاک کی سب سے مشہور تفسیر کشاف کے مصنف ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری (۱۰۷۵-۱۱۴۴ء) خوارزم میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں وفات پائی۔ حدیث کی مندرجہ ذیل چھ مستند کتابوں ــ

صحیح بخاری: امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (۸۷۰ء)

صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج نیشاپوری (۸۷۵ء)

سنن ابو داؤد: ابو داؤد بصری (۸۸۸ء)

جامع ترمذی: ابو عیسیٰ محمد الترمذی (۸۹۲ء)

سنن ابن ماجہ: ابن ماجہ قزوینی (۸۸۶ء)

سنن نسائی: ابو عبدالرحمٰن نسائی (۹۱۵ء)

کے جمع کرنے والے بزرگوں کی وطنی نسبت پر غور کیجیے۔ سب عجم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی حال فقہاء کا تھا۔ بیشتر فقیہ عجمی ممالک میں پیدا ہوئے اور وہیں اپنے علوم کو ترقی دی۔ تصوف تو ایک حد تک عجم ہی کی پیداوار تھا۔ اس کی بیشتر تصانیف غزنی اور اس کے اردگرد کے علاقے سے تعلق رکھتی ہیں۔ صوفیانہ شاعری غزنی میں پیدا ہوئی۔ حکیم سنائی جو بقول مولانا روم

تصوف کی آنکھ کی مانند ہیں، غزنی ہی کے تھے — ان حالات میں سلطنت غزنیں کا ایک اہم حصہ پنجاب کس طرح ان علوم سے نابلد اور ناآشنا رہ سکتا تھا؟ — یہ سب علوم وہاں پہنچے اور حالات کی مناسبت سے نشوونما پایا۔

لاہور کا علمی ماحول

غزنویوں کے دور میں پنجاب کے جس شہر نے علمی اور تمدنی اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی کی وہ لاہور تھا۔ فتوحات غزنویہ کے بعد علماء و مشائخ کے قافلے اس طرف رجوع ہو گئے۔ ان میں سے فضل تقدم شیخ اسمٰعیل بخاریؒ کو حاصل ہے۔ تذکرۂ علمائے ہند میں ان کے متعلق لکھا ہے:

"از عظمائے محدثین و مفسرین بود، اول کسے است کہ علم حدیث وتفسیر بہ لاہور آوردہ" [۱]

اُن کی زندگی کے آخری سالوں میں خواجہ حسین زنجانیؒ اس شہر میں اُن کے معاصر تھے۔ فوائد الفواد [۲] میں ہے:

"شیخ حسین زنجانی و شیخ علی ہجویری ہر دو مرید یک پیر بودند و آں پیر قطب عہد بودہ است، حسین زنجانی دیر باز ساکن لہاور بود، بعد از چندگاہ پیر ایشاں خواجہ علی ہجوری عرضداشت کرد کہ شیخ حسین زنجانی آنجاہست، فرمود کہ تو برو، وچوں علی ہجوری بحکم اشارت در لہاور آمد شب بود، بامداداں جنازہ شیخ حسین را بیروں آوردند" [۲]

شیخ علی ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش (المتوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) غزنی کے ایک گاؤں ہجویر کے رہنے والے تھے۔ علم و فضل، زہد و ورع میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشہور علما مثلاً حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانیؒ، شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی وغیرہ سے تلمذ تھا۔ باطنی اصلاح و تربیت کے لیے شام، عراق، بغداد، آذربائیجان، طبرستان

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۳ [۲] فوائد الفواد۔ ص ۳۵۔

کرمان، خراسان، ماوراالنہراور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا تھا اور مشاہیر صوفیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، لاہور پہنچ کر انہوں نے علم و عرفان کی شمع روشن کی اور تصوف کی تعلیمات کو عام کر دیا۔ انہوں نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کی تھیں، لیکن اب صرف کشف المحجوب دستیاب ہوتی ہے، داراشکوہ اس کے متعلق لکھتا ہے:

"ہیچ کس را برآں سخن نیست، و مرشدے ست کامل، در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ"[۱]

ان علماء و مشائخ کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور نہ صرف "مرکز اسلام ہند" شمار کیا جانے لگا بلکہ اس کو "ثانی دارالملک غزنیں" کا رتبہ حاصل ہو گیا۔ تاج المآثر کے مصنف حسن نظامی نے اس کو قبلۂ احرار و ابرار" "کعبۂ اشراف" "مرکز اہل تقویٰ" "مامن زہاد و عباد" اور "مسکن اقطاب و اوتاد" لکھا ہے۔ علمی اور دینی فضل کے متعلق اس کا یہ اعلان ہے:

بنیاد شریعت اندرو محکم　　بنیاد ضلالت اندرو ویراں

از ہر صدتن نود درو عالم　　از ہر دہ نہ مفسر قرآں[۳]

وہاں کتب خانوں کی یہ حالت تھی کہ فخرالدین مبارک شاہ نے جب بحرالانساب کی تالیف شروع کی تو نسب جیسے موضوع پر ایک ہزار کتابیں اس کو مل گئیں۔ خود لکھتا ہے:

"کم و بیش ہزار پارہ کتاب مطالعہ افتاد"[۴]

غوریوں کی فتوحات سے قبل اسلامی علوم کی حالت شمالی ہندوستان میں

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی، ان کے مذہبی اور تمدنی ادارے غوریوں کی فتوحات کے بعد وجود میں آئے لیکن یہ خیال حقیقت کے خلاف ہے۔ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کا

۱۔ سفینۃ الاولیاء، ص ۱۶۴۔ (نولکشور ۱۸۷۲ء)　　۲۔ تاریخ فخرالدین مبارک شاہ۔ ص ۳۰۔

۳۔ تاج المآثر (قلمی نسخہ)　　۴۔ تاریخ فخرالدین مبارک شاہ۔ ص ۶۶۔

سیاسی اقتدار قائم ہونے سے قبل مسلمان یہاں آباد ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنی خانقاہیں مدرسے اور مسجدیں قائم کر لی تھیں۔ ہندوستان کی سب سے بڑی خانقاہ اور ہندی مسلمانوں کا سب سے بڑا روحانی مرکز — اجمیر — پرتھوی راج کے عہد حکومت ہیں قائم ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پرتھوی راج کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔[۱]

اجمیر کے علاوہ بدایوں، ناگور، قنوج، بہرائچ اور بہار کے بعض اضلاع میں محمد غوری کی فتوحات سے قبل مسلمانوں کی نوآبادیات قائم ہو گئی تھیں۔ مولانا رضی الدین حسن صغانی صاحب مشارق الانوار، کے متعلق شیخ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے:

"او از بدایوں بود"[۲]

شیخ رضی الدین ۵۷۷ھ مطابق ۱۱۸۱ء میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ۶۱۵ھ مطابق ۱۲۱۸ء میں ہندوستان کا یہ مایۂ ناز فرزند جب بغداد پہنچا تو بڑے بڑے عالموں کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں — ظاہر ہے کہ اُن کی تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی ہوگی اور یقیناً بدایوں میں اُس وقت اچھے علمی ادارے موجود ہونگے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی اور ادبی زندگی کا آغاز حقیقت میں سلطنت دہلی	**سلطنت دہلی کا قیام اور ہندوستان میں عُلوم دینی کا نشوونما**

کے قیام سے ہوتا ہے۔ سلطنت دہلی کی بنیاد ایسے زمانہ میں رکھی گئی تھی جب وسط ایشیا میں

---

[۱] سیر الاولیاء۔ ص ۴۶۔ [۲] فوائد الفواد۔ ص ۱۰۳۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ان وجوہات کی بنا پر ان سب لوگوں سے زیادہ قابل اعتبار ہے جنہوں نے ان کا وطن لاہور بتایا ہے — (۱) شیخ نظام الدین اولیاءؒ خود بدایوں کے تھے اور بدایوں کے متعلق اچھی معلومات رکھتے تھے، (۲) اُن کے استاد مولانا کمال الدین زاہد مولانا برہان الدین بلخی تلمیذ شیخ رضی الدین حسن صغانی تھے اس بنا پر استاذ الاستاذ کے متعلق ان کا بیان زیادہ معتبر ہے۔

مسلمانوں کے علم وفضل کے سارے مرکز تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ ترکان غز اور منگولوں کے حملوں نے سارے سیاسی اور سماجی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا۔ اور علماء وفضلاء کی کثیر تعداد اپنے وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ ؏

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

بغداد و بخارا کے یہ ٹوٹتے ہوئے تارے ہندوستان کی فضائے علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر نمودار ہوئے۔ اور اسلامی ہند کو اپنے ابتدائی دور میں علماء و مشائخ کی ایک ایسی کثیر تعداد مل گئی جس نے سارے ملک کو اپنی نواسنجیوں سے پُرشور کر دیا۔ منہاج السراج نے لکھا ہے:

"خلائق اطراف گیتی را بہ حضرت دہلی کہ دار الملک ہندوستان است و مرکز دائرہ اسلام و محیط اوامر و نواہی شریعت و حوزۂ دین محمدی و بیضۂ ملت احمدی و قبۃ الاسلام مشارق گیتی صانہا اللہ عن الآفات واحصرہا السادات جمع آوردوایں شہر بکثرت انعامات و شمول کرامات آں بادشاہ دیندار محط رجال آفاق گشت و ہر کہ از حبائل حوادث بلاد عجم و نکبات کفار مغل بفضل ایزدی خلاص یافت ملاذ و ملجا و مہرب و مامن حضرت جہاں پناہ آں بادشاہ (التمش) ساخت" [۱]

عصامی نے عہد شمسی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے ؎

بہ دہلی چناں تخت گاہے بساخت	سپاہش در اقصائے آں ملک تاخت
دراں شہر یک رونقے شد پدید	بلے لذتے باشد اندر جدید
بسے سیدانِ صحیح النسب	رسیدند دروے ز ملک عرب
بسے کاسبانِ خراساں زمیں	بسے نقشبنداں اقلیم چیں

[۱] طبقات ناصری۔ ص ۱۶۶۔

بسے عالمانِ بخارا نژاد | بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گراں | ز ہر شہر و ہر اصل سیمیں براں
بسے ناقدانِ جواہر شناس | جواہر فروشاں بروں از قیاس
حکیمانِ یوناں، طبیبانِ روم | بسے اہلِ دانش ز ہر مرز بوم
دراں شہر فرخندہ جمع آمدند | چو پروانہ بر نور شمع آمدند

یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد
دیارش ہمہ دار اسلیم شد[۱]

اس قافلہ کا جو فرد جہاں ٹھہر گیا وہاں ایک علمی مرکز کی داغ بیل پڑ گئی۔ بغداد و بخارا کے علمی خزانے سرزمین ہند میں ہر خاص و عام کے لیے کھول دیے گئے اور ملک کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا۔

سلطان شمس الدین التمش علماء و مشایخ کی صحبت کا بڑا شوقین تھا جب کسی بزرگ یا عالم کی آمد کی خبر سنتا تو میلوں تک استقبال کے لیے نکل جاتا اور نہایت عزت واحترام سے محل شاہی میں مہمان رکھتا[۲]۔ اس کی علم دوستی سے متاثر ہو کر صدہا علماء، مشایخ، شعراء اور ادیب اس ملک میں آکر بس گئے۔ سرور الصدور میں لکھا ہے:

"دراں وقت کہ شیخ نجیب الدین نخشی شیخ الاسلام دہلی بود، او ہم از یاران شیخ معین الدین بودہ است ایشاں چہل یار در وقت سلطان شمس الدین میگویند کہ ہر یکے را جانبرہ گراں بداد.... سلطان شمس الدین او را پدر خواند و شیخ الاسلام دہلی خطاب داد"[۳]

---

[۱] فتوح السلاطین۔ ص ۱۱۰-۱۰۹
[۲] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "Iltutmish, the mystic" مطبوعہ اسلامک کلچر، اپریل ۱۹۴۶ء
[۳] سرور الصدور (قلمی نسخہ)

التمش کے عہد میں جو علماء و مشائخ ہندوستان آئے اُن میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں[1]۔

(۱) شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ (۲) سید نور الدین مبارک غزنویؒ
(۳) قاضی حمید الدین ناگوری (۴) شیخ جلال الدین تبریزیؒ
(۵) شیخ نظام الدین ابو المویدؒ (۶) مولانا مجد الدین حاجیؒ
(۷) شیخ بدر الدین غزنویؒ (۸) شیخ محمد ترک نارنولیؒ

قاضی حمید الدین ناگوریؒ صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ انہوں نے تصوف میں کئی اعلیٰ کتابیں رسالہ عشقیہ، طوالع الشموس، لوائح اور شرح اسمائے حسنیٰ تصنیف کی تھیں۔ مطالعہ نہایت وسیع تھا اور تصوف کے لٹریچر پر بہت گہری نظر رکھتے تھے۔ پروفیسر لوئی میسی نیوں (Massignon) نے خاکسار کو ایک دلچسپ مکتوب میں لکھا تھا کہ منصور حلاج کی کتاب اخبار کے حوالے اُن کی تصانیف میں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس بنا پر کہ اس زمانے میں یہ کتاب تقریباً نایاب تھی۔ پروفیسر موصوف نے ثابت کیا ہے کہ اوش حلاجیوں کا اہم مرکز تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ خواجہ بختیار کاکیؒ اور قاضی حمید الدین ناگوری پر ماحول کا اثر پڑا ہو۔ غالباً ہندوستان میں منصور حلاج کا نام اور تصانیف قاضی ناگوری ہی کے ذریعے آئیں۔

وعظ و تذکیر وعظ و تذکیر علماء کا محبوب مشغلہ تھا۔ بادشاہوں کو بھی ان میں خاص دلچسپی تھی۔ التمش کے یہاں واعظ ملازم تھے اور سیاسی مشکلات کے وقت وعظ و تلقین سے رعایا کو ہموار کیا کرتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں بھی یہ واعظ لشکر کے ہمراہ ہوتے تھے[2]۔ عموماً ہفتہ میں تین بار مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی[3] لیکن ماہ رمضان

---

[1] ان بزرگوں کے حالات کے لیے فوائد الفواد، سیر الاولیاء، سیر العارفین اور اخبار الاخیار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ [2] طبقات ناصری (مترجمہ ریورٹی) ص ۶۱۵ [3] ایضاً۔ ص ۶۱۹۔

میں روزانہ وعظ کا انتظام ہوتا تھا[1]۔ التمش نماز جمعہ کے بعد ایک مجلس منعقد کیا کرتا تھا جس میں "اکابر و اشراف و مشائخ" شرکت کرتے تھے[2]۔ سلطان بلبن کہا کرتا تھا کہ علماء کا جو ہجوم دربار التمشی میں دیکھا تھا کبھی دیسا کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا[3]۔ سید نورالدین مبارک غزنوی ؒ نے ایک بار "لوازم امور بادشاہی" پر التمش کے دربار میں نہایت پرزور خطبہ پڑھا۔ اور صاف الفاظ میں اعلان کیا:

"ہرچہ پادشاہاں از لوازم امور پادشاہی میکنند و طریقۂ کہ طعام و شراب میخورند و جامہ می پوشند و شکلے کہ می نشینند و می خیزند و سوار می شوند ..... و سجدہ میکنانند و رسم و رسوم اکاسرۂ باغی و طاغی خدا بدل و جان مراعات می نمایند و با بندگان خدا در جمیع معاملات خود تفردمی ورزند ہم برخلاف مصطفٰی است و اشراک است[4]۔"

مولانا منہاج السراج صاحب طبقات ناصری کا وعظ بہت پرتاثیر ہوتا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء ہر سوموار کو اُن کا وعظ سننے جایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے — "چہ راحت بود در تذکیر او"[5] ایک مرتبہ دوران وعظ میں یہ رباعی پڑھی ؎

لب برلب لعل دلبراں خوش کردن وآہنگ سرزلف مشوش کردن

امروز خوش است لیک فردا خوش نیست خود را چو خسے طعمۂ آتش کردن

تو حضرت محبوب الٰہی ؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی[6]۔ سرور الصدور میں لکھا ہے کہ قاضی منہاج کہا کرتے تھے:

"من با ایں ہمہ کہ در تذکیر چنیں سرآمدہ و عالم آما ما سہ چیز بر خویش راست نکنم ہرگز پاے برمنبر ننہم یکے نعت۔ دوم تسمیہ۔ سوم تکبیہ"[7]

شیخ نظام الدین ابوالمؤید[8] بھی وعظ کہا کرتے تھے۔ ایک شخص قاسم پہلے تلاوت کرتا

---

[1] طبقات ناصری۔ ص ۶۱۹۔ [2] سیر العارفین (قلمی نسخہ) ص ۱۱۲ [3] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۹۲-۹۰ [4] ایضاً ص ۴۱۔ [5] فوائد الفواد۔ ص ۲۵۳ [6] ایضاً [7] سرور الصدور (قلمی) ۱۵ [8] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ ص ۴۵۔

تھا۔ پھر شیخ وعظ شروع کرتے تھے[1] شیخ بدرالدین غزنوی کو بھی تذکیر کا بڑا شوق تھا۔ بابا فریدؒ نے اُن کی مجلسوں میں شرکت کی تھی۔ شیخ عبدالحقؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:۔

"بیشتر سخن از محبت گفتے"[2]

ان علماء کے وعظ و تذکیر نے ایک دلچسپ علمی فضا تو یقیناً پیدا کر دی ہو گی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی کوششیں اخلاقی سطح کو بلند کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حکومت وقت سے انہوں نے اپنا دامن وابستہ کر لیا تھا۔ اور درباداری کی زندگی کے ساتھ "تذکیر" میں "تاثیر" کہاں پیدا ہو سکتی تھی! سرورالصدور میں حسام درویش کے متعلق لکھا ہے کہ وعظ نہایت اچھا کہتے تھے لیکن دنیا کی محبت میں معزالدین بہرام شاہ کے دربار میں آمد و رفت شروع کر دی اور

دنیا اورا از راہ ببرد[3]

منہاج السراج کا یہ حال تھا کہ بلبن کہا کرتا تھا کہ وہ نہ خدا سے ڈرتا ہے نہ مجھ سے[4]۔ سید مبارک غزنویؒ ایک طرف تو بادشاہ کے تمام اطوار و عادات کو سنت کے خلاف قرار دیتے تھے، دوسری طرف دہلی سے طوائفوں کو نکال دینے کے خلاف تھے اور کہتے تھے کہ اگر ایسا کیا گیا تو آوارہ لوگ شرفاء کے گھروں میں کود پڑا کریں گے[5] ایک مرتبہ انہوں نے مولانا نظام الدین ابوالمؤیدؒ سے التمش کے دربار میں امتیازی جگہ پر بیٹھنے پر جھگڑا کیا[6]۔

— ان حالات میں وعظ و تذکیر ایک بے معنی رسم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے ذریعہ علمی و روحانی ترقی کی راہیں کھلنا ممکن نہ تھا۔

تعلیمی درس گاہیں ابتدائی دور میں

اسلامی ہند کے ابتدائی دور میں مندرجہ ذیل قسم کی درس گاہیں ملتی ہیں:۔

[1] سرورالصدور (قلمی)۔ [2] اخبارالاخیار، ص ۵۰
[3] سرورالصدور (قلمی) [4] ایضاً [5] تاریخ فیروزشاہی، ص ۲۹۴۔
[6] فوائدالفواد۔ ص ۱۹۳۔

(۱) حکومت کی قائم کی ہوئی

(۲) خانقاہوں سے ملحق

(۳) مسجدوں سے ملحق

(۴) مزارات سے ملحق

(۵) انفرادی۔

حکومت کی قائم کی ہوئی درس گاہوں میں معزی مدرسہ اور ناصری مدرسہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ناصریہ مدرسہ ناصر الدین محمود کی یاد میں سلطان التتمش نے بنوایا تھا۔ منہاج السراج رضیہ کے عہد میں اس مدرسہ کے پرنسپل تھے۔

"در ماہ شعبان سنہ خمس وثلثین وست مأتہ سلطان رضیہ مدرسہ ناصریہ در حضرت منضم بافضائے کالیور بدیں داعی معوض فرمود۔"[1]

بختیار خلجی نے جب بہار کو فتح کیا تو وہاں بہت سے مدرسے قائم کیے[2]

ایک اور التتمش کے زمانہ میں ہندوستان میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہوں کے ساتھ مدارس کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو تعلیم کا بڑا شوق تھا اور انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے نہایت قابل اساتذہ متعین کیے تھے اور ان کو معقول تنخواہیں دیتے تھے۔ چشتیہ سلسلہ کی خانقاہوں میں اعلیٰ مریدوں کی تعلیم کا انتظام رہتا تھا۔ بابا فریدؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو قرآنِ پاک کے چند پارے، تمہید ابوشکور سالمی اور عوارف المعارف کا درس دیا تھا[3]۔ دیگر مشائخ سلسلہ بھی تعلیم کا کچھ نہ کچھ اہتمام کرتے تھے۔

مسجدوں سے ملحق مدرسے اس زمانہ میں بڑی کثرت سے ہوتے تھے۔ تذکروں، ملفوظات اور تاریخوں میں اکثر جگہ ایسے مدرسوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت شیخ قطب الدین

---

[1] طبقات ناصری۔ ص ۱۸۸۔ [2] ایضاً [3] سیر الاولیاء۔ ص ۱۰۶

بختیار کاکیؒ جب ملتان پہنچے تو دیکھا کہ بابا فریدؒ مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے ہیں۔[1]

صاحب مزار کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے مدرسے مزارات کے قریب بھی قائم کیے جاتے تھے۔

کچھ مدرسے ایسے بھی تھے جو علماء نے انفرادی طور پر قائم کیے تھے اور جہاں درس و تدریس کا کام اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا جاتا تھا۔ مولانا شادی مقری اور مولانا علاء الدین اصولی کے مدرسے بدایوں میں، مولانا شمس الدین ملک اور مولانا کمال الدین زاہد کے مدرسے دہلی میں نہایت اعلیٰ تھے اور وہاں بعض مشاہیر نے تعلیم حاصل کی تھی۔

ملتان
علوم اسلامی کے مرکز کی حیثیت سے

ملتان اسلامی ہند کے قدیم ترین علمی مرکزوں میں تھا ۷۱۳ء میں جب محمد بن قاسم نے ملتان کو فتح کیا تو حجاج نے ایک خط لکھا:

"اپنی فتوحات کا دائرہ ہمیشہ وسیع کرتے رہو اور اشاعت اسلام کا خاص خیال رکھو، جو بڑا یا قدیم شہر ہو وہاں مسلمانوں کے لیے مسجد ضرور تعمیر کرو"[2]

رفتہ رفتہ ملتان اسلامی علوم کا شاندار مرکز بن گیا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں ملتان اور منصورہ کے لوگ مقامی زبان اور عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے[3] ۹۸۵ء میں جب بشاری ملتان پہنچا تو اس نے فارسی زبان کو کافی مقبول پایا۔[4] یہاں کے مدارس نہایت اعلیٰ تھے اور تعلیم کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے ۱۱۹۳ء میں وہاں فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

"دریں ایام ملتان قبۃ الاسلام عالم بود، فحول علماء آنجا بودند"[5]

---

[1] خیر المجالس (قلمی نسخہ) [2] فتوح البلدان (مطبوعہ لیڈن) ص ۴۴۰ [3] سفرنامہ ابن حوقل (لیڈن) ص ۲۲۶ [4] بشاری (لیڈن) ص ۲۸۱ [5] سیر الاولیاء ص ۶۰

جب غوریوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر لیا تو ملتان کی اہمیت میں اور اضافہ ہو گیا۔ ممالک اسلامی سے جو علمی قافلے ہندوستان میں داخل ہوتے تھے اُن کی پہلی منزل ملتان ہوتا تھا۔ پھر قباچہ کی علم دوستی نے بہت سے علمار کو وہاں کھینچ لیا۔ منہاج نے لکھا ہے:

"وچوں ممالک سند بروے قرار گرفت، در حوادث کفار چین، اکابر خراسان و غور و غزنیں بسیار بخدمت او پیوستند و او در حق ہمگناں انعام و اکرام وافر فرمودہ" [۱]

لب اللباب میں محمد عوفی نے بعض شعرا و علمار کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کا علمی ماحول بے مثال تھا۔ شمس الدین محمد بلخی اعلیٰ درجے کے شاعر اور خطاط تھے۔ عوفی نے ان کو تاج الفضلا کے لقب سے یاد کرنے کے بعد لکھا ہے:

"در شعر عدیل انوری و در خط عطارد ش مشتری" [۲]

ایک اور بزرگ اور عالم تھے جن کا نام فضلی ملتانی تھا۔ اُن کو جامع الصغیر حفظ یاد تھی عوفی نے لکھا ہے۔

"جامع الصغیر قاضی امام فخرالدین ... را تمام یاد می دارد" [۳]

قباچہ کے امام سدید الدین محمد عوفی تھے، عربی کے فاضل تھے۔ اُن کا عربی خطبہ لب اللباب میں نقل کیا گیا ہے [۴]۔ انہوں نے سمرقند، خوارزم، نیشاپور، ہرات، غزنی وغیرہ کی سیاحت کی تھی۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت عمیق تھی۔

التتمش نے جب ملتان پر قبضہ کر لیا تو وہاں کی پہلی علمی رونق ختم ہو گئی لیکن جب سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو وہاں بھیجا تو پھر ایک بار پرانی محفلیں گرم ہو گئیں۔ شہزادہ محمد مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ علم و فضل

---

[۱] طبقات ناصری۔ ص ۱۴۳ [۲] لب اللباب جلد دوم۔ ص ۳۲۱۔ [۳] ایضاً ص ۳۲۳
[۴] لب اللباب جلد اول ص ۱۱۵۔۱۱۶۔

میں بے مثل شخص تھا۔ اس نے ملتان کو علماء و فضلا کا مرکز بنا دیا حضرت امیر خسروؒ، خواجہ حسن سجزیؒ سب سے پہلے اُسی کے دربار سے منسلک ہوئے اور اپنے شاعرانہ کمالات کی داد پائی۔ شہزادہ محمد کی مجلس میں زیادہ تر شاہنامہ، دیوان خاقانی و انوری، خمسہ نظامی پڑھے جاتے تھے۔ اُس نے دو بار اپنے خاص آدمی اور قیمتی تحائف شیخ سعدیؒ کے پاس بھیج کر ملتان آنے کی درخواست کی لیکن شیخ نے پیرانہ سالی کا عذر کیا۔[۱]

عہد بلبنی کے علماء

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں جب ہلاکو کی خون آشام فوجوں نے بغداد میں آگ اور خون کا ہنگامہ برپا کیا تو اس علاقہ کے باقی ماندہ علماء بھی وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ بلبن نے اس برگشتہ قسمت علمی قافلہ کو خوش آمدید کہا اور اس طرح ہندوستان کی علمی دنیا کی رونق دوبالا ہوگئی۔ دہلی بغداد اور قرطبہ کی ہمسری کا دعوی کرنے لگی۔ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے:

"ہم در عصر بادشاہی سلطان بلبن چندیں علماء سرآمدہ کہ از نوادر استاداں بودند بر سر افادت سبق می گفتند.... ہر یکے از ایشاں اقلیمے را بیارایند پیراستہ بودند"[۲]

برنی نے بالخصوص ان علماء کے نام گنائے ہیں۔

(۱) مولانا برہان الدین بلخ
(۲) مولانا برہان الدین بزاز
(۳) مولانا نجم الدین دمشقی شاگرد مولانا فخر الدین رازی
(۴) مولانا سراج الدین سجزی
(۵) مولانا شرف الدین ولوالجی
(۶) قاضی رفیع الدین گازرونی
(۷) قاضی شمس الدین مراجی
(۸) قاضی رکن الدین سامانہ
(۹) قاضی جلال الدین کاشانی پسر قاضی قطب کاشانی
(۱۰) قاضی سدید الدین
(۱۱) قاضی ظہیر الدین
(۱۲) قاضی جلال الدین

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۶۸
[۲] ایضاً۔ ص ۱۱۱-۱۱۲۔

ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ علوم دینی کا ستون تھا لیکن افسوس ہے کہ ان علماء کے تفصیلی کارنامے کسی تذکرہ میں نہیں ملتے۔

عہد بلبنی کے ایک مشہور عالم اور بزرگ مولانا کمال الدین زاہدؒ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اُن سے مشارق الانوار کا درس لیا تھا۔ مولانا کے زہد و ورع، تقویٰ و دیانت کی شہرت سن کر بلبن نے ان سے امامت قبول کرنے کی درخواست کی۔ مولانا نے جواب دیا:-

"در ما جز نماز چیزے دیگر نمانده است، اکنوں بادشاه چه می خواہد که ایں ہم از ما برود"[1]

بلبن مولانا کا یہ جواب سن کر دم بخود رہ گیا۔

اسی عہد کے ایک اور بزرگ شیخ نورالدین ملک یار پرانؒ تھے۔ اُن کا حال شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار[2] میں لکھا ہے

ہندوستان میں علوم اسلامی کا عہدِ زریں

سلطان علاء الدین خلجی کا عہد حکومت، اسلامی ہند کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کا سب سے زیادہ تابناک باب ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے سیاسی، مذہبی اور تمدنی ادارے مشکلات و مصائب کے ابتدائی منازل طے کرنے کے بعد اپنے پورے شباب پر پہنچ گئے تھے۔ معاصر مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں دارالملک دہلی میں ایسے علماء اور ماہرین فن موجود تھے کہ بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، خوارزم، دمشق، تبریز، رے، روم وغیرہ میں ان کا ثانی تلاش کرنا ممکن نہ تھا۔ علوم اسلامی کا ہر گوشہ منقولات و معقولات کا ہر ہر پہلو ــــ تفسیر، فقہ، اصول فقہ، اصول دین

---

[1] سیرالاولیا، ص ۱۰۶، اخبارالاخیار، ص ۷۱۔ [2] اخبارالاخیار، ص ۷۱-۷۲۔
ضیاء الدین برنی نے ان کا نام عہد بلبنی کے مشہور مشائخ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، شیخ صدرالدین، شیخ بدرالدین غزنویؒ، دیبی سام، سیدی مولا کے ساتھ لکھا ہے۔
(ص ۱۱۲)

نحو، لغت، بیان، کلام، منطق ـــ اُن پر روشن تھا۔ اور

"ہر سالے چندیں طالبان علم ازاں استاداں برآمدہ بدرجہ افادت می رسیدند و مستحق جواب دادن فتویٰ می شدند" [1]

برنی کا کہنا ہے کہ ان میں بعض استاد تو ایسے تھے کہ حضرت امام غزالی اور امام فخر الدین رازی کے مرتبہ کو پہنچے تھے۔ ان کے کمالات اگر درج کیے جائیں تو

"بر یکے مجلدے بنویسم مقصر باشم" [2]

حد یہ ہے کہ بخارا، سمرقند، خوارزم اور عراق کے علماء کی تصانیف اس وقت معتبر سمجھی جاتی تھیں جب ہندوستان کے علماء ان پر مہر توثیق ثبت کر دیتے تھے۔ لکھا ہے:

"اگر اُستادان شہر ماآں تصنیف را استحسان و اعتبارے کردندے معتبر شدے والا مہجور ماندے" [3]

دہلی میں ہر روز وعظ و تذکیر کا ہنگامہ گرم رہتا تھا۔ مولانا عماد الدین حسام درویش کی "الحان جاں نواز" کا یہ حال تھا کہ ـــ

"نہ چشمے دیدہ ..... نہ گوشے شنیدہ" [4]

بیس سال تک اُن کی مجلسوں میں دانشمندوں، کاملوں، فاضلوں اور شاعروں کے ہجوم لگے رہے۔ اسی زمانہ میں مولانا حمید، مولانا لطیف مقری اور ان کے بیٹوں نے تذکیر کی محفلیں سجائیں۔ مولانا لطیف کی قرآن خوانی کا یہ عالم تھا کہ

"مرغ از آسماں فرود آمدے" [5]

و دیگر مذکرین میں مولانا ضیاء الدین سنامی [6]، مولانا شہاب الدین خلیلی، مولانا کریم الدین

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۵۳ [2] ایضاً ص ۳۵۴ [3] ایضاً ص ۳۵۵ [4] ایضاً ص ۳۵۵-۵۶
[5] ایضاً ص ۳۵۵-۳۵۶۔ [6] انہوں نے ایک کتاب "نصاب الاحتساب" لکھی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے مخالف تھے۔ سماع پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو شیخ نظام الدین اولیاء ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ مولانا کو اطلاع ہوئی تو اپنا دستارچہ (بقیہ بر صفحہ ۲۴)

مولانا جلال حسام درویش، اور مولانا بدرالدین پنہو کھودی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ عہد علائی کے مذکرین وعلمار حکومت وقت سے بے تعلق رہے۔ اور نیک نیتی کے ساتھ عوام کی اصلاح وتربیت کے لیے کوشش کرتے رہے۔

عہد علائی کے علماء

ضیار الدین برنی نے اپنے عہد کے مندرجہ ذیل علماء کی فہرست دی ہے:-

(۱) قاضی فخرالدین ناقلہ
(۲) قاضی شرف الدین سرباہی
(۳) مولانا نصیرالدین غنی
(۴) مولانا تاج الدین مقدم
(۵) مولانا ظہیرالدین لنگ
(۶) قاضی مغیث الدین بیانہ
(۷) مولانا رکن الدین سنامی
(۸) مولانا تاج الدین کلاہی
(۹) مولانا ظہیرالدین بھکری
(۱۰) قاضی محیی الدین کاشانی
(۱۱) مولانا کمال الدین کولی
(۱۲) مولانا وجیہ الدین پائلی
(۱۳) مولانا منہاج الدین قاینی
(۱۴) مولانا نظام الدین کلاہی
(۱۵) مولانا نصیرالدین کٹرہ
(۱۶) مولانا نصیرالدین صابونی
(۱۷) مولانا علار الدین تاجر
(۱۸) مولانا کریم الدین جوہری
(۱۹) مولانا حجت ملتانی
(۲۰) مولانا حمیدالدین مخلص
(۲۱) مولانا برہان الدین بھکری
(۲۲) مولانا افتخار الدین بمنی
(۲۳) مولانا حسام الدین سُرخ
(۲۴) مولانا وحیدالدین طو
(۲۵) مولانا علار الدین کرک
(۲۶) مولانا حسام الدین ابن شادی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳) راستہ میں بچھوا دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے دستارچہ کو اُٹھا کر آنکھوں سے لگالیا جب مولانا ضیار الدین کا انتقال ہوگیا تو نہایت رنج کے ساتھ فرمایا۔

"یک ذات بود حامی شریعت حیف آں نیز نماند" (اخبار الاخیار۔ ص ۱۰۸)

(۲۷) مولانا حمید الدین بنیانی	(۳۷) مولانا شمس الدین تم
(۲۸) مولانا شہاب الدین ملتانی	(۳۸) مولانا صدر الدین گندہک
(۲۹) مولانا فخر الدین ہانسوی	(۳۹) مولانا علاء الدین لوہوری۔
(۳۰) مولانا فخر الدین سقاقل	(۴۰) مولانا شمس الدین یحییٰ
(۳۱) مولانا صلاح الدین سترکی	(۴۱) قاضی شمس الدین گازرونی
(۳۲) قاضی زین الدین ناقلہ	(۴۲) مولانا صدر الدین تادی
(۳۳) مولانا وجیہ الدین رازی	(۴۳) مولانا معین الدین لونی
(۳۴) مولانا علاء الدین صدر الشریعۃ	(۴۴) مولانا افتخار الدین رازی
(۳۵) مولانا میراں ماریکلہ	(۴۵) مولانا معز الدین اندہینی
(۳۶) مولانا نجیب الدین ساری	(۴۶) مولانا نجم الدین انتشار

اس فہرست میں علماء کی وطنی نسبت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کتنے بزرگ بیانہ، بھکر، کول، کٹرہ، ملتان، برن، ہانسی، سترکھ، لاہور، وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے! اب سرزمین ہند کی علمی فضا اس قابل ہوگئی تھی کہ رازی و غزالی کے پایہ کے عالم پیدا کر سکے!

عہد خلجی کا نصاب تعلیم اور مروجہ کتابیں

مولانا سید عبد الحئی مرحوم نے دور اول کا مندرجہ ذیل نصاب بتایا ہے[۱]:-

نحو: کافیہ، لُبّ الالباب مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی

فقہ: ہدایہ

اصول فقہ: منار، اصول بزدوی

تفسیر: مدارک، بیضاوی، کشاف۔

---

[۱] رسالہ الندوہ۔ فروری ۱۹۰۹ء ص ۷۔۸

تصوف : عوارف، فصوص

حدیث : مشارق الانوار، اور مصابیح السنہ

ادب : مقامات حریری۔

منطق : شرح شمسیہ

فن کلام : شرح صحائف، تمہید ابوشکور سالمی۔

لیکن یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ بہت سی اور کتابیں بھی اس زمانے میں لوگوں کے مطالعہ میں رہتی تھیں، گو باقاعدہ طریقے پر نصاب میں شامل نہ تھیں۔ معاصر تذکروں، تاریخوں اور ملفوظات کی بنیاد پر ہم مندرجہ ذیل فہرست پیش کرتے ہیں تاکہ اس عہد کے مسلمانوں کے عام دینی اور علمی رجحانات کا اندازہ ہو سکے۔

(۱) قوت القلوب
(۲) احیاء العلوم
(۳) رسالہ قشیری
(۴) مکتوبات عین القضاۃ
(۵) مرصاد العباد
(۶) لوائح، قاضی حمید الدین ناگوری
(۷) تفسیر امام ناصری۔
(۸) نوادر الاصول۔ مولانا علاء الدین ترمذی۔
(۹) روح الارواح
(۱۰) مقصد الاقصیٰ
(۱۱) اسناد حلیہ شیخ عبداللہ تستری
(۱۳) کیمیائے سعادت
(۱۴) تحفۃ الشباب
(۱۵) تفسیر مدارک
(۱۶) نہج البلاغۃ
(۱۷) کنز الادب
(۱۸) تفسیر حقائق
(۱۹) فقہ محقول
(۲۰) اخبار الاثمار
(۲۱) مصباح الدجیٰ
(۲۲) سیر الملوک
(۲۳) تعرف
(۲۴) مکتوبات مولانا فخر الدین

(۲۵) قدوری　(۲۷) تذکرۃ الاولیاء

(۲۶) مجمع البحرین　(۲۸) خمسہ نظامی

عہدِ تغلق میں اسلامی علوم کی حالت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے عہدِ تغلق میں علمی معیار کے گر جانے کی شکایت کی ہے اور لکھا ہے کہ گو اس زمانے میں بہت سے علماء موجود تھے لیکن عہد علائی کی سی رونق نہ تھی[1] اس انحطاط کے باوجود دہلی کا جو علمی ماحول تھا وہ کسی طرح ایسا نہ تھا کہ اس پر افسوس کیا جائے۔ عرب سیاحوں کا بیان ہے کہ محمد بن تغلق کے زمانے میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے[2] فیروز شاہ کا مدرسہ مشرق کی اعلیٰ ترین درس گاہوں میں تھا۔ دور دور سے لوگ اس کو دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ سیرت فیروز شاہی میں لکھا ہے ؎

اہلِ نظارہ دیدار او شرق و غرب

کارواں در کارواں و قافلہ در قافلہ[3]

طلباء کے قیام و طعام کا نہایت عمدہ انتظام تھا۔ جید علماء درس و تدریس کا کام انجام دیتے تھے۔ مطہر حوض خاص کی سیر کے بعد جب مدرسہ کے باغ میں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ

صحن او روح فزا ساحت او جاں پرور　خاک او مشک فشاں نکہت او عنبر بار

سبزۂ سنبل و ریحان و گل و لالہ درو　رستہ و آراستہ چنداں کہ کند چشم تو کار

بام و برجش بزر آراستہ چوں روئے عروس　در و دیوار جلا دادہ بطلق آئینہ وار

مدرسہ میں جب داخل ہوتا ہے تو دیکھتا ہے:-

چوں درآمد ز درش دیدہ دراں جنت خلد　قاصداں (فاضلاں) صف زدہ ہر سو ملائک کردار

عالماں عربی لفظ و عراقی دانش　ہمہ در جبہ شامی و بمصری دستار

---

[1] فہرس التوالیف (قلمی)　[2] صبح الاعشیٰ۔

[3] سیرت فیروز شاہی (قلمی نسخہ) نیز ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۵۶۴ - ۵۶۵ -

ہر یکے نادرۂ دہر در انواع ہنر | ہر یکے واسطۂ عقل در اطراف دیار
در فقاہت بخارا و سمرقند نشاں | در بلاغت حجاز و یمن و نجد و منار
صدر آں محفل و سر دفتر آں استادے | کہ ز سر تا بقدم صورت عقلست و وقار
گفتم ایں عالم آفاق جلال الدین است | رومی، آن کز نسبش رے کند و روم فخار
راوی ہفت قرات سند چاردہ علم | شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چار
پس شنیدیم ز گفتارش انواع علوم | اخذ کردیم ز تفسیر و اصول و اخبار

اس کے بعد کھانے کا حال لکھا ہے کہ

ہمہ دراج و کبوتر بچہ و کبک و کلنگ | ماہی و مرغ مسمن برہ کوہ و قطار[1]

عہد تغلق کے علماء

عہد تغلق میں بعض نہایت مشہور علماء اور شعراء موجود تھے۔ جن کی علمی کاوشوں نے اس دور کو بڑی رونق بخش دی تھی۔

مولانا معین الدین عمرانی اس زمانہ کے جید عالم تھے۔ شیخ محدثؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"دانشمندے عظیم و استاد شہر بود"[2]

انہوں نے کنز، حسامی، مفتاح وغیرہ پر حواشی لکھے تھے۔ محمد بن تغلق نے ان کو شیراز قاضی عضد کے پاس بھیجا تھا اور ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی اور متن مواقف کو اپنے نام معنون کرنے کی درخواست بھی کی تھی۔

اس دور کے ایک اور مشہور عالم مولانا ضیاء الدین بخشیؒ تھے۔ انہوں نے بدایوں کے ایک گوشہ میں اپنی زندگی گزار دی اور کبھی عزت و شہرت کے خواہاں نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے دل کی دنیا "سوز و مستی، جذب و شوق" سے تعمیر کی تھی۔ ان کی دعا تھی[3]

---

[1] دیوان مطہر۔ اورنٹیل کالج میگزین۔ مئی ۱۹۳۵ء۔ ص ۱۳۷-۱۳۸۔
[2] اخبار الاخیار۔ ص ۱۴۲۔
[3] ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "مولانا ضیاء الدین بخشی" مطبوعہ "برہان" نومبر ۱۹۵۱ء

خدایا اہل دل را ذوق دل دہ　　　ضیائے نخشبی را شوق دل دہ

انہوں نے مندرجہ ذیل تصانیف چھوڑی ہیں ——

(۱) طوطی نامہ　　　(۲) شرح دعائے سریانی

(۳) چہل ناموس　　　(۴) سلک السلوک

(۵) گلریز　　　(۶) لذات النساء

ان کتابوں سے اُن کی معلومات کی وسعت، مذہبی معاملات میں ان کی بالغ نظری اور بیدار احساس کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا احمد تھانیسری اس دور کے ایک اور جید عالم ہیں۔ وہ حضرت چراغ دہلویؒ کے مرید تھے۔ جب تیمور نے حملہ کیا تو وہ گرفتار ہو کر تیمور کے پاس پہنچے۔ وہاں شیخ الاسلام نبیرہ مولانا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے سخت گفتگو ہوئی اور مولانا تھانیسری نے اپنے شاگردوں سے صاحب ہدایہ کی غلطیوں پر تقریر کرائی [۱] عربی زبان پر اُن کو بڑا اچھا عبور حاصل تھا۔ ایک قصیدہ نعتِ رسول میں لکھا تھا جو فصاحت و بلاغت میں لاجواب ہے۔

مولانا تھانیسری کے ایک مشہور ہم عصر مولانا خواجگی تھے۔ اُن کو مولانا معین الدین عمرانی سے تلمذ تھا۔ ان کے شاگرد قاضی شہاب الدین دولت آبادی تھے جنہوں نے بدائع البیان، حاشیہ کافیہ، شرح بزودی، تفسیر بحر مواج وغیرہ تصنیف فرمائی تھیں۔

عہد تغلق کے مورخین میں مولانا ضیاء الدین برنی [۲] اور عصامی [۳] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شعراء میں مطہر [۴]، یوسف گدا [۵]، نخشبی، بدر [۶] چاچ، مسعود بک [۷] وغیرہ امتیازی شان

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۱۴۲-۱۴۳　[۲] مصنف تاریخ فیروز شاہی، فتاوائے جہانداری حسرت نامہ ثنائے محمدی وغیرہ۔　[۳] مصنف فتوح السلاطین (مرتبہ ڈاکٹر مہدی حسن آگرہ، نیز محمد یوشع مدراس)
[۴] دیوان۔ اورینٹیل کالج میگزین ۱۹۳۵ء　[۵] مصنف تحفۃ النصائح (مطبع نور لاہور ۱۳۱۸ھ)
[۶] قصائد بدر چاچ (نولکشور ۱۸۴۵ء)　[۷] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ ص ۱۹۴-۱۹۷۔

کے مالک تھے۔

محمد بن تغلق کے زمانہ میں ممالک اسلامی سے علماء و شعراء کثیر تعداد میں ہندوستان آئے۔ امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد امام عبدالعزیز اردبیلی نے محمد بن تغلق کے دربار میں احادیث نبوی بیان کیں[1]۔ قاموس کے مصنف مولانا مجدالدین فیروزآبادی اسی زمانے میں ہندوستان آئے۔

مشائخ کے ملفوظات کے بعض مستند اور قابل قدر مجموعے اسی زمانے میں مرتب ہوئے امیر خورد نے سیرالاولیا، حمید قلندر نے خیرالمجالس، شیخ عزیز نے سرورالصدور، حماد کاشانی نے احسن الاقوال اسی زمانے میں ترتیب دیں۔

لودیوں کے عہد میں علوم اسلامی کی نوعیت

تیمور کے حملے (۱۳۹۹ء) نے شمالی ہندوستان بالخصوص دہلی کی علمی مجلسوں کو درہم برہم کردیا۔ علماء و مشائخ دہلی کو چھوڑ کر مختلف صوبوں میں چلے گئے۔ سکندر لودی نے اس اُجڑی بزم کو از سر نو سنوارنے کی کوشش کی اور مشاہیر علماء کو دور دور سے بلا کر یہاں بسایا۔ شیخ عبدالحق محدثؒ لکھتے ہیں۔

"... اسکندریہ کہ زمان صلاح وتقوی و ورع و دیانت وصیانت بود و بسیاری از اکابر و علماء از اطراف و اکناف عالم از عرب و عجم دراں زماں تشریف آوردہ دریں دیار توطن فرمودند"[2]

سکندر لودی کے زمانہ میں ملتان میں جب لنگا خاندان برسر اقتدار آیا تو وہاں کے بہت سے علماء اس طرف رجوع ہو گئے۔ شیخ عبداللہ اور شیخ عزیزاللہ نے سنبھل میں قیام کرلیا تھا۔ سکندر لودی شیخ عبداللہ کا بڑا احترام کرتا تھا اور اُن کے حلقہ درس میں شریک

---

[1] ابن بطوطہ۔ (عجائب الاسفار۔ ص ۱۲۰)
[2] اخبارالاخیار۔ ص

ہوتا تھا۔ اِن دونوں بزرگوں نے علم معقول کو بہت ترقی دی اور معیار فضیلت کو بلند کرنے کے لیے قاضی عضد کی تصانیف مطالع و مواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم کو درس میں شامل کیا۔ اس کے بعد یہ کتابیں نصاب کا خاص جزو بن گئیں۔

اسی زمانہ میں مولانا رفیع الدین صفوی شیرازیؒ دہلی تشریف لائے اور عرصۂ دراز تک درس تدریس کا ہنگامہ برپا رکھا۔ شیخ عبدالحق ان کے متعلق لکھتے ہیں "دانشمند بود و محدث" وہ معقولات میں مولانا جلال الدین دوانی کے اور حدیث میں شیخ سخاویؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا جمالیؒ لودیوں کے زمانے میں بیشتر اسلامی ممالک کی سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے اور مشایخ ہند کے حالات میں سیر العارفین تصنیف فرمائی۔ جو سیر الاولیاء اور اخبار الاخیار کے درمیان ایک اہم اور معتبر کڑی سمجھی جاتی ہے۔ جمالی کے مرشد مولانا سماء الدینؒ بھی جید عالم تھے۔ شیخ فخر الدین عراقی کی لمعات پر فاضلانہ حاشیہ لکھا تھا۔ اُن کی ایک اور تصنیف مفتاح الاسرار ہے۔

شیخ عبدالوہاب بخاری ملتان کے مشہور عالم تھے۔ سکندر لودی کے عہد میں دہلی آکر بس گئے تھے۔ سلطان کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ انہوں نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی جس کے متعلق شیخ محدثؒ کا بیان ہے :-

"... تفسیریست کہ اکثر قرآن بلکہ تمام آنرا ارجاع بنعت پیغمبر و ذکر او کردہ صلی اللہ علیہ وسلم و بسیارے از دقائق عشق و اسرار محبت درانجا درج کردہ است، غالباً وقوع آں در غلبہ حال و استغراق وقت بودہ است وبداں جہت در بعضے مواضع جانب ظاہر لفظ و عبارت نامرعی ماندہ است"[۴]

سکندر لودی کے زمانہ میں شاہ جلال شیرازی مکہ معظمہ سے آکر دہلی میں مقیم ہو گئے۔ انہوں نے

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۲۴۳-۲۴۴ [۲] حالات کے لیے اخبار الاخیار۔ ص ۲۲۱-۲۲۲
[۳] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۵-۲۰۷ [۴] ایضاً۔ ص ۲۰۹-۲۱۴۔

گلشن راز پر نہایت اعلیٰ شرح لکھی تھی۔ مثنوی مولانا روم کے اسرار و غوامض دلکش انداز میں بیان کرتے تھے۔[1]

لودیوں کے زمانہ کے چند اور بزرگ بھی قابل ذکر ہیں۔ مثلاً شیخ اذہن دہلوی جو شیخ عبدالحق کے نانا تھے۔ اور علم وفضل، زہد و ورع میں ممتاز تھے۔[2] اور مولانا شعیب جن کے متعلق شیخ محدثؒ کا بیان ہے ــــ

"در وعظ و تذکیر بے نظیر زماں خود..... جمیع اکابر و علمائے شہر در پائے وعظ او حاضر شدندے و اکثر از موالی و اہالی شہر در ابتدا شاگرد او بودند"[3]

گزشتہ صفحات میں ہم نے اسلامی ہند کے عام علمی ماحول کا ایک سرسری جائزہ لیا ہے ــــ کیا قرون وسطیٰ کے اس تعلیمی نظام میں قرآن وحدیث کے لیے کوئی جگہ نہ تھی؟ کیا یہ سب علماء قرآن وحدیث سے یکسر ناآشنا تھے؟ ــــ اللہ اللہ علم و دانش کی کرشمہ سازیاں کہ مسلمانوں کی ایک مشہور تعلیمی درس گاہ کے فارغ التحصیل[4] نے اسلامی ہند کی سات سو سالہ تاریخ پر نظر ڈالی اور اس کو ظلمت ہی ظلمت نظر آئی۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

آئیے ہندوستان میں قرآن وحدیث اور فقہی علوم کا جائزہ لیں تاکہ شیخ محدثؒ سے قبل کا پورا دینی ماحول ہماری آنکھوں کے سامنے آجائے۔

علوم قرآن

قرآن پاک ہمیشہ مسلمانوں کے لیے غور و فکر کا مرکزی نقطہ رہا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جن علوم کو بھی مسلمانوں نے ترقی دی وہ کسی نہ کسی طرح قرآن ہی سے متعلق تھے۔

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۱۴۔ [2] ایضاً۔ ص ۲۱۸-۲۱۹ [3] ایضاً۔ ص ۲۱۹

[4] "الفرقان" (شاہ ولی اللہ نمبر) مسعود عالم ندوی کا مضمون۔

(۱) ہندوستان میں مسلمان بچوں کی تعلیم کی ابتدا ہمیشہ قرآنِ پاک سے ہوئی ہے۔ اور اس کے حفظ کرنے اور قرارت کے لیے بڑے اہتمام کیے گئے ہیں۔ علوم قرآن کے جس حصہ نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے وہ علم قرأت ہے۔ عرب میں قرآن پڑھنے کے سات طریقے رائج تھے۔ ہندوستان میں یہ سب طریقے پہنچے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے اردو میں سات طرح کی قرارت سیکھی تھی۔ لکھا ہے

"حضرت شیخ حفظ قرآن با ہفت قرأۃ از برداشت"۔[1]

ضیاء الدین برنی نے عہد علائی کے تین ماہرین قرأت کے نام گنانے کے بعد لکھا ہے کہ شہر کے سیکڑوں حافظ اُن سے اپنی قرأت درست کرتے تھے اور

"مثل ایشاں درخراسان وعراق نشان نداده اند"[2]

ان کے نام یہ ہیں :-

(۱) مولانا جمال الدین شاطبی

(۲) مولانا علاء الدین مقری

(۳) خواجہ زکی خواہر زادہ حسن بصری۔

فیروز شاہ کے مدرسہ کا حال پیچھے گزر چکا ہے۔ اس کے پرنسپل مولانا جلال الدین رومی "راوی ہفت قرأۃ" تھے[3]۔ گلزار ابرار میں شیخ عبد الملک قاری کا حال اس طرح لکھا ہے:

"آپ کلام ربانی کو سات قرأۃ اور چودہ روایت سے پڑھتے تھے اور ہمیشہ سب کو خواہ درویش ہویا تونگر حسبۃً للہ قرآن اور قرأۃ سکھایا کرتے تھے۔ اسی پسندیدہ طریقے کے ساتھ ایام عمر پورے کر دیے اور دار الخلافہ آگرہ میں خواب گاہ اختیار کی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند شیخ محمد قرآن کے شوقین لوگوں کے ساتھ باپ کا طریقہ اختیار

---

[1] سیر العارفین۔ ص ۱۰۳۔ [2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۵۵۔

[3] دیوان مطہر (اورنٹیل کالج میگزین، مئی ۱۹۳۵ء)

کر کے جانشین ہوئے"[۱]

صوفیہ میں شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ قرأۃ کے ماہر تھے اور اپنے اعلیٰ مریدین و خلفاء کو قرآن بہت دلکش انداز میں پڑھاتے تھے[۲]۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے امام شیخ شہاب الدینؒ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی خوش الحانی سے پرندے اور چرندے تک مدہوش ہو جاتے تھے[۳]۔ آخری زمانہ کے علماء میں شیخ عبدالوہاب متقیؒ فن قراٗہ اور تجوید کے ماہر استاد تھے۔ شیخ محدث نے ایک بزرگ شیخ سلیمان مندوی کے متعلق لکھا ہے کہ "در تجوید قرآن یگانہ عصر بود"[۴]۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو ان سے تلمذ تھا۔

ماہرین قرأت کے یہ نام بلا کسی تلاش اور کوشش کے پیش کر دیے گئے ہیں۔ اگر مذہبی تذکروں اور ملفوظات سے اُن بزرگوں کے نام جمع کیے جائیں جن کو اس فن سے دلچسپی تھی تو یقیناً چند جزو کی فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا تھا کہ علوم قرآنی کی یہ شاخ ہندی مسلمانوں کی خاص توجہ کا مرکز رہی ہے۔

(۲) تجوید و قراٗت سے گزر کر جب ہم تفسیر کی طرف رخ کرتے ہیں اور ہندی مسلمانوں کے دینی سرمایہ کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے گھرانے سے پہلے قرآن فہمی کا عام چرچا ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ تفسیر کی جو کتابیں اس سے پہلے لکھی گئیں اُن کی افادیت کا دائرہ علماء تک محدود رہا۔ عوام ان سے استفادہ نہ کر سکے۔

قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ ہندوستان میں سندھی زبان میں ہوا۔ یہ ترجمہ ۲۷۰ھ میں ارور کے راجہ کے لیے کیا گیا تھا[۵]۔ اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک عزیز

---

[۱] گلزار ابرار۔ ص ۱۳۱۔ [۲] سیر الاولیاء۔ بابا فریدؒ نے چند پارے شیخ نظام الدین اولیاء کو پڑھائے تھے وہ کہتے تھے کہ "والضالین" کی قرأۃ جس طرح باباصاحب کرتے تھے اس طرح کسی کو بھی کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ [۳] سیر الاولیاء ص ۲۹۰۔۲۹۱۔ [۴] اخبار الاخیار۔ ص ۲۱۵۔

[۵] عجائب الہند۔ ص ۳۔ بحوالہ تاریخ سندھ۔ مولانا سید ابوظفر ندوی (۱۹۴۷ء)

مریداور خواہرزادہ خواجہ قاسم نے لطائف التفسیر لکھی تھی۔ اس تفسیر کا مقصد یہ تھا:

"تا منافع بخاص وعام رسد و مطالع آں بر اسرار قرآن و دقائق فرقان مطلع گردند"[۱]

اس تفسیر کا کوئی نسخہ نظر سے نہیں گزرا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے قبل علوم قرآنیہ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) الرسالۃ فی الناسخ والمنسوخ: امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے لکھا تھا۔ اس کا قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے۔

امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ (۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء) شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ کے مرید تھے۔ ترک وطن کرکے سیدوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ کشمیر چلے آئے تھے اور وہیں ۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء میں وصال فرمایا۔

(۲) خلاصۃ جواہر القرآن فی بیان معانی القرآن: مولانا ابوبکر اسحاق ملتانی المعروف بہ ابن التاج کی تصنیف ہے۔ قلمی نسخہ برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے[۳]۔

مولانا ابن التاج کا حال کتابوں میں نہیں ملتا۔ لیکن مسالک الابصار مصنفہ شہاب الدین العمری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی کافی شہرت تھی۔ العمری نے ان کے بیانات کو بڑی وقعت سے نقل کیا ہے[۴]۔

(۳) تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان: تصنیف شیخ علی بن احمد المہائمیؒ (۸۳۵ھ/۱۴۳۲ء) گجرات کے علماء میں شیخ علی مہائمیؒ کو خاص مرتبہ حاصل ہے۔ مولانا سید عبدالحیی مرحوم نے لکھا ہے

"میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں، شاہ ولی اللہ دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں اُن کا کوئی نظیر نہیں"[۵]

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۲۰۷ [۲] حالات کے لیے ملاحظہ ہو نفحات الانس، سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۵

[۳] فہرست مرتبہ الورث ۸۰۶ [۴] مسالک الابصار ص ۴۴ (انگریزی ترجمہ) [۵] یاد ایام ص ۵۲۔

اس تفسیر کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے یہ ہے:-

"تفسیر رحمانی کہ بصفت ایجاز و تدقیق موصوف است و تفسیر را بالقرآن امتزاج داده است" [۱]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اس تفسیر کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"کتاب تبصیر الرحمٰن کہ مرسل داشتہ بودند بعضے از مواضع آں را مطالعہ نمودہ واپس فرستاد، مگر مصنف ایں کتاب خیلے میل بمذہب فلاسفہ دارد و نزدیک است کہ حکما را عدیل انبیاء سازد ... مطالعہ ایں کتاب بے ضرر ہائے خفیہ بلکہ جلیہ نیست اظہار ایں معنی لازم دانست بچند کلمہ متصدع گشت"

شیخ مہائمی، فصوص الحکم پر گہری نظر رکھتے تھے اور وحدت الوجود کے پرجوش علمبردار تھے۔ ممکن ہے کہ شیخ مجددؒ کو ان کے نظریات سے اس بنا پر بھی اختلاف ہو۔

(۴) بحر مواج: قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔

قاضی شہاب الدین اپنے زمانے کے مشاہیر علماء میں تھے [۲] ان کی یہ تفسیر قطعاً عام فہم نہ تھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"بحر مواج تفسیر قرآن مجید کردہ بعبارت فارسی اور وے بیان ترکیب و معنی فصل و وصل دادہ است و در ینجا نیز از برائے سجع تکلفے کردہ است، قابل اختصار و تنقیح و تہذیب ست" [۳]

(۵) شئون المنزلات: شیخ علی متقیؒ [۴] (۱۵۶۷ء)

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۱۰۴۔ [۲] ان کے تفصیلی حالات کی تلاش ہو تو مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔۔ اخبار الاخیار۔ ص ۱۷۵۔۱۷۶۔ سبحۃ المرجان۔ ص ۳۹، حدائق الحنفیہ۔ ص ۳۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ جلد اول ص ۹۳۲۔

[۳] اخبار الاخیار۔ ص ۱۷۵۔ [۴] حالات کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ (د)

(۶) التفسیر المحمدی المسمی بہ کاشف الحقایق: ابو صالح محمد بن احمد میاں جی (۱۵۴۰ء) احمد آباد کے مشاہیر علماء میں تھے[۱]

(۳) نصاب تعلیم میں تفسیر کی مندرجہ کتابیں رہی ہیں:

(۱) کشاف (۲) مدارک (۳) بیضاوی

ان کے علاوہ تین اور کتابوں کے حوالے ملتے ہیں:

(۱) تفسیر ناصری (۲) تفسیر زاہد (۳) تفسیر حقائق۔

ہندوستان میں علماء کی توجہ کا مرکز زیادہ تر تفسیر کشاف ہی رہی۔ شیخ حمید الدین ناگوری خلیفہ خواجہ معین الدین چشتی رح نے اس کو آٹھ جلدوں میں بندھوا لیا تھا تاکہ جس جزو کی ضرورت ہو اس کا مطالعہ آسانی سے کر لیں۔ اس تفسیر کے متعلق اُن کی رائے بہت وقیع ہے۔ فرماتے ہیں:

"آنچہ در کتابہائے دیگر است ہم ازیں کتاب است، ہرچہ دانستہ اند خوش آمدہ است ازینجا نقل کردہ اند و کتابے علیحدہ بنام خویش کردہ اند"[۲]

ہندوستان میں مدارک اور بیضاوی پر کئی حاشیے لکھے گئے۔ شیخ الہداد جون پوری[۳] (المتوفی ۱۵۲۵ء) نے "حاشیہ علی المدارک التنزیل" خطیب ابو الفضل گجراتی (۱۵۵۱ء) نے حاشیہ علی تفسیر البیضاوی[۴] اور شیخ وجیہ الدین علوی رح نے حاشیہ علی بیضاوی لکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے علماء ہند کشاف، بیضاوی اور مدارک سے آگے نہ بڑھ سکے۔

تفسیر زاہد کے متعلق سرور الصدور میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے اوچہ میں آئی[۵] وہاں سے ملک کے دوسرے حصوں میں پھیلی۔

---

[۱] حالات کے لیے تذکرۂ علمائے ہند۔ ص ۱۴۳ [۲] سرور الصدور (قلمی نسخہ) ص ۴۴

[۳] اخبار الاخیار۔ ص ۱۹۱-۱۹۲۔ [۴] قلمی نسخے رامپور اور پشاور کے کتب خانوں میں موجود ہیں

[۵] سرور الصدور۔ ص ۶۱۔

علم حدیث

بعض مصنفین کا خیال ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے ہندوستان کے مسلمان علم حدیث سے نا آشنا تھے اور مشارق الانوار کے علاوہ کسی حدیث کی کتاب سے واقفیت نہ رکھتے تھے۔ یہ خیال غلط ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں بزرگوں نے حدیث کا بے حد چرچا کیا اور عوام کے استفادہ کے لیے بہتر طریقے پر ان علوم کی اشاعت کی، لیکن یہ کہنا کہ اُن سے پہلے علم حدیث یا حدیث کی کتابیں ہندوستان میں نہ تھیں تاریخی حقایق کے خلاف ہے۔ اسلامی ہند نے اپنے ابتدائی دور میں سیکڑوں عالم حدیث پیدا کیے اور علم حدیث پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ جن اسباب کی بنا پر ہم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں حدیث کی تقریباً سب کتابیں ممالک اسلامی میں رائج ہو چکی تھیں۔ یہ کس طرح تسلیم کرلیا جائے کہ ان ملکوں سے جو علماء ہجرت کرکر ہندوستان آئے وہ علم حدیث کو چھوڑ آئے اور باقی سب علوم اپنے ساتھ لے آئے۔

(۲) اگر اسلامی ہند کے ابتدائی دور کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ اس زمانہ میں علم حدیث کافی ترقی کرچکا تھا۔ کشف المحجوب کی سطریں جن ہاتھوں سے لکھی گئی ہیں، فوائد الفواد کے جملے جس زبان سے بولے گئے ہیں، ان کے عظیم المرتبت محدثین ہونے میں شبہ کرنا علم و دیانت کے خلاف ہے۔ فوائد الفواد کو پڑھتے وقت تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم حدیث کا ایک ناپیدا کنار سمندر موجیں مار رہا ہے!

(۳) قاضی منہاج السراج نے اپنی مشہور کتاب طبقات ناصری میں خروج الکفار کے سلسلہ میں "کتب معتبر حدیث" کا ذکر کیا ہے اور پھر سنن ابی داؤد سجستانی کو نقل کیا ہے۔[1]

---

[1] طبقات ناصری ص ۳۲۶ - = ۔ ۲ ۲ ۶۲ ۔ طبع کابل

(۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ، مولانا رضی الدین صغانی صاحب مشارق الانوار کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب وہ بدایوں سے دہلی پہنچے تو وہاں کافی علماء و محدثین موجود تھے :-

"باز بحضرت دہلی رسید، دراں ایام در حضرت دہلی علماء کبار بودند باہمہ در علوم تساوی بوداما در علم حدیث از ہمہ ممتاز" [۱]

(۵) شیخ حمید الدین ناگوریؒ خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے زمانہ میں علم حدیث ناگور میں اتنی ترقی کر گیا تھا کہ شیخ ناگوریؒ فرمایا کرتے تھے ـــ

"مرد را بست ہزار حدیث یاد باید تا محدث شود" [۲]

(۶) ضیاء الدین برنی نے علم حدیث کے متعلق اپنی یہ رائے لکھنے کے بعد ـــ

"بعد علم تفسیر انفس ترین علوم انفع ترین علوم است" [۳]

امام بخاری، امام ثعلبی، امام مقدسی، امام واقدی، امام محمد اسحاق، امام دینوری وغیرہ کی کتابوں کا ذکر کیا ہے [۴] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ میں حدیث کی یہ کتابیں نایاب نہ تھیں۔

(۷) بانکی پور کے کتب خانے میں صحیح مسلم کا ایک ایسا جزو محفوظ ہے جو سلطان سکندر لودی (۸۹۴-۹۲۲) کے لیے لکھا گیا تھا۔ پہلے صفحہ پر یہ عبارت ہے :-

برسم خزانۃ الکتب السلطان العادل الفاضل الکامل المجاہد فی سبیل اللہ ابی الفتح اسکندر شاہ ابن بہلول ملکہ وخلافتہ

(۸) شاہ مظفر بلخیؒ خلیفہ حضرت شیخ شرف الدین یحیی منیریؒ کے سلسلہ میں مناقب الاصفیاء میں لکھا ہے :

---

[۱] فوائد الفواد۔ ص ۱۰۴
[۲] سرور الصدور (قلمی)
[۳] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۱۰
[۴] ایضاً۔ ص ۱۳-۱۴

"نقل است کہ صحیح مسلم نسخہ مصحح درغایت تصحیح بود درکاغذ ابریشمی بخط عرب نوشتہ بود
شیخ الاسلام شیخ معز بلخی را قرأت صحیح مسلم ہمداں نسخہ بود"

(۹) مکتوبات مولانا امام مظفر بلخیؒ میں لکھا ہے:

"شنیدہ شد کہ مولانا زین الدین ساکن دیوہ بہ بندگی صحیح مسلم و کتاب معتبر و معتمد
در علم حدیث . . . . و بہ نزدیک مخدوم کتب احادیث بسیار جمع شدہ"

(۱۰) مکتوبات صدی میں ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:-

"ایں در صحیح بخاری است"

(۱۱) برنی شیخ علاء الدین اجودھنیؒ کے متعلق لکھتا ہے:

"من از ثقات شنیدہ ام کہ . . . . . ندیدیم شیخ علاء الدین را مگر در نماز یا در قرآن
یا در مطالعہ کتب حدیث" [۱]

(۱۲) مدرسہ فیروزی کے صدر مدرس "شارح پنج سنن"[۲] تھے، اوران کا درس دیتے تھے
برنی نے لکھا ہے

"و متعلمان را ہموارہ تعلیم می کنند و تفسیر و حدیث و فقہ می خوانند" [۳]

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت تو واضح ہوگئی کہ حدیث کی سب مشہور کتابیں
ہندوستان میں موجود تھیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو علمِ حدیث سے دلچسپی تھی۔

دسویں صدی ہجری میں علم حدیث ہندوستان میں

شیخ عبدالحق دہلوی کی خدمات حدیث گیارہویں صدی ہجری سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دسویں
صدی ہجری میں علوم حدیث کی عام حالت کا جائزہ لے کر آگے بڑھیں۔ دسویں صدی ہجری میں یوپی
دہلی، پنجاب کے سارے علاقہ میں صرف دو محدثین کے نام نظر آتے ہیں۔ حاجی ابراہیم قادری[۴]

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۷ [۲] دیوان مطہر (اورنٹیل کالج میگزین)
[۳] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۵۶۳۔ [۴] حاجی صاحب کا تفصیلی حال ان کتابوں میں ملاحظہ ہو
گلزار ابرار۔ ص ۲۴۲۔ منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۳۹۔

محدثؒ اور مولانا اسمٰعیل لاہوری۔

حاجی ابراہیم قادری (المتوفی ۱۰۰۱ھ) مانک پور میں پیدا ہوئے تھے۔ دو تین سال بغداد میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا۔ پھر مصر پہنچے۔ وہاں شیخ شمس الدین علقمی سے حدیث کی تصحیح کی۔ شیخ محمد بکری شافعی سے سند اور اجازت لے کر مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں شیخ عبدالرحمٰن ابن الفہد مغربی، شیخ مسعود مغربی اور شیخ علی متقیؒ کی خدمت میں از سر نو حدیث کی تکرار کی۔ پھر مصر گئے۔ اور وہاں چوبیس سال تمام علوم کا درس دیا۔ آخر عمر میں وطن کی محبت غالب آئی تو ہندوستان کو روانہ ہو گئے۔ آگرہ سے گزر رہے تھے کہ خیال پیدا ہوا کہ یہیں تفسیر و حدیث کی محفل گرم کی جائے۔ چنانچہ چھیاسی سال کی عمر تک جبکہ جان جاں آفریں کے سپرد کی اسی میں مشغول رہے۔[1]

مولانا اسمٰعیل لاہوری (المتوفی ۹۰۸ھ) کے متعلق گلزار ابرار میں لکھا ہے:

"آپ ارباب حدیث کی بڑی سند دینے والوں میں سے ہیں۔ فقہ اور سنت کی کتابیں ایران میں شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد شہید ہروی اور حضرت امیر جمال الدین عطاء اللہ محدث کی خدمت میں تصحیح اور مطالعہ فرمائی تھیں۔"[2]

ہندوستان کے ساحلی علاقوں اور سرحدی صوبوں کی حالت کا اس پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ وہاں علم حدیث کا بہت زیادہ چرچا تھا اور احادیث کی شرحوں اور خلاصوں کا کام بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ہو رہا تھا۔

اسی زمانہ میں بنگال کے بادشاہ علاء الدین حسین شاہ (المتوفی ۱۵۲۰ء) کو محمد بن یزداں خواجگی شروانی نے صحیح بخاری کا نسخہ پیش کیا جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور

---

[1] حاجی صاحب کا تفصیلی حال ان کتابوں میں ملاحظہ ہو:۔
گلزار ابرار۔ ص ۴۲۳ ، منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۳۹۔

[2] گلزار ابرار۔ ص ۴۹۸۔

بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[1]

گجرات میں میر سید عبدالاول (۹۶۸ھ) نے صحیح بخاری کی شرح فیض الباری کے نام سے لکھی تھی۔[2] شیخ عبدالملک عباسی[3] نے صحیح بخاری کا اس قدر مطالعہ کیا کہ پوری کتاب اُن کو حفظ ہوگئی تھی۔[4] شیخ محمد بن طاہر نے صحاح ستہ کی شرح مجمع البحار کے نام سے لکھی۔ اور مشکوٰۃ کی لغات پر رسالہ فی لغات المشکوٰۃ تصنیف فرمایا۔[5] گجرات کے ایک اور عالم شیخ ناصر ہمیشہ مشکوٰۃ کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔[6] برہان پور میں شیخ طیب نے مشکوٰۃ پر حاشیہ لکھا۔ سید ہبۃ اللہ المعروف بہ شاہ میر شیرازی گجراتی (المتوفی ۸۳۸ھ) نے رسالہ "سود مند" تیار کیا جس میں تمام اقسام حدیث کو نہایت سلیقہ سے جمع کیا گیا تھا۔ حکیم عثمان صدیقی شاگرد شیخ وجیہ الدین علوی نے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس زمانہ میں ہندوستان کا یہ قلب و جگر (یعنی شمالی علاقہ) علم حدیث اور محدثین سے کیوں اس قدر خالی تھا، جب کہ ساحلی علاقوں میں حدیث کی کتابیں اس تیزی سے تصنیف ہو رہی تھیں۔ اس کے اسباب یہ ہیں:

محمد بن تغلق نے جب علماء و مشائخ کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج دیا تو شمالی ہندوستان میں علمی محفلیں سرد پڑ گئیں۔ فیروز تغلق نے اس بکھری ہوئی مجلس کو سمیٹنے کی کوشش کی لیکن اس کے بعد جو سیاسی ابتری پیدا ہوئی اُس سے تنگ آکر علماء صوبوں میں چلے گئے اور یہ علاقہ علماء سے یکسر خالی ہوگیا۔ تیمور کے حملہ نے تباہی کو

---

[1] فہرست نمبر ۱۳۲ [2] ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ ص ۲۴۵

[3] احمد آباد کے مشہور عالم تھے۔ حدیث کی سند اپنے بھائی شیخ قطب الدین سے لی تھی۔ شیخ قطب الدین شیخ سخاوی مصری شاگرد شیخ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ (گلزار ابرار۔ ص ۳۱۱)۔

[4] گلزار ابرار۔ ص ۳۱۱۔ [5] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۷۲-۲۷۳؛ گلزار ابرار۔ ص ۳۲۲؛ حدائق الحنفیہ۔ ص ۳۸۵-۳۸۷۔

مکمل کر دیا۔ سکندر لودی نے اس بزم کو پھر رونق دینی چاہی لیکن سیاسی انتشار اور غیر یقینی حالات کے باعث زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ پھر اکبر کی بے راہ روی سے متاثر ہو کر اکثر علماء و مشایخ اس علاقہ سے ہٹ گئے۔ انہوں نے یا تو حرمین شریفین کی راہ لی یا پھر دار السلطنت سے دور ساحلی علاقوں میں اقامت اختیار کر لی۔

بہر حال حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی ؒ نے جس وقت مسند درس بچھائی تھی اُس وقت شمالی ہندستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر اُن کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آگیا۔ گیارہویں صدی ہجری کے شروع سے تیرہویں صدی کے آخر تک علم حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں اُن کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا ہے یہ سب شیخ عبد الحق محدث دہلوی ؒ کا اثر تھا۔

فقہی علوم

"اول علمے کہ مقصود شود علم فرائض باشد، و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است کہ "تعلموا الفرائض وعلموھا"" [۱]

ان الفاظ میں خواجہ معین الدین اجمیری ؒ کے خلیفہ شیخ ناگوری ؒ نے علوم فقہ کو حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی۔

ہندوستان میں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ سلاطین بعض اہم فقہی مسائل پر علماء سے مشورہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی محضر بھی طلب کیا جاتا تھا جس میں دور دور سے علماء شرکت

[۱] سرور الصدور (قلمی نسخہ)

کے لیے آتے تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے متعلق ایک معاملہ پر ملک سے علماء کو طلب کیا گیا تو ڈھائی سو علماء نے شرکت کی۔ غیاث الدین تغلق کے دربار میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو علماء کے ایک جلسہ میں سماع کے متعلق اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لیے بلایا گیا۔ فیروز شاہ نے حق شرب پر فقہی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے علماء کو طلب کیا۔۔۔ صرف یہی نہیں، سلاطین کو خود مسائل کی کافی معلومات تھی۔ محمد بن تغلق کے متعلق تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہدایہ نوک زبان پر تھی۔ دو سو فقہا اس کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس کا حکم تھا کہ

"ہر شخص نماز و شرائط اسلام کو سیکھے، تمام لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے تھے اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔"

ہندوستان میں گو ابتداء سے فقہ حنفی کا عروج رہا ہے لیکن اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بھی نہایت رواداری کا سلوک کیا گیا ہے۔ امیر خسرو عہد علائی کے متعلق لکھتے ہیں ؎

خوشا ہندوستان و رونق دیں
شریعت راکمال عز و تمکیں
ز علم با عمل دہلی بخارا
ز شاہان گشتہ اسلام آشکارا
مسلمانان نعمانی روش خاص
ز دل ہر چار آئیں را با خلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید
جماعت را و سنت را بجاں صید

علاء الدین خلجی نے اودھ کا شیخ الاسلام، شیخ فرید الدین کو بنایا تھا جو شافعی المذہب تھے

محمد بن تغلق کے زمانہ میں دہلی میں شافعیوں کا ایک مدرسہ بھی تھا۔ شافعی فقہ پر ہندوستان میں دو کتابیں لکھی گئی تھیں۔ ایک فقہ مخدومی جو شیخ علی بن احمد مہائمی (۱۴۳۲ء) نے مرتب کی تھی، اور دوسری قرۃ العین جو زین الدین بن عبدالعزیز صاحب تحفۃ المجاہدین (۱۵۸۳ء) نے لکھی تھی۔

اسلامی ہند کی تاریخ پر اگر فقہ کے نشو و نما کو سمجھنے کے لیے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کی کتابوں میں اجتہادی فکر و نظر بہت کم تھا۔ حد یہ ہے کہ جب سماع کے مسئلہ پر شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے حدیث نبوی پیش کی تو علماء نے سننے سے انکار کیا۔ اور امام ابوحنیفہؒ کا قول طلب کیا۔[1] ہندوستان میں گو علم فقہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں لیکن اُن میں ہندوستان کے مخصوص حالات کو سامنے رکھ کر مسائل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہندوستان سے باہر علم فقہ پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان ہی کے گرد ہندوستان کی ساری فقہی دنیا گردش کرتی رہی۔ ان کے حواشی و شروح سے باہر نکلنے کی جرأت ہندوستان کا کوئی عالم نہ کر سکا۔

صرف چودہویں صدی عیسوی میں فقہ کی کتابوں پر ہندوستان میں جتنی شرحیں لکھی گئی ہیں ان کی تفصیل ملاحظہ ہو:

حاشیہ علی التلویح۔ مولانا معین الدین عمرانی

حاشیہ علی الحسامی۔ مولانا معین الدین عمرانی۔

حاشیہ علی کنزالدقائق۔ مولانا معین الدین عمرانی۔

حاشیہ علی المنار۔ مولانا معین الدین عمرانی، مولانا ابوحفص سراج الدین عمر بن اسحاق
مولانا سید یوسف ملتانی

شرح الہدایہ۔ قاضی حمیدالدین دہلوی، مولانا ابوحفص سراج الدین عمر بن اسحاق۔

---

[1] ملاحظہ ہو سیرالاولیاء

شرح الجامع الکبیر۔ مولانا ابوحفص سراج الدین عمر۔

شرح الجامع الصغیر۔ مولانا ابوحفص سراج الدین عمر

شرح المختار۔ مولانا ابوحفص سراج۔

آپ ہندوستان میں علوم اسلامی کے اس نشوونما کو ذہن میں رکھ کر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حالات زندگی اور تصنیفات پر غور کریں۔

حصہ اوّل

سوانح

باب اوّل

شیخ محدثؒ کا خاندان

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اجداد میں جس بزرگ نے سب سے پہلے سرزمین ہند پر قدم رکھا وہ آغا محمد ترک تھے۔ آغا محمد بخارا[۱] کے رہنے والے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں جب مغلوں نے وسط ایشیا میں آگ و خون کا ہنگامہ برپا کیا تو وہ اپنے وطن کے حالات سے بد دل اور مایوس ہو کر ترکوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لے آئے۔ خود شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:-

"بہ جمعے کثیر از اتراک کہ پیوند قرابت و رابطہ بیعت و خدمت بوے داشتند، نیز از وطن اصلی انتقال نمودہ در ملازمت او دریں دیار رسیدہ"[۲]	ترکوں کی ایک بڑی جماعت بھی جو ان سے سلسلہ قرابت اور رابطہ بیعت رکھتی تھی، اپنے اصلی وطن سے منتقل ہو کر اُن کی خدمت میں یہاں آ گئی۔

سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۶ - ۱۳۱۶) کا دور حکومت تھا۔ مسلمانانِ ہند کا سیاسی و ثقافتی عروج انتہا کو پہنچ چکا تھا[۳]۔ سلطان نے آغا محمد ترک کی دستگیری کی اور ان کو اعلیٰ مراتب اور عہدوں سے نوازا۔ اُن دنوں گجرات کی مہم کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ چنانچہ سلطان نے اُن کو گجرات روانہ کر دیا[۴]۔

---

۱ بخارا کے مختصر گر دلچسپ حالات کے لیے ملاحظہ ہو:- Ency. of Islam, Vol I pp 776-783, W. Barthold's article.

۲ اخبار الاخیار، ص ۲۸۹

۳ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، خاکسار کا مضمون "سلطان علاء الدین خلجی کے مذہبی رجحانات" مطبوعہ برہان دہلی، جون [illegible]ء)

۴ گجرات پر ۶۹۸ھ مطابق ۱۲۹۹ء میں خلجی فوجوں نے حملہ کیا تھا۔ امیر خسروؒ نے خزائن الفتوح میں تاریخ لکھی ہے کہ یعنی چہار شنبہ در اوّلی جمادی بیست بتاریخ سال ششصد و ہشت و نود شدہ (امدہ)۔ اس مہم کے سپہ سالار الغ خاں و نصرت خاں تھے۔ مولانا سید عبدالحیی مرحوم نے اس حملہ کی تاریخ ۶۹۶ھ ربا دایام شاہی لکھی ہے وہ غلط ہے۔

شیخ لکھتے ہیں :۔

برائے تسخیرِ ممالک گجرات و فتح بنادر آں با جماعہ از امرائے عالیشان متعین شد، اد امضاد انصرام آں مہم بحکم سلطانی ہمانجا مخیم اقامت ساخت[1]

وہ بڑے امرا کی ایک جماعت کے ساتھ ملک گجرات اور اس کے بندرگاہوں کی فتح پر مامور ہوئے اور اس مہم کی انجام دہی کے لیے شاہی حکم سے وہیں مقیم ہو گئے۔

آغا محمد نے گجرات کی فتح کے بعد وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اللہ نے ان کو کثیر اولاد دی تھی ایک سو ایک بیٹے تھے جن کے ساتھ وہ نہایت شان و شوکت، عزت و وقار، اور سکون و اطمینان کے ساتھ دن گذارتے تھے۔ ایک ہولناک سانحہ پیش آیا اور ع

مجلس یاراں پریشاں شد چو برگِ گُل زباد (خسروؒ)

سو لڑکے انتقال کر گئے۔ صرف سب سے بڑا لڑکا ملک معزالدین باقی بچا۔ آغا محمد ترک کے دل و دماغ پر بجلی سی گر گئی۔ دنیا کی طرف سے دل سرد پڑ گیا۔ جو شخص دہلی سے سلطان علاءالدین خلجی کی قشونِ قاہرہ کے ساتھ فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتا ہوا گجرات میں داخل ہوا تھا، ماتمی لباس پہن کر اپنے اکلوتے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر پھر دہلی واپس آگیا ؎

زرنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم ... کہ آئینِ جہاں گاہ چناں گاہ چنیں باشد

دہلی آکر وہ شیخ صلاح الدین سہروردیؒ[2] کی خانقاہ میں بیٹھ گئے۔ شیخ محدث لکھتے ہیں :۔

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۸۹۔

[2] شیخ صلاح الدین سہروردیؒ، شیخ صدر الدین سہروردیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے معاصر اور ہمسایہ تھے۔ اپنے سلسلہ کی روایات کے خلاف انہوں نے سلاطین وقت سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا۔ سلطان محمد بن تغلق نے جب دہلی کے علماء و مشائخ کو ملک کے مختلف حصوں میں زبردستی روانہ کیا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "سلطان محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات مطبوعہ برہان مارچ ۱۹۳۶ء") تو شیخ صلاح الدینؒ سے بھی درخواست کی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کی اور سلطان کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ شیخ محدث کا بیان ہے "با سلطان مذکور سخت پیش می آمد" (اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۶) شیخ صلاح الدین کا مقبرہ اب شکستہ حالت میں پڑا ہے۔ چاروں طرف کھیت ہیں اور بیچ میں مقبرہ کی عمارت اور ایک مسجد، مسجد کے متصل ایک عمارت تھی اس کا طرز بتا رہا ہے کہ وہ مدرسہ رہا ہوگا۔ (تفصیلات کے لیے

لہذا ترک جمیع حیل وحشم گفتہ ولباس سیاہ پوشیدہ در خانقاہ شیخ صلاح الدین سہروردیؒ معتکف شد[1]

لہذا سب خیل وحشم کو ترک کر کے اور سیاہ لباس پہن کر شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں معتکف ہو گئے۔

اخبار الاخیار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰-۱۳۲۵ء) کے عہد تک گجرات رہے تھے[2]۔ ۱۷ ربیع الآخر ۷۳۹ھ مطابق ۱۳۳۸ء کو یعنی سلطان محمد بن تغلق کے زمانے میں آغا محمد ترک نے دہلی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور عیدگاہ شمسی کے عقب میں سپرد خاک کیے گئے[3]۔

ملک معزالدین سے اس خاندان کا سلسلہ جاری ہوا۔ خدائے تعالیٰ نے ان کو بے پناہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ شیخ محدثؒ نے لکھا ہے

"حق سبحانہ وتعالیٰ ملک معزالدین را چناں کرد کہ گویا جمیع فیض واستعداد ونعم آں صد کس راہم بوے تنہا ارزانی داشت"[4]

حق تعالیٰ نے ملک معزالدین کو یہ مرتبہ دیا گویا سو انسانوں کی استعداد اور فیضان ان کو تنہا عطا فرما دیا۔

ملک معزالدین نے خاندان کے اس ماتمی ماحول کو ختم کیا جس کی ابتدا آغا محمد کے سہروردی خانقاہ میں بیٹھنے سے ہوئی تھی۔ انہوں نے عزم وہمت کے ساتھ دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ اُن کے بعد اُن کے فرزند ملک موسیٰ نے بڑی عزت اور شہرت حاصل کی لیکن قسمت نے پھر پلٹا کھایا۔ آغا محمد ترک کو ایک ذاتی سانحہ نے گجرات سے دہلی پھینک دیا ۔اس وقت ملک کے عام حالات نے ملک موسیٰ کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

فیروز شاہ تغلق (المتوفی ۱۳۸۸ء) کے بعد ملک میں ہر طرف سیاسی انتشار پیدا ہو گیا۔ مرکز

۱؎ اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۰ ۲؎ ایضاً ص ۲۸۹
۳؎ عیدگاہ شمسی کے لیے ملاحظہ ہو۔ واقعات دارالحکومت۔ جلد سوم۔ ص ۳۲۳
۴؎ اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۰۔

کا کمزور ہونا تھا کہ خود مختاریاں قائم ہونے لگیں۔ دہلی اور اس کے ارد گرد کا علاقہ چونکہ سیاسی اعتبار سے اہم تھا، اس لیے سیاسی نبرد آزمائی کا مرکز بھی یہی بنا۔ اور حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو گئے کہ علما و مشائخ گجرات، جونپور، بنگال اور دیگر علاقوں کی طرف متوجہ ہو گئے[1]۔ ملک موسیٰ ان حالات سے ایسے بد دل ہوئے کہ انہوں نے دہلی کو خیرباد کہہ کر ماوراء النہر کی راہ لی۔ شیخ محدث نے لکھا ہے:-

"ملک موسیٰ در فترات کہ بعد از انقضائے عہد دولت فیروزی واقع شد باز بولایت ماوراء النہر رفتہ"[2]

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد کے بعد جو بد نظمی پیدا ہوئی (اس سے بد دل ہو کر) ملک موسیٰ ماوراء النہر چلے گئے۔

لیکن وہاں زیادہ عرصہ ٹھہرنا نصیب نہ ہوا۔ جب تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا (۱۳۹۸ء) تو ملک موسیٰ اس کی فوجوں کے ہمراہ پھر ہندوستان آ گئے۔ ملفوظات تیموری[3] اور ظفر نامہ یزدی[4] میں لکھا ہے کہ تیمور نے ہندوستان پر حملہ کرنے سے قبل علماء سے مشورہ کیا تھا۔ اور ان کی ایک کثیر تعداد اس کے ساتھ ہندوستان بھی آئی تھی[5]۔ ممکن ہے کہ ملک موسیٰ اسی سلسلہ میں تیمور سے وابستہ ہو گئے ہوں۔ شیخ محدث نے لکھا ہے:

"در رکاب دولت مآب صاحبقران اعظم امیر تیمور گورگان بدہلی قدم آوردہ، سلسلۂ آبا واجداد

صاحب قران امیر تیمور گورگان کے ساتھ وہ دہلی آئے اور اپنے بزرگوں کے سلسلہ کا احیا کیا اور بیان

[1] مثلاً مولانا خواجگی کے متعلق لکھا ہے:

"پیش از آمدن امیر تیمور گورگان .... از دہلی برآمدہ بکالپی رسیدہ متوطن شد" اخبار الاخیار۔ ص ۱۴۲

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۴۰۔

[3] Elliot and Dowson's History of India Vol III, p 397.

[4] ص ۳۸۰

[5] اخبار الاخیار کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کے پوتے بھی تیمور کے ساتھ تھے اور مولانا احمد تھانیسری نے ان پر کچھ اعتراضات بھی کیے تھے۔ (ص ۱۴۲)

تازہ کردہ، اقامت واستقامت محکم ساخت"[1]	مستقل سکونت اختیار کرلی۔

ملک موسٰی کے کئی بیٹے تھے۔ اُن میں شیخ فیروز امتیازی شان رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے خاندان کی شہرت اور عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ وہ علم سپہ گری، شعر و شاعری، سخاوت و لطافت سب میں وحید عصر اور یکتائے زمانہ سمجھے جاتے تھے۔ شیخ محدث نے اُن کی بابت لکھا ہے۔

جامع فضائل صوری ومعنوی و وہبی وکسبی بود،	وہ ظاہری اور باطنی اور وہبی وکسبی فضائل کے
درعلم سپاہ گری ووقائع حروب نادر زماں خود بود،	جامع تھے۔ سپاہ گری میں اپنے زمانے میں بے مثل
ودراکثر صنائع حربیہ بقوت طبع وجودت سلیقہ	تھے۔ اور فن جنگ میں بے نظیر سلیقہ رکھتے تھے۔
بے نظیر وقت و درعلم وشعر وشجاعت وسخاوت	علم، شعر، شجاعت وسخاوت خوش طبعی، بذلہ سنجی
وظرافت ولطافت وعشق ومحبت وسائر	عشق ومحبت اور دیگر خوبیوں میں ان کا جواب نہ
صفات حمیدہ بے عدیل عصر، ودر دولت وحشمت	تھا۔ اور دولت حشمت۔ جاہ۔ مرتبہ۔ عزت وعظمت
وجاہ ومکنت وعزت وعظمت مشہور روزگار،	میں بے عدیل تھے...... اور شاعری اور خوش
معنی علویت وشعر وظرافت درخانۂ ما ازوے	طبعی کو ہمارے خاندان میں ان ہی سے ترقی۔
پیدا شدہ"[2]	

---

[1] الیٹ (تاریخ ہند۔ جلد ششم ص ۱۰۵) نے بادشاہ نامہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ محدث، تیمور کی اولاد میں تھے۔ تیمور اپنے حملے کے بعد ان کے کسی بزرگ کو اپنے چند اور سرداروں کے ساتھ دہلی میں چھوڑ گیا تھا۔ بادشاہ نامہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

"یکے از نیاگانش در رکاب ظفر نصاب حضرت	اُن کے اجداد میں سے ایک بزرگ صاحبقران
صاحبقران جہاں ستاں، از توران بہ ہندستان	(تیمور) کے ہمراہ توران سے ہندوستان آئے تھے
آمدہ بود، وآنحضرت ہنگام معاودت اورا باچندے	اور تیمور نے واپسی کے موقع پران کو چند امراء کے
از امراء در دارالملک دہلی گذاشتہ بودند واو دراں	ساتھ دارالحکومت دہلی میں شادی کرلی اور وہیں
دیار متاہل گشتہ اقامت گزیدہ" (حصہ دوم ص [illegible])	مقیم ہوگئے۔

الیٹ کو اس عبارت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ عبدالحمید لاہوری نے اس میں کہیں شیخ محدث کو تیمور کی اولاد میں نہیں بتایا۔

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۰

انہوں نے سلطان بہلول لودی اور سلطان حسین شرقی کی جنگ کا پورا واقعہ نظم کیا تھا۔ اس کے دو شعر شیخ محدثؒ کو یاد رہ گئے تھے[1]۔ حسین شرقی، بہلول لودی کو مخاطب کرکے کہتا ہے ؎

ایا قابض شہر دہلی شنو — حیاتت چو خواہی ازیں جا برو

منم قابض ملک مارا ست ملک — خدا داد ما را خدا راست ملک

شیخ فیروز ۸۶۰ھ ۱۴۵۵ء میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہو گئے تھے اور وہیں سپرد خاک کر دیے گئے تھے[2]۔ لڑائی پر جانے سے قبل ان کی بیوی نے جوان دنوں حاملہ تھیں ان کو روکنے کی کوشش کی تو جواب دیا:

"از خدا خواستہ ام کہ آں فرزند نرینہ باشد و — میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ بیٹا ہو اور اس

از وے اولاد بسیار شود، و او را و شمارا بہ — سے نسل چلے۔ اس کو اور تم کو خدا کے سپرد کرتا

خدا سپردیم، تا بعد ازیں مارا چہ پیش آید"[3] — ہوں نہ معلوم اب مجھے کیا پیش آئے

کچھ دنوں کے بعد شیخ سعد اللہ (شیخ محدثؒ کے دادا) پیدا ہوئے۔

شیخ سعد اللہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اُن میں اپنے شہید باپ کے سب اوصاف و خصائل موجود تھے۔ ابتدائی زمانہ تحصیل علم میں گزارا۔ پھر عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ ہو گئے اور شیخ محمد منگنؒ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

شیخ محمد منگنؒ اپنے زمانہ کے صاحب حال بزرگ تھے[4]۔ مصباح العاشقین کے لقب سے مشہور تھے۔ ابتدائی زمانہ میں شیخ احمد راوتیؒ کے مرید تھے۔ پھر شاہ جلال گجراتیؒ[5] کے حلقہ مریدین

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۰ [2] ایضاً۔ ص ۲۹۰

[3] "شیخ کامل و صحیح الحال بود" (اخبار الاخیار۔ ص ۱۶۸۔ ۱۶۹) اُن کا وصال ۹۰۰ھ مطابق ۱۴۹۳ء میں ہوا تھا۔

[4] شاہ جلال گجراتی چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ اُن کے مرشد شیخ پیارہ میر سید یداللہ نبیرہ و خلیفہ حضرت گیسو درازؒ کے دامن سے وابستہ تھے۔ شیخ محدث نے شاہ جلالؒ کے متعلق لکھا ہے:

"از کاملان وقت بود، صاحب تصرف و کرامت و ظاہر و باطن مرتبہ تعظیم و شانے رفیع داشت"

(اخبار الاخیار۔ ص ۱۶۸)

میں شامل ہو گئے تھے۔ سماع کا بڑا شوق تھا۔ ان کے تقدس اور تعبد کی بنا پر سلطان سکندر لودی کو بھی اُن سے عقیدت ہو گئی تھی۔ علاوہ قصبہ قنوج میں ان کی خانقاہ ارشاد و تلقین کا مرکز تھی۔
شیخ سعد اللہ نے اُن کی رہنمائی میں سلوک و معرفت کی دشوار گزار راہیں طے کیں اور عبادت و ریاضت کا ایسا شوق ہو گیا کہ راتوں کو جاگنے لگے، اور اُن کی زندگی خسروؒ کے اس شعر کی مکمل تفسیر بن گئی ؎

عاشقاں را ہمہ شب از پئے نظارۂ تو شب بزاری و سحر گہ بدعا میگذرد

اُن کے بیٹے شیخ سیف الدین نے اُن کو رات کے وقت رو رو کر عاشقانہ اشعار پڑھتے ہوئے دیکھا تھا[1]
شیخ محدثؒ کو امیر خسرو کے یہ دو شعر جو وہ اخیر شب میں پڑھا کرتے تھے، یاد رہ گئے تھے ؎

ہمہ شب رود رہی را برہ صبا نشستہ ہمہ کس بخواب راحت من مبتلا نشستہ
غرضے[2] ورائے امکان چہ خیال فاسد است ہوسِ جمال سلطاں بدل گدا نشستہ[3]

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۹۱ [2] اخبار الاخیار کے تین مطبوعہ نسخے پیش نظر ہیں۔ ان سب میں "غرض ورائے امکان" لکھا ہے لیکن دیوان خسروؒ میں "غرضے" ہے جو غالباً صحیح ہے۔
اخبار الاخیار کے ایک قلمی نسخہ میں (جو حضرت جد امجد مولوی ارشاد علی صاحب مرحوم نے ۱۲۰۰ھ میں ملتان میں نقل کرایا تھا اور بڑے اہتمام سے تصحیح کی تھی) دوسرا شعر درج نہیں ہے، بلکہ اس کی جگہ یہ شعر لکھا ہے

بزک دل اسیراں یکجا گریز داز تو بجوالی دو چشمت حشم بلا نشستہ

دیوان میں یہ شعر بھی کچھ اختلاف کے ساتھ درج ہے۔
[3] شیخ محدث نے یہ دو شعر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "تا آخر غزل خدمت عمی می فرمودند (ص ۲۹۱)۔
یہ غزل خسروؒ کے دیوان غرۃ الکمال میں ہے۔ بقیہ اشعار بھی سنیئے ؎

ہمہ شب صبا و بویت من سوختہ چہ گویم کہ چہا ست در دل من ز دم صبا نشستہ
تو ز نالۂ من از من سزدار جدا نشینی کہ ز دست خویش من ہم ز خودم جدا نشستہ
دل مبتلائے عاشق عجب ار گریزد از تو بجوالیٔ دو چشمت چشم بلا نشستہ
تو درآ و غمزہ زن کہ ہند پیش بت سر بستانہ کہ باشد صد پارسا نشستہ
اگر این ست ہم خوباں کہ بسر شوند راضی منم اینکہ اندریں رہ ز سر رضا نشستہ
سر کوئے تست خسرو شب و روز چوں کنم من کہ تو امی گزاری نفسے بجا نشستہ

(دیوان خسرو، ص ۴۰۶)

اُن کے دو بیٹے بہت مشہور ہوئے ۔ شیخ رزق اللہ مشتاقی اور شیخ سیف الدین ۔ شیخ سعد اللہ کے انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر آٹھ سال کی تھی سو صال سے کچھ عرصہ قبل اپنے آٹھ سالہ جگر گوشہ کو مکان کے بالائی حصہ میں لے گئے ___ اور باقی قصہ خود شیخ سیف الدینؒ کی زبانی سُنیئے :-

"بعد از ادائے تہجد مرا مقابل قبلہ ایستادہ کردند	نماز تہجد کے بعد مجھے قبلہ رو کھڑا کیا اور کہا: الٰہی
وگفتند، خداوند تو می دانی کہ پسران دیگر را تربیت	تو جانتا ہے کہ میں دوسرے لڑکوں کی تربیت سے
کردہ و از ادائے حقوق او شاں برآمدہ ام، ایں	فارغ ہو چکا۔ اور ان کے حقوق سے عہدہ برآ
را یتیم می گذارم و بے کس، حق ایں بر ذمہ من ،	ہو گیا لیکن اس لڑکے کو یتیم و بیکس چھوڑ رہا ہوں
است۔ ایں را بہ تو می سپارم۔ مربی و متولی	اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں، اس کو تیرے
امور اُو تو باش" [۱]	سپرد کرتا ہوں۔ تو ہی اس کی تربیت اور دیکھ بھال فرما۔

یہ کہا اور نیچے اتر آئے ۔ کچھ ہی دنوں بعد ۲۲۔ ربیع الاول ۹۲۸ھ مطابق ۱۵۲۱ء کو ان کا وصال ہو گیا۔ اللہ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ اور ان کا یہ جگر گوشہ ایک دن دہلی کا نہایت ہی با وقعت اور باعزت انسان بنا اور اسی کے گھر میں وہ آفتابِ علم نمودار ہوا جس نے ساری فضائے علم کو منور کر دیا۔ نظامی نے خوب کہا ہے۔

وزنیش خبر نے کہ پروردگار	چگونہ ورا پرورد در کنار
چہ گنجینہا زیر بارش کشد	چہ اقبالہا در کنارش کشد

[۱] اس عبارت سے خیال ہوتا ہے کہ شیخ سعد اللہ کے دو سے زیادہ بیٹے تھے ۔ لیکن شیخ محدث نے ان کا ذکر تفصیل سے نہیں کیا شیخ محمد حسن بن شیخ حسن طاہر کے حال میں لکھتے ہیں :-

"هم اوسط محرر سطور شیخ فضل اللہ کہ بہ شیخ منجو عرف دارد مرید اوست، او اخر مریدان شیخ است و شیخ منجو مردے بود صاحب برکت و نعمت و باشتغال و اورا د مشغول و در محبت پیر مغلوب صاحب ذوق و حالت و مقبول مشائخ و مجاذیب و برکتے ظاہر داشت و نعمتے شامل، در وقت فوت بسیار مردانہ رفت" (ص ۲۲۸)

[۲] اخبار الاخیار۔ (ص ۲۹۱)

شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین دونوں کو محبت الٰہی کا بے پناہ جذبہ باپ سے ورثہ میں ملا تھا
شیخ محدث دونوں کی مخصوص صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مجلس ایشاں از اول تا آخر شوق وگریہ ودرد ومحبت بود، نسبت شیخ رزق اللہ در سوز وگرمی چناں بود کہ آتشے در زیر خاکستر نہاں می باشد اندک کہ کاویدند ہمہ آتش برآید وشاں والد چنانکہ آبے از چیزے چکیدہ می ماند اند آزارے کہ باو رسید تراوید[1]	ان کی مجلس شروع سے آخر تک سراپا شوق و گریہ ومحبت تھی۔ شیخ رزق اللہ کی نسبت سوز وگرمی کے لحاظ سے ایسی تھی جیسے کہ راکھ کے نیچے آگ دبی ہوئی ہو۔ جوں ہی ذرا سا اس کو کریدا آگ نکل آئی اور ان کے برعکس والد ماجد کی یہ حالت تھی جیسے کہ کسی چیز سے پانی برابر ٹپکتا ہے۔ ان کو اگر معمولی سی تکلیف بھی پہنچتی تھی تو فوراً آنسو بہنے لگتے تھے۔

ان دونوں بھائیوں کو دہلی میں بڑی عزت اور شہرت حاصل ہوئی۔ شیخ محدث کا بیان ہے کہ:

"مردم ایں شہر اتفاق دارند کہ دہلی عبارت ازیں برادران بود"[2]	اس شہر کے تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ دہلی انہی بھائیوں سے عبارت تھی۔

شیخ سیف الدین کا حال ہم دوسرے باب میں تفصیل سے بیان کریں گے، یہاں شیخ رزق اللہ کے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

شیخ رزق اللہ (۹۸۹ - ۸۹۷ھ) اپنے زمانے کے مشہور عالم اور مرتاض بزرگ تھے۔ شیخ محدث نے لکھا ہے:

مردے کامل وفاضل وعارف از نوادر روزگار واز مردم سلف یادگار بود، جامع فضائل صوری ومعنوی ودر مشرب عشق ومحبت سلامت	وہ مرد کامل، فاضل، عارف تھے۔ نادر روزگار تھے۔ سلف کی یادگار رہے۔ فضائل صوری و معنوی کے جامع تھے۔ مشرب عشق ومحبت اور

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۵ [2] ایضاً۔ ص ۲۹۱

عقل و وسعت حوصلہ و صبر بر مصائب و دوام حضور و استقامت احوال یگانۂ عصر بود[1]

سلامتی عقل اور وسعت حوصلہ اور مصائب پر صبر کرنے میں، استقامت اور دوام حضور میں یگانہ عصر تھے۔

ابتدائی زمانہ سے علماء و مشائخ کی صحبت میں رہے تھے اور اُن سے درد و سوز کا بڑا سرمایہ پایا تھا۔ وہ شیخ محمد منگن رحؒ کے مرید تھے۔ لیکن ذکر کی تعلیم شیخ بدہن شطاری رحؒ سے حاصل کی تھی۔ شیخ بدہن رحؒ شطاریہ[3] سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے۔ سلطان سکندر لودی کے زمانہ میں ان کی خانقاہ مرجع خلائق تھی۔ وہ شاہ عبداللہ شطاری رحؒ (جنہوں نے شطاریہ سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کیا تھا) کی اولاد میں تھے۔ اور شیخ حافظ جونپوری رحؒ سے بیعت تھے۔ شطاریہ سلسلہ میں جذب و شوق کا عنصر غالب تھا۔ چنانچہ شیخ رزق اللہ کو شیخ بدہن کی صحبت سے عشق و محبت کی بے پناہ طپش ملی۔

شیخ رزق اللہ، عربی، فارسی اور سنسکرت کے فاضل تھے۔ فارسی میں مشتاقی اور ہندی میں راجن تخلص کرتے تھے۔ ہندی میں اُن کے کئی رسالے مثلاً پیمان اور جوت نرنجن وغیرہ بہت مشہور ہوئے۔ صبح گلشن میں ان کے یہ دو شعر نقل کیے گئے ہیں ؎

فتح قفل راز کلید ست اے عزیز جنبش دست از قوی خواہند نیز

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۱۶۹۔ گلزار ابرار۔ ص ۲۰۸۔

[2] مختصر حال کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۹۳-۱۹۵ و

[3] لفظ شطاری، شطر سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کسی سمت میں تیزی سے چلنا۔ معارج الولایت میں لکھا ہے:

"معنی لفظ شطار تیز رو است۔ و در اصطلاح علم شطار شغل باطنی را گویند کہ از کسب آن فنا فی اللہ و بقا باللہ حاصل شود"

شاہ عبداللہ شطاری رحؒ (المتوفی ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء) نے اس سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کیا۔ اس کے مشہور مشائخ میں شیخ حافظ جونپوری رحؒ، شیخ ظہور حاجی رحؒ، سید محمد غوث گوالیاری رحؒ، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی رحؒ اور شاہ پیر برہنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سلسلہ کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو گلزار ابرار کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ راقم السطور نے اپنے مضمون "The Shattari Saints and their attitude towards the State" مطبوعہ "Medieval India" (اکتوبر ۱۹۵۰ء) میں اس سلسلہ کے مشہور مشائخ کا مختصر حال لکھا ہے۔

قدر خود را می ندانی اے وفل   تشنہ می میری و دریا در بغل[1]

شطاریہ سلسلے کے مشائخ کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ اُنھوں نے ہندو مذہب کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا ہے۔ سید محمد غوث گوالیاریؒ کی کتاب بحر الحیات اس رجحان کی بہترین آئینہ دار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مشتاقی نے بھی ہندوؤں کے علوم کا مطالعہ کیا تھا۔ صبح گلشن میں لکھا ہے[2]

"و (در) کتب علمیہ ہندواں مہارتے کامل داشت"[3]

مشتاقی کو تاریخ سے بھی دلچسپی تھی۔ اور پُرانے تاریخی قصّے اور واقعات بڑے شوق و ذوق کے ساتھ سُنایا کرتے تھے۔ احباب نے اصرار کر کے ان کو کتاب کی صورت میں منتقل کرا دیا[4]۔ شیخ رزق اللہؒ نے اس کا نام واقعات مشتاقی رکھا۔ اس کے قلمی نسخے برٹش میوزیم میں موجود ہیں[5]۔ لودھیوں کی تاریخ کے لیے واقعات مشتاقی کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ ابھی تک یہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔ ایلیٹ نے اپنی تاریخ ہند میں اس کے کچھ حصّہ کا ترجمہ پیش کیا ہے[6]۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبد الحق محدثؒ کے خاندان کا حال ختم کرنے سے پہلے، اُن کے ننہیال کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

شیخ محدثؒ کی والدہ ماجدہ مولانا زین العابدین المعروف بہ شیخ ادہن دہلویؒ کی لڑکی تھیں شیخ ادہنؒ کے متعلق شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:

"دانشمند کامل بود متورع و متعبد و در غایت خشوع و انکسار و تادب و وقار"[7]

وہ اپنے زمانہ کے دو مشہور بزرگوں سے علمی اور روحانی نسبت رکھتے تھے۔ شیخ سماء الدینؒ اُن کے روحانی اور میاں عبد اللہ تلنبیؒ اُن کے علمی مرشد۔

شیخ سماء الدینؒ[8] سہروردیہ سلسلہ کے مشاہیر میں تھے۔ شیخ کبیرؒ نبیرۂ مخدوم جہانیاں سید

---

[1] صبح گلشن۔ ص ۴۱۳ [2] ایضاً [3] ملاحظہ ہو مقدمہ واقعات مشتاقی [4] فہرست مخطوطات جلد ۳ ص ۹۲۱ [5] تاریخ ہند۔ جلد چہارم ص ۵۵۰-۵۳۴ [6] اخبار الاخیار۔ ص ۲۱۸ [7] اُن کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۵-۲۰۷۔ گلزار ابرار ص ۲۰۹-۲۱۰۔ سیر العارفین۔ ص ۱۷۱-۱۸۴۔ [8] حالات کے لیے ملاحظہ ہو، آثر الکرام ص ۱۹۱-۱۹۲ و تذکرۂ علماء ہند۔ ص ۱۰۱۔

جلال الدین بخاریؒ کے مرید، سید شریف جرجانیؒ کے شاگرد، جمالی کے پیر، اور لمعاتِ شیخ فخر الدین عراقیؒ کے محشی تھے ـــــ ہندوستان میں اُن کی بڑی عزت اور شہرت تھی میاں عبداللہ تلنبیؒ، "پیشرو علماء" اور "قافلہ سالار فضلاء" تھے علم معقول کو ہندوستان میں ان ہی نے رواج دیا تھا۔ اور بقول آزاد بلگرامی "شش جہت را بہ نشر لوامع علوم منور ساخت"[۱] ـــــ ان دو بزرگوں کی نسبت سے شیخ ادہنؒ کو علمی اور روحانی دنیا میں ایک خاص مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔

شیخ ادہنؒ کو اللہ تعالیٰ نے جمال و کمال دونوں سے نوازا تھا۔ وہ نہایت وجیہ اور حسین بزرگ تھے۔ عبادت و ریاضت میں غرق رہتے تھے۔ شیخ محدثؒ کے والد ماجد مولانا سیف الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے کبھی کسی ایسے انسان کو نہیں دیکھا جس میں شیخ ادہنؒ کے برابر ظاہر و باطن کی یکسانیت ہو[۲]۔

شیخ ادہنؒ حالانکہ سہروردیہ سلسلہ میں بیعت تھے لیکن انہوں نے اپنے سلسلہ کی عام روش کے خلاف سلاطین و امراء سے کوئی تعلق رکھنا کبھی پسند نہ کیا۔ سلطان ابراہیم لودی نے شاہی ملازمت قبول کرنے کی درخواست کی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اور گوشۂ قناعت سے قدم باہر نہ نکالا۔ شیخ محدثؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"انوار علم و تقویٰ از جبین ایشاں لائح بود،	علم اور تقویٰ کے انوار ان کی پیشانی پر چمکتے تھے
اکثر احوال صائم بودے و در لقمہ احتیاط	اکثر روزہ رکھتے تھے۔ اور حلال و حرام لقمہ کی
تمام داشتے"[۳]	بڑی احتیاط کرتے تھے۔

شیخ ادہن نے ۹۳۳ھ کو وصال فرمایا۔ ان کا مزار حوض شمسی کے غربی کنارے پر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ددھیال اور ننھیال کے دونوں خاندان علم و فضل، تقویٰ و دیانت میں ممتاز تھے۔ اُن کا دینی احساس بیدار تھا اور انہوں نے اپنے دیگر معاصرین کی طرح دنیوی عزت و حشمت کی خاطر کبھی علم و دیانت کو بے آبرو نہیں کیا تھا۔

---

[۱] مآثر الکرام ص ۱۹۱۔ [۲] اخبار الاخیار ص ۲۱۸ [۳] ایضاً [۴] ایضاً

باب دوم (۲)

شیخ محدثؒ کے والد ماجد

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدینؒ ۹۲۴ھ مطابق ۱۵۱۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل کی بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں۔ وہ ایک صاحبِ دل بزرگ، اچھے شاعر اور پُرلطف اور بذلہ سنج انسان تھے۔ لوگ ان کی ظرافت و لطافت، معاملہ فہمی اور محبت اسلوبی کے معترف تھے۔ شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:

"در شعر و فضیلت و قبول خاطر و ذوق و شوق و محبت و ظرافت، بلطائف و بے تعلقی و وارستگی و طیب قلب و حضور ذاکر و ذکر لطائف و نکات و فہم دقائق و ارشادات یگانۂ روزگار و افسانہ

شاعری، علم، مقبولیت، ذوق و شوق، ظرافت، زہد، پاکیزگی دل، حضور قلب اور نکتہ سنجی میں اپنے عہد میں بے مثال تھے۔

دیار خود" [۱]

شیخ سیف الدینؒ کو عام لوگ شعر و سخن کی وجہ سے جانتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ ایک صاحب باطن اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ رسالۂ وصیت میں شیخ محدثؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

"پدر من شیخ سیف الدین از عالم نیستی و فقر و فنا و توحید و تجرید، تفرید نصیبۂ کامل داشت و تکلف و تصنع را گرد سرا پردۂ حال وے مجال نبود بنظر او را

میرے والد شیخ سیف الدین کو فقر و فنا اور توحید و تجرید کا کافی حصہ ملا تھا۔ وہ تکلف و تصنع سے بالکل پاک تھے۔ نگاہ میں ایسا

۱۔ اخبار الاخیار ص ۲۹۲۔

تاثیرے بود کہ ہر کرا بعنوان محبت نظر می کرد، بقدر استعداد و مناسب حال اثر قبول می آورد۔[1] اثر تھا کہ جس پر توجہ کی خالی نہ گئی۔ اور اس کو حسب استعداد فائدہ پہنچا۔

اخبار الاخیار میں بھی شیخ محدثؒ نے اُن کی نظر کی تاثیر کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے ــــــ "این معنی بسیار تجربہ کردہ شدہ است"۔ وہ ایک نظر میں ملنے کی صلاحیتوں کا اندازہ کر لیتے تھے فرمایا کرتے تھے:

"ما را از صفائی صحبت درویشاں و طول ملازمت ایشاں ایں مقدار شدہ است کہ حقیقت احوال آدمی را می شناسم..... اگر شب تاریک کسے را مس کنم امید ہست کہ حقیقت حال او دریابم" [2]	درویشوں کی صحبت کے فیض سے میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ انسان کی حقیقت کو پہچان لیتا ہوں اگر اندھیری رات میں بھی کسی سے ملوں تو امید ہے کہ اس کی حقیقت حال دریافت کر لوں۔

یہی وہ صلاحیت ہے جس کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ "نفس گیرا" سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ روحانی اصلاح و تربیت میں اس کے حیرت انگیز اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ سیف الدینؒ کا دنیا سے جو تعلق تھا وہ ظاہری تھا۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے کہ وہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ انہیں دنیا کی ثروت اور اسباب غنا کے حاصل کرنے کا کبھی شوق پیدا نہیں ہوا۔ دل کو توجہ تھی تو فقر و محبت ہی کی طرف تھی۔ سات سال کی عمر سے ان کو اس راہ کی طلب اور معرفت الٰہی کا شوق پیدا ہوا تھا۔ لکھا ہے:

"از ابتدائے ہفت سالگی کہ آغاز ادراک و شعور است درد طلب آں راہ و شوق معرفت اللہ بود" [3]	سات سال کی عمر سے جو شعور کے آغاز کا زمانہ ہے درد طلب اور شوق معرفت خدا دامن گیر تھا۔

مشرب توحید کا اُن پر اس قدر غلبہ تھا کہ مشائخ کا یہ قول اکثر نقل کیا کرتے تھے:

---

[1] رسالہ وصیت قلبی، [2] اخبار الاخیار، ص ۲۹۲ [3] ایضاً، ص ۲۹۲ [4] ایضاً

"عالم از دوست بدوست وہمہ اوست" [1]

شیخ سیف الدین کو عرصہ تک مرشد کامل کی تلاش رہی۔ بالآخر حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اُن کو ایسا خضرِ طریقت مل گیا جس نے ان کے "مشرب توحید" کو جِلا دے دی۔

شیخ امان اللہ پانی پتیؒ | اُن کا نام عبد الملک اور لقب امان اللہ تھا۔ امام اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے فلسفہ وحدت الوجود پر کامل عبور رکھتے تھے۔ شیخ محدثؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"وے از علمائے صوفیہ موحدہ است، از	وہ وحدت وجود پر اعتقاد رکھنے والے صوفیہ میں سے تھے
تابعان ابن عربی قدس اللہ سرہ در علم ایں	ابن عربی قدس سرہ کے تابعان میں تھے۔ اس
طائفہ مرتبہ بلند و پایۂ ارجمند داشت و در	طبقہ کے علم میں اونچا مرتبہ اور بلند درجہ رکھتے تھے
تقریر مسئلہ توحید بیان شافی و تقریر وافی و سخن	مسئلہ وحدت وجود پر بڑی شافی تقریر کرتے تھے
توحید را فاش گفتے"۔ [2]	اور اسرار توحید کو کھلم کھلا بیان کرتے تھے۔

انہوں نے "علم تصوف و توحید" میں بہت سی کتابیں لکھی تھیں جن میں سے دو کتابوں "اثبات الاحدیہ" اور "شرح لوائح جامی" کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اول الذکر کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ کتب خانہ حیدرآباد [3] میں ہے۔ شیخ محدثؒ نے اثبات الاحدیہ کا ایک طویل اقتباس "اخبار الاخیار" میں دیا ہے۔

شیخ امان پانی پتیؒ اسرار توحید کو کھلم کھلا بیان کیا کرتے تھے۔ عشق حقیقی کی آگ ہمہ وقت اُن کے سینے میں سلگتی رہتی تھی۔ درس و تدریس کا شوق تھا۔ صوفیۂ متقدمین کی تصانیف کا مطالعہ خود بہت گہری نظر سے کیا تھا اور دوسروں کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز سے کشائش ہوتی ہے۔ میری کشائش صوفیہ کی کتابوں میں ہے۔ سو صال کے وقت ان کا یہ حال تھا کہ اپنی ایک ایک کتاب کو کھولتے، دیکھتے اور وداع کرتے تھے۔ [4]

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۴ [2] ایضاً۔ ص ۲۴۳

[3] فہرست کتب جلد اول نمبر ۶۲۸ [4] اخبار الاخیار۔ ص ۲۴۵

شیخ پانی پتی، شیخ محمد حسین پسر شیخ حسن طاہرؒ سے بیعت تھے[1] لیکن دوسرے سلسلوں کے مشائخ سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ مشرب قلندریہ میں اُن کا سلسلہ دو واسطوں سے شاہ نعمت اللہ ولیؒ تک پہنچتا تھا۔ سب سلسلوں میں قادریہ سلسلہ کا اعتقاد اُن پر غالب تھا[2]۔

روحانی رہبر کی حیثیت سے اُن کی شان امتیازی تھی۔ وہ مریدوں کی روحانی تربیت سے پہلے اُن کی مخصوص صلاحیتوں اور فطری رجحانات کا جائزہ لیتے تھے، پھر اس کے لیے مناسب راہ عمل تجویز کرتے تھے۔ جب شیخ سیف الدینؒ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن سے کہا کہ اپنے حالات مع خیالات و تصورات کے بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ بندہ کو اکثر خیال ہوتا ہے کہ وہ عرش سے فرش تک ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور سب پر محیط ہے۔ فرمایا تم میں توحید کا تخم بویا ہوا ہے۔ اس کے بعد مناسب حال تربیت کی۔

شیخ امان اللہ پانی پتیؒ نے ۱۲ ربیع الآخر ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء کو وصال فرمایا[3]۔

شیخ سیف الدینؒ شیخ امانؒ کی خدمت میں

شیخ سیف الدینؒ کو ابتدائی زمانہ سے مشائخ کی صحبت کا شوق تھا بہت سے بزرگوں کی خدمت میں عقیدت مندانہ حاضر ہوئے تھے لیکن تسکین کا سامان کہیں نہیں ملا تھا۔ جب شیخ امان پانی پتیؒ کی خدمت میں پہنچے تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے زخموں پر مرہم لگا دیا۔ جو جذبات رہبر کامل کی غیر موجودگی میں ان کے دل و دماغ پر قیامت ڈھا رہے تھے، ان کی تربیت کا سامان مہیا ہو گیا۔ شیخ سیف الدینؒ ابتدائے حال میں کسی سہروردی بزرگ سے منسلک ہو گئے تھے۔ شیخ امانؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں آنے سے قبل مرید ہو چکا ہوں۔ لیکن اب آپ کا جذبۂ محبت و ارادت مجھ پر غالب آ رہا ہے۔ کیا کروں؟ فرمایا۔ المرء مع من احب۔ اس رستہ میں محبت کا اعتبار ہے۔ اس کے بعد اُن کی تربیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ کچھ ضروری کتابیں اُن کو پڑھائیں۔ پھر اپنے دستِ خاص سے لکھ کر

---

[1] شیخ محمد حسنؒ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو، اخبار الاخیار۔ ص ۲۲۸۔۲۳۰

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۳۵۔ [3] ایضاً [4] ایضاً

خلافت نامہ عنایت فرمایا۔ شیخ محدثؒ نے لکھا ہے:

"والدم را بہ عنایت خاص مخصوص ساخت وخرقۂ خلافت پوشانید، وشال خلافت تاچند روز بہ خط خاص خود مسودہ کرد"	میرے والد پر خاص عنایت فرمائی اور خرقہ خلافت عطا کیا۔ اور خلافت نامہ اپنے دست خاص سے لکھ کر دیا۔

شیخ سیف الدین نے ایک مثنوی میں اس طرح شیخ پانی پتیؒ کے احسانات کی گرانباری کا ذکر کیا ہے:

ہرچہ زمن در سخن آید یقیں	ہست ہم از صحبتِ آں مردِ دیں
ورنہ چہ حد است کہ راز درون	از دہن چوں منے آید بروں
من کیم و کیستم و چیستم	از دمِ عیسیٰ نفسے زیستم
اوست دریں راہ مرا رہنما	خاکِ درش چشم مرا توتیا
ہست دل او بحق آویختہ	آب صفت در ہمہ آمیختہ
دست من و دامن او بالیقیں	مقصد و مقصود من آں شاہِ دیں
عشق رخش ہمدم و ہمساز من	درد و غمش مونس و ہمراز من

شیخ سیف الدینؒ کا ذوقِ سخن

شیخ سیف الدینؒ کو شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی۔ نام کی مناسبت سے سیفی تخلص کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔

"سیفی بخاری شاعرے بزرگ است، مارا باوے مشارکتے نیست۔ فقیر تہمت ایں تخلص بر خود نمی نہاد ولیکن چوں نام فقیر سیف الدین بود وبعضے یاراں بجد شدند کہ سیفی تخلص کنید بداں سبب	سیفی بخاری بڑے شاعر ہیں، مجھ کو ان کی برابری حاصل نہیں۔ فقیر نے اس تخلص کی تہمت اپنے اوپر نہیں رکھی لیکن چونکہ میرا نام سیف الدین ہے اس سبب سے بعض دوست مصر ہوئے کہ سیفی ہی تخلص ہو

لہ ملاحظہ ہو:۔ Ency. of Islam, Vol III p. 74-75

درگذاشتن ایں تخلص مساہلہ کردہ شد[1]	اس سبب سے اس تخلص کے چھوڑنے میں سستی ہوئی

شیخ سیف الدین نے ایک مثنوی "سلسلۃ الوصال" اور ایک رسالہ "مکاشفات" تحریر فرمایا تھا۔ مثنوی سلسلۃ الوصال میں پانچ سو اشعار تھے۔ یہ سب اشعار ایک دن میں لکھے گئے تھے۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے۔

"می فرمودند کہ آں بغلبۂ شوق دریک روز گفتہ شدہ است، و باز ہرگز براں عبور نیفتادہ"[2]	فرماتے تھے کہ یہ مثنوی غلبۂ شوق کے عالم میں ایک دن میں کہی ہے، اور پھر دوبارہ نظر ڈالنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اُن کے اشعار بیاض تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کی کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ چور قیمتی سامان سمجھ کر چرا لے گئے تھے۔ جب دیکھا کہ کتابیں ہیں تو جلا کر خاک کر دیں۔

شیخ سیف الدینؒ نے شعر و سخن کا ذوق پایا تھا، اس لیے شعر کہہ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی لیکن تصنیف و تالیف کی طرف رغبت نہ تھی۔ انہوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ پیرو مرشد کے اصرار پر لکھا تھا۔ شیخ امان پانی پتیؒ اپنے مریدوں سے تقریر کرنے کا مطالبہ کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انہوں نے کس حد تک شیخ کی تعلیمات اور افکار کو اخذ کیا ہے۔ جب شیخ سیف الدین سے اس کا مطالبہ کیا گیا تو عرض کیا کہ فقیر کو حضور کے سامنے تقریر کرنے کی مجال نہیں ہے۔ اگر حکم ہو تو لکھ کر پیش کر دے۔ شیخ نے اجازت دی تو چند رسائل تصنیف فرمائے جن میں سے ایک کا نام مکاشفات تھا۔[3] اس کے کچھ اقتباسات شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار میں دیے ہیں۔

شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار میں ان کی دو غزلیں نقل کی ہیں جن سے اُن کے شاعرانہ کمالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۹۸ [2] ایضاً۔ ص ۲۹۷۔ [3] ایضاً۔ ص ۲۹۶۔ ۲۹۷

سازے نمودہ در ہمہ اعیاں چناں عیاں	کز غایت ظہور نہانست در نہاں
از نام و از نشاں کہ تواند نشاں دہد	گویا ہزار نام و نشاں ست بے نشاں
پیش از ظہور بود و ما کان شئ معہ	بعد از ظہور ہست علی ما علیہ کان
کون و مکاں بہ پر تو حسن جمال اوست	دیں طرفہ تر نگر کہ نہ کون ست نے مکاں
نزدیک عارفان محقق است	کہ عین عالم ست ولیکن ورائے آں
گہ روئے پوش ہمچو عروساں جلوہ گر	گہ با ہزار شور و شغب جا بجا دراں
سیفی بخویش نسبت ہستی گمان تست	لے ملائے بر کسے کہ بماند دریں گماں

ایک اور غزل ہے ؎

ہمائے سدرہ نشینی و مرغ بالائی	زبہر دانہ فتادی بدام رسوائی
شراب عشق بکام تو کے رسد ز حرص	پری بگرد شکر چوں ذباب حلوائی
ز دشمنی ست کہ نفس تو بہر پارۂ ناں	بساخت ست ترا ہر دری و ہر جائی
مدام در چمن از دست ساقی مہوش	چہ خام مشربے ار بادہ را نہ پیمائی
لباس بوریہ گر پوشی از ریا ندہد	ہزار مرتبہ بہتر ز صوف دارائی
برو بمیکدہ سیفی و بنگر از سر ہوش	کہ عارفان خدا یند زیر یکتائی [1]

شیخ سیف الدینؒ کا علمی مرتبہ شیخ سیف الدین اپنے زمانہ کے علمی معیار اور روایات کے مطابق کوئی جید عالم تو نہ تھے، لیکن ان میں وہ تمام اخلاقی خوبیاں موجود تھیں جو علم و فضل سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جن سے اس زمانے کے اکثر علماء بدقسمتی سے محروم تھے۔ طلبِ صادق، ایمان کامل، اعتقاد راسخ، سچائی، دیانت، استغنا سب ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا۔ جب وہ اپنے گرد ان علماء سو کو دیکھتے تھے جنہوں نے اکبری دور میں دنیوی جاہ و جلال کی خاطر اپنی علمی فضیلت کو خاک میں ملا دیا تھا تو وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ انہوں نے علم حاصل

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۷-۲۹۸۔

نہیں کیا، ورنہ اُن کی بھی وہی حالت ہو جاتی[1] فرماتے ہیں:

چوں مشاہدہ کردہ می شود کہ علماء و فضلاء در طلب جاہ و عزت و کثرت اسباب و جمعیت اموال و نزاع و خصومت کہ با خلق می افتد مرا شکرانہ آید بر آں کہ بسیار نخواندیم و اکابر نشدیم[2]

جب دیکھتا ہوں کہ آج کل کے علماء و فضلاء جاہ و عزت، مال و دولت اور خلق اللہ سے نزاع و خصومت میں مبتلا ہیں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا، اور بڑے آدمیوں میں میرا شمار نہیں۔

جیسا کہ شیخ سیف الدینؒ نے خود فرمایا وہ اکابر علماء میں نہ تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علوم دینی سے خاص شغف رکھتے تھے۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی لکھتے ہیں۔

"آج تک شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے علمی خانوادے کا آغاز ان ہی کی ذات سے کیا جاتا تھا مگر حکیم صاحب (حکیم حبیب الرحمٰن صاحب ڈھاکہ) کے پاس ایک دستاویز ایسی ہے، جو اس آغاز کو ایک پشت اوپر تک لے جاتی ہے یعنی علامہ ذہبی کی الکاشف جو اسماء الرجال کی ایک کتاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ حکیم صاحب کی ملکیت میں ہے جس کے پہلے صفحہ پر مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدین ترکؒ کے قلم کی ایک عبارت تحریر ہے"[3]

علالت اور وفات | آخری علالت کے زمانے میں شیخ سیف الدینؒ پر ایک عجیب کیفیت

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۲۔ لارڈ ایکٹن (Acton) نے اپنے لیکچر میں ریفارمیشن سے قبل کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے:

"The people had begun to think of virtue apart from the institutions of the church."

پادریوں کی غیر اخلاقی بات نے عوام کو اس طرح سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دور اکبری میں علماء کی خود غرضی، باہمی نزاع، اور طلب جاہ نے لوگوں کو علم سے برگشتہ کر دیا۔ کہ اگر علم کا حاصل وہی تھا جو ان لوگوں کو ملا تو اس سے بے علم رہنا بہتر تھا۔

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۲۔

[3] معارف، فروری ۱۹۲۶ء ص ۸۷۔

طاری رہی۔ خوف وخشیت کا اس قدر غلبہ ہو گیا کہ ہر وقت اسی میں پریشان رہنے لگے۔ جب کوئی ایسی آیت سن لیتے جس میں "وعدہ رحمت" ہوتا تو طبیعت بشاش ہو جاتی۔ ایک مرتبہ شیخ محدث نے یہ آیت تلاوت کی :

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ	تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے، پھر اسی پر
اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ	قائم رہے ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم نہ ڈرو اور نہ
اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا	غم کھاؤ اور خوشی سنو اس بہشت کی جس کا تم کو
بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝	وعدہ تھا۔

تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور شیخ محدث کو بہت سی دعائیں دیں۔ شیخ فرماتے ہیں :

"امید دارم کہ مرا دعائے آں شب سرمایۂ	امیدوار ہوں کہ اس رات کی دعا میرے
دنیا و آخرت شود" [۱]	لیے دنیا اور آخرت کا سرمایہ ہو۔

وصال [illegible] کلمات اور اشعار لکھ کر کفن کے ساتھ رکھنے کی ہدایت کی :۔

(۱) دارم رگنے نیں بیا مرز و مپرس	صد واقعہ در کمیں بیا مرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم	اے اکرم الاکرمین بیا مرز و مپرس
(۲) قَدِمْتُ عَلَی الْكَرِیْمِ بِغَیْرِ زَادٍ	مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِیْمِ
میں آیا ہوں کریم کے پاس بغیر توشہ	نہ نیکیاں ہیں اور نہ قلب سلیم
فَحَمْلُ الزَّادِ اَقْبَحُ كُلِّ شَیْءٍ	اِذَا كَانَ الْقُدُوْمُ اِلَی الْكَرِیْمِ
مگر توشہ لے جانا تو ناموزوں بات ہے	جب کہ ایک کریم کے پاس جانا ہو

(۳) رَبِّیَ اللّٰهُ، وَدِیْنِی الْاِسْلَامُ وَنَبِیِّیْ مُحَمَّدٌ وَشَیْخِی الشَّیْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ الْجِیْلَانِی

وصال کے وقت "خوف وخشیت کی کیفیت" ذوق وشوق" میں بدل گئی۔ عصر کا وقت تھا شیخ عبدالحق کو مسجد سے بلوایا۔ شیخ محدث خوشی اور بحالی کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شیخ

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۲۹۸۔

سیف الدین نے پھر اُن سے فرمایا:

"بابا! بدانکہ مارا اکنوں اصلا رنجے و محنتے و کوفتے نیست، شوق در شوق و طرب در طرب است، ہر زحمتے و بیماری کہ در بدن ما بود بدر رفتہ است ولیکن ترا باید کہ مشغول شوی و دعا کنی کہ مرا زود ازینجا بردارند، مرا مطلوبے کہ در تمام عمر بود دست دادہ است مبادا بازایں حالت نماند دائم دعا می کردم کہ آخر دم در یاد خود داری و بشوق و ذوق ازیں جا بری۔ اکنوں جمال ایں مراد با حسن وجوہ جلوہ گر شدہ است، اگر ہم دریں حالت پیش خود طلبد کمال لطف و عنایت او باشد۔"[1]

بابا جان لو کہ مجھ کو اس وقت کچھ رنج و فکر نہیں ہے بلکہ شوق پر شوق اور خوشی پر خوشی ہے۔ جو کچھ تکلیف اور بیماری میرے بدن میں تھی چلی گئی ہے۔ تم کو چاہیے کہ مشغول ہو کر یہ دعا کرو کہ مجھ کو جلد اس جگہ سے لیجائیں تمام عمر میں جو میرا مطلوب تھا اب حاصل ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے جاتا رہے۔ تمام عمر میں نے دعا کی تھی کہ آخر وقت میں ذوق شوق کے ساتھ اس جگہ سے لے جائیو۔ اب اس مراد کا جمال ہزار ہا حسن کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے۔ اگر اس حالت میں اپنے سامنے بلا لیگا تو اس کی انتہائی عنایت اور کرم ہوگا۔

معشوق حقیقی کے دیدار کی اس قدر بے چینی تھی کہ اگر کوئی شخص عیادت کو آتا اور یہ کہتا کہ حق تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے تو آپ ناخوش ہوتے اور فرماتے کہ خدارا یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے بُلا لے۔ غذا سے پرہیز کرنے لگے تو لوگوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا:

"از برائے ایں نیز نمی خورم کہ مبادا سبب بقائے من شود، مارا ہر دم کہ ایں جامی رود بکلفت می رود۔"[2]

اس وجہ سے بھی نہیں کھاتا ہوں کہ شاید کہ یہ میری بقا کا سبب بن جائے۔ مجھے اب ایک سانس لینا بھی باعث کلفت ہے۔

۲۷ شعبان سنہ ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء کو یہ بے چین عاشق اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ اور عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا!

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۹۹۔ [2] ایضاً

باب سوم

شیخ محدثؒ کی ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت

ولادت | ماہ محرم ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء کو شیخ محدثؒ دہلی میں پیدا ہوئے ؎

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

یہ اسلام شاہ سوری کا عہد حکومت تھا۔ مہدوی تحریک اس وقت پورے عروج پر تھی اور علماء کی جانب سے تکفیر و تضلیل کا کام بڑے زور و شور کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

مہدوی فرقہ کے بانی سید محمد جونپوری تھے۔ اُن کے متعلق مخالفین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اُن کے اعتقادات کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے "خود سید محمد اور اُن کے پیرؤں کی پہلی جماعت کے اکثر بزرگ بڑے ہی پاک نفس اور خدا پرست لوگ تھے۔ اس قسم کے معاملات ہمیشہ ابتدا میں کچھ ہوتے ہیں اور آگے چل کر کچھ اور بن جاتے ہیں۔ ..... یہی حالت اس جماعت کو بھی پیش آئی۔ اور رفتہ رفتہ اس کی بنیادی صداقت اخلاف کے غلو اور محدثات میں گم ہو گئی۔"[1]

حقیقت میں مہدوی تحریک، احیاء شریعت اور قیام امر بالمعروف کی تحریک تھی۔ سید محمد جونپوریؒ اور ان کے رفقاء کار علماء سو کی دنیا طلبی اور جاہل صوفیہ کی بدعات و منکرات سے سخت نالاں تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی ، ان فاسد عناصر کو دور کر کے احکام شرع کو تقویت پہنچائی جائے۔ جوں ہی یہ کوشش شروع ہوئی علماء سوء اور مشائخ دنیا پرست کی جانب

[1] تذکرہ۔ ص ۴۴۔ ۴۵ (جدید ایڈیشن)

سے مخالفت کا ایک طوفان برپا ہوگیا۔ یہاں اس تحریک کی پوری تاریخ بیان کرنے کا موقع نہیں تفصیل کے لیے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے[۱]۔ یہاں ہم صرف سلیم شاہ کے زمانہ کے حالات پر اکتفا کرینگے، تاکہ شیخ محدث کی پیدائش کے وقت کا مذہبی ماحول سامنے آجائے۔

سلیم شاہ کے عہد میں مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری شیخ الاسلام آگرہ نے مہدویوں کی مخالفت پر کمر باندھی، اور بادشاہ کو ڈرایا کہ اگر ان کو ختم نہ کیا گیا تو وہ ہندوستان پر قبضہ کرلینگے ملا نظام الدین نے لکھا ہے:۔

"مخدوم الملک این معنی با تبع وجوہ خاطرنشان سلیم شاہ نمودہ کہ ایں مرد دعوئی مہدویت می کند و مہدی پادشاہ تمام روئے زمین خواہد شد و تمام لشکر تو بایں گرویدہ است و احتمال خلل در ملک است"[۲]

سلیم شاہ نے شیخ علائی کو آگرہ میں طلب کیا۔ اور ملک کے مشاہیر علماء کو بحث و مباحثہ میں شرکت کی دعوت دی۔ شیخ علائی پھٹے پرانے کپڑوں میں اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت

---

[۱] خود مہدویوں کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں۔

"سیرت امام مہدی موعود"؛ شاہ عبدالرحمن (اوائل دسویں صدی ہجری) مطبوعہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

خصائص امام مہدی؛ عبدالملک سجاوندی (حیدرآباد ۱۳۶۰ھ) (مطبوعہ)

مجالس شیخ مصطفیٰ گجراتی: (مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ ۱۳۶۷ھ)

جواہر التصدیق، شیخ مصطفیٰ گجراتی (مطبوعہ معین پریس حیدرآباد ۱۳۶۰ھ)

انصاف نامہ۔ (مطبوعہ دائرہ زمستان پور۔ حیدرآباد۔ دکن)

انوار العیون، سید قاسم (مطبع ابراہیمیہ حیدرآباد ۱۳۲۰ھ)

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل کتب میں مفید معلومات ملتی ہیں:

"زاد المتقین" شیخ محدث (قلمی)؛ تذکرہ، مولانا ابوالکلام آزاد

"میاں مصطفیٰ" پروفیسر محمود شیرانی (سلسلہ مرتضوی ۱۱ حیدرآباد)

[۲] طبقات اکبری۔

کے ساتھ دربار میں حاضر ہوئے۔ سلام کر کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بحث شروع ہوئی تو شیخ علائی نے دنیا پرست علماء کی مذمت کی اور امراء و سلاطین کے فرائض بیان کیے۔ اُن کا ہر لفظ دل سے نکلتا اور دل کی گہرائیوں میں اپنی جگہ تلاش کرتا تھا۔ سلیم شاہ کی آنکھیں بھی نمناک ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور شیخ علائی کے متعلق اس کی رائے بدل گئی۔ دوسرے دن پھر مباحثہ ہوا تو شیخ علائی نے ان الفاظ میں مخدوم الملک کی مذمت کی۔

"تو از علماء دنیائی، و دزد دینی، و مرتکب چندین نامشروعاتی"

کئی دن تک معاملہ چلتا رہا۔ مخدوم الملک نے سلیم شاہ کو شیخ علائی کے قتل پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سلیم شاہ اُن کے دینی جذبات سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ صرف جلاوطنی کے حکم پر اکتفا کیا۔ شیخ علائی دکن چلے گئے۔ مخدوم الملک نے پھر شیخ علائی کو آگرہ طلب کیا۔ سلیم شاہ نے علماء آگرہ کی ذہنیت کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ مخدوم الملک کے زیر اثر شیخ علائی کے قتل پر تلے ہوئے تھے۔ لہذا اس نے شیخ علائی کو شیخ بڈھا بہاری کے پاس روانہ کر دیا۔ کہ جو اُن کا فیصلہ ہو اس پر عمل کیا جائے۔ شیخ بڈھا اپنے زمانہ کے جید عالم تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ شیر شاہ تک اُن کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔ شیخ علائی جب اُن کے مکان پر پہنچے تو سرود و ساز کی آواز سنائی دی۔ اندر پہنچے تو غیر شرعی حرکات دیکھیں۔ ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار امر معروف و نہی منکر شروع کر دیا۔ شیخ بڈھا ان سے متاثر ہوئے، اور ایک تحریر میں ان کی تکفیر کو ناجائز قرار دیا لیکن لڑکوں نے سمجھایا کہ مخدوم الملک کے خلاف رائے دینا مناسب نہیں۔ اگر اس نے بادشاہ سے کہہ کر اس رائے کی مزید تحقیق کے لیے آگرہ بلایا، تو پیرانہ سالی میں بہار سے آگرہ تک کا سفر کرنا پڑیگا۔ شیخ بڈھا کا دینی جذبہ مصلحت اندیشی سے شکست کھا گیا۔ دنیا پرستی نے ضمیر کی آواز کو خاموش کر دیا اور انہوں نے دوسرا اسلہ بھیجا اور لکھا کہ مخدوم الملک علماء محققین میں سے ہیں، ان کا فتویٰ اپنی جگہ اٹل ہے۔ اب سلیم شاہ نے بھی مجبور ہو کر معاملہ مخدوم الملک کے سپرد کر دیا، مخدوم الملک نے حکم دیا کہ ان کے

کوڑے لگائے جائیں۔ شیخ علائی طویل سفر کی تکالیف اُٹھا کر خستہ جان ہو چکے تھے، گلے میں ایک بڑا زخم تھا۔ تیسرے کوڑے میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی ——

یہ ایک واقعہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی پیدائش کے وقت کے عام مذہبی ماحول کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ سلیم شاہ۔ شیخ علائی۔ مخدوم الملک۔ شیخ بڈھا —— یہ محض چار شخصیتیں نہیں۔ یہ چار عناصر ہیں، چار تحریکیں ہیں، چار رجحانات ہیں جنہوں نے آئندہ سالوں میں ہندوستان کے سماجی، اور دینی ماحول کو بنانے اور بگاڑنے کا کام انجام دیا۔ ان حالات گردوپیش میں پیدا ہونے والے انسان کو اپنی شاہراہ عمل متعین کرنے میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان کی تفصیل آئندہ صفحات میں نظر سے گزریگی۔

محرم ۹۵۸ھ —— اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک اہم مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں شیخ عبدالحق محدثؒ پیدا ہوئے، اور اسی مہینہ میں ابوالفضل۔ موخرالذکر نے اسلامی شعار کی تضحیک و توہین میں وقت صرف کیا، تو اول الذکر نے احیا رشریعت اور قیام امر بالمعروف میں اپنی ساری زندگی گزار دی۔ ایک سے "دین الٰہی" نے تقویت پائی، دوسرے سے "دین محمدیؐ" کو عروج ہوا۔

باپ کے آغوش میں | شیخ محدثؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور خیالات کے نشو و نما میں ان کے والد ماجد کا خاص حصہ تھا۔ ایام طفلی ہی سے اُنہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف توجہ کی تھی۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے کہ

"شب و روز در کنار رحمت و جوار عنایت ایشاں تربیت می یافتم" ۔[1]

رات دن میں اُن کی آغوش عاطفت میں تربیت حاصل کرتا تھا۔

تین چار سال کا بچہ دیکھیے اور باپ کا یہ ذوق و شوق کہ شب و روز آغوش میں لیے اس کی تربیت میں مشغول ہے۔ اور برسوں کی ریاضت نے جو ذہنی اور قلبی کیفیات اس میں پیدا

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۰

کردی ہیں اُن کو منتقل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود کے اسرار سے اس بچہ کو آشنا کرنا چاہتا ہے۔ جب کوئی نکتہ بچے کی سمجھ میں نہیں آتا تو تجربہ کار باپ یہ کہہ کر تسلی کرتا ہے

"اِن شاء اللہ رفتہ رفتہ پردہ از روئے کار | ان شاء اللہ رفتہ رفتہ حقیقت کے چہرے سے
بکشاید وجمال یقین روئے نماید" [۱] | پردہ اُٹھیگا اور جمالِ یقین نظر آئیگا۔

لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کرتا ہے:

"لیکن باید کہ دایم دریں خیال باشند و | لیکن یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اسی خیال میں
ہر مقدار کہ دست دہد سعی کنید.... " | رہو اور جس قدر ممکن ہو کوشش کرتے رہو۔"

لنگ ولوک و خفتہ شکل و بے ادب

سوئے او می خیز واو را می طلب!

ایک انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ بچے کی تربیت اس وقت سے ہونی چاہیے جب وہ شکاری کے جواب میں مُسکرانا شروع کردے۔ شیخ سیف الدینؒ اسی اصول کے قائل تھے۔ اُن کے تعلیمی نظریات بہت بلند تھے تعلیم کا مقصد اُن کے نزدیک صرف ذہن ہی کی جِلا نہ تھی، بلکہ اُس سے دلی اور روحانی قویٰ کی شگفتگی بھی منظور تھی۔ وہ جانتے تھے کہ "حکمتِ زندگی" سینا و فارابی کی کتابوں سے نہیں سیکھی جا سکتی۔ اس لیے چاہتے تھے کہ اپنے دل کی وہ بے چین دھڑکنیں جن میں زندگی کا راز مضمر تھا، اپنے بیٹے کے سینے میں منتقل کردیں۔ اس زمانہ کی پوری کیفیت شیخ محدث کی زبانی سُنیے:۔

"اسی زمانہ طفلی میں انہوں نے مجھے حضرات صوفیہ کے اقوال بتائے اور شفقت ظاہری کے ساتھ باطنی تربیت کا برابر خیال رکھا۔ میں بھی بہ تقاضائے فطرت اُن اقوال کا دلدادہ تھا۔ جب وہ ذرا خاموش ہوتے میں کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو بھول جاتا اور واقفانِ اسرار کی طرح ان حقائق کو دوبارہ بیان کرنے کی استدعا کرتا۔ ان میں سے بعض باتیں اپنی خصوصیت

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۰

کے ساتھ ابھی تک حافظے میں محفوظ ہیں۔ یہ امر بہت غیر معمولی ہے۔ اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ فقیر کو اپنے دودھ چھٹنے کا زمانہ جبکہ عمر دو یا ڈھائی سال کی ہوگی ایسا یاد ہے جیسے کہ کل کی بات۔ اسی زمانہ میں جب کہ والد کی تربیت و عنایت کا فیض جاری تھا میں تحصیل علم کر چکا تھا اور ان کی خدمت میں علمی بحث و تکرار میں مصروف رہتا تھا۔ اسی شغل میں راتیں گذر جاتی تھیں۔ والد ماجد فقیر کو خصوصاً تلقین علم توحید اور تحقیق مسئلہ وحدت وجود میں شرف مکالمت عطا کرتے اور خوش ہوتے تھے۔[1]

شیخ محدثؒ کے والد ماجد نے ان کو بعض ایسی ہدایتیں کی تھیں جن پر شیخ تمام عمر عمل پیرا رہے۔ اور جو آج بھی اُن کی خاص شان اور مخصوص روایات کا ایک اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں۔ شیخ سیف الدینؒ نے اپنے زمانے کے علماء کی بے راہ روی کج بحثی اور گمراہی کا خوب مشاہدہ کیا تھا۔ اس لیے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی:

"باید کہ بہ ہیچ کس در بحث علم نزاع نکنی۔ و بہ کلفت نرسانی۔ اگر دانی کہ حق بجانب دیگر است قبول کنی، و اگر نہ دو سہ بار بگو، اگر قبول نکنند بگو کہ بندہ را چنیں معلوم است۔ آں نوع نیز تواند بود کہ شما می گوئید۔ نزاع بہر چیست"[2]	چاہیے کہ کسی سے علمی بحث میں جھگڑا نہ کرو اور تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اگر یہ سمجھو کہ دوسرا حق بجانب ہے تو اس کی بات مان لو۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو دو تین بار سمجھا دو۔ اگر نہ ملنے تو کہو کہ مجھے تو یہی معلوم ہے ممکن ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہو۔ پھر جھگڑے کی کیا بات ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے وہ صرف اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے۔ یہ لاحاصل چیز ہے، اس سے منافرت اور مخالفت کے سوتے اُبل پڑتے ہیں۔ علمی مسائل میں محبت والفت سے تبادلۂ خیالات ہونا چاہیے کہ

این کار محبت است، آنرا کہ محبت نباشد چہ کار کند	یہ محبت کا معاملہ ہے جس میں محبت نہیں وہ کیا کریگا

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۰   [2] و [3] ایضاً۔ ص ۲۹۲۔

شیخ سیف الدینؒ کی ان نصیحتوں کو شیخ محدثؒ کے دماغ کے ہر رگ و ریشے نے قبول کیا۔ اور وہ ان کی زندگی کا جزو بن گئیں۔ اکبری دور میں بحث و مباحثہ، تکفیر و تضلیل کے کیسے کیسے ہنگامے برپا ہوئے، لیکن شیخ محدثؒ نے اپنے مسلک سے کبھی سر مو انحراف نہیں کیا۔ اُن کی زندگی کی بنیاد کچھ ان اصولوں پر رکھی گئی تھی ؎

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے	تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درون او دلے درد آشنائے	چو جوئے در کنار کوہسارے

شیخ سیف الدینؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے بیٹے کے دل میں صرف حصول علم کی لگن ہی پیدا نہیں کی بلکہ اس کے ذہن میں علم کے متعلق صحیح نظریے بھی قائم کر دیے۔

ابتدائی تعلیم شیخ محدثؒ کو ابتدائی تعلیم خود اُن کے والد ماجد ہی نے دی تھی۔ سب سے پہلے قرآن پاک شروع کرایا اور وہ بھی نئے انداز سے۔ شیخ محدثؒ نے ابھی قواعد تہجی بھی نہیں سیکھے تھے کہ اُن کے والد ماجد نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن پاک کی کچھ سورتیں لکھ کر اُن کو یاد کرنے کے لیے دے دیتے تھے۔ اسی طرح دو تین مہینے میں پورا کلام پاک ختم ہو گیا۔ خود شیخ محدثؒ فرماتے ہیں:

"اول از قرآن مجید بے سابقہ تعلیم قواعد تہجی کہ اطفال خوانند، دو سہ جزو بلکہ کم تر ..... تعلیم فرمودند۔ سبق در سبق ایشاں می نوشتند و من می خواندم، از قرآن ہمیں مقدار تعلیم کردہ ام، بعد ازاں از اثر تربیت و شفقت ایشاں چناں قوت بہم رسید کہ ہر روز قدرے از قرآن می خواندم و ہر مقدار کہ می خواندم پیش ایشاں می گذرانیدم۔ در دو سہ ماہ قرآن	سب سے پہلے قرآن مجید بے سابقہ تعلیم قواعد تہجی کے (جس طرح لڑکوں کو عموماً پڑھایا جاتا ہے) دو تین جزو بلکہ اس سے کم تعلیم فرمائے تھے۔ وہ سبق لکھتے تھے میں پڑھتا تھا۔ قرآن کی یہی مقدار میں نے اُن سے سبقاً پڑھی ہے۔ اس کے بعد ان کی تربیت و شفقت کے اثر سے ایسی قوت بہم پہنچی کہ ہر روز تھوڑا سا قرآن پڑھنے لگا۔ اور جتنا پڑھتا تھا اُن کو سُنا دیتا تھا۔ غرض دو تین مہینے میں قرآن شریف

ختم کردم" [۱]	ختم کرلیا۔

اس کے بعد لکھنے کی طرف توجہ کی اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا سیکھ لیا۔

"در اندک مدت، شاید اگر مقدار یک ماہ تعین	تھوڑی ہی مدت میں، اگر ایک مہینہ کہوں تو
کنم دروغ نگفتہ باشیم، کتابت وسلیقۂ انشار	جھوٹ نہ ہوگا، کتابت اور انشار کا سلیقہ
پیدا شد" [۲]	پیدا ہوگیا۔

اتنے کم عرصہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لینا، شیخ کی غیر معمولی ذہانت کا کرشمہ ہے۔ شیخ محدثؒ نے اپنی اس کامیابی کا اصلی سبب اپنے والد کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ہر چہ ہست اثر توجہ وعنایت ایشاں است" [۳]	جو کچھ بھی ہے وہ ان کی توجہ اور عنایت کا اثر ہے

شیخ سیف الدینؒ نے اپنے فرزند کی تعلیم میں اس زمانہ کے مروجہ نصاب یا طریقہ تعلیم کی پابندی نہیں کی۔ بلکہ ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر جس کتاب کو مناسب سمجھا پڑھا دیا۔ اس زمانہ میں نظم کی بہت سی کتابیں نصاب میں شامل تھیں اور اُن کا پڑھنا ابتدائی تعلیم کا لازمی جزو سمجھا جاتا تھا شیخ سیف الدینؒ نے اپنے بیٹے کو بوستاں اور دیوان حافظ کے چند جزو کے علاوہ نظم کی کوئی کتاب نہیں پڑھائی۔ قرآن پاک کے بعد میزان شروع کردی۔ اور مصباح اور کافیہ تک خود تعلیم دی۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے

"ایں کتابہائے نظم واشعار کہ تعلیم آں متعارف	اور نظم کی اُن کتابوں میں سے جو اس ملک میں
ایں دیار است، شاید کہ چند جزو از بوستاں	مروج ہیں، شاید گلستاں بوستاں کے چند جزو
وگلستاں ودیوان خواجہ حافظ تعلیم کردہ باشند	اور دیوان حافظ پڑھایا ہو۔ اور لڑکپن ہی سے
وہم از ابتدائے حالت صغرسنی بعد از ختم قرآں	قرآن پاک ختم کرنے کے بعد میزان الصرف سے
میزان الصرف یاد دادند۔ تا مصباح وکافیہ	سے مصباح وکافیہ تک خود تعلیم دی۔
خود تعلیم فرمودند" [۴]	

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۰ [۲] و [۳] ایضاً، ص ۳۰۱۔ [۴] (ہ صفر ۳۳)

پڑھاتے وقت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان شاء اللہ تو جلد عالم بن جائیگا۔

"ان شاء اللہ تو زود دانشمند شوی"

شیخ سیف الدینؒ اپنے بیٹے کی تعلیم خود اپنی نگرانی میں مکمل کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ وہ اپنے جگر گوشہ کے سینہ میں وہ تمام علوم منتقل کر دیں جو انہوں نے عمر بھر کے ریاض کے بعد حاصل کیے تھے لیکن یہ اُن کی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا۔ اس لیے سخت مجبور بھی تھے۔ کبھی کتابوں کا شمار کرتے اور حسرت کے ساتھ کہتے کہ یہ اور پڑھالوں پھر فرماتے

"مرا حظے غریب دست دہد بہ تصور آنکہ حق تعالےٰ ترا بجائے کہ من خیال کردہ ام برساند" [1]

مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے جس وقت یہ تصور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کمال تک پہنچانے کہ جو میں نے خیال کیا ہے۔

شیخ محدثؒ خود بے حد ذہین تھے۔ طلب علم کا سچا جذبہ تھا جس علم کی طرف توجہ کرتے، پانی ہو جاتا بوڑھا باپ، بیٹے کی ذہانت اور سعی پیہم سے خوش ہوتا اور اس کے شاندار علمی مستقبل کے نقشے ذہن میں جماتا رہتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ شیخ محدثؒ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"یاد دارم کہ روزے در ملازمت ایشاں تقریر بعضے سخنان علمی می کردند، وایشاں بجانب ہند ناظر بودند۔ درا ثنائے سخن ایشاں را حالتے درگرفت، ونعرہا زدند و گریہ کردند۔ وہم دراں حالت

(حاشیہ صفحہ ۷۷) [1] عرصے سے ہندوستان کے نصاب میں یہی کتابیں شامل تھیں۔ عباس شیروانی شیر شاہ کی تعلیم کے متعلق تاریخ شیر شاہی میں لکھتا ہے:

"فرید بہ تحصیل علوم عربیہ مشغول شد۔ کافیہ بحواشی قاضی شہاب الدین خوب طرح بخواند، وعلوم دیگر نیز تحصیل کرد وگلستان وبوستان وسکندر نامہ وغیرہم بخواند" (قلمی نسخہ)

اس زمانہ کے نصاب تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو مولانا حکیم عبدالحی مرحوم کا مضمون "ہندوستان کا نصاب درس" (الندوہ۔ فروری ۱۹۰۹ء) ملاحظہ کرنا چاہیے۔ نیز ڈاکٹر صوفی کی کتاب المنہاج بھی اس موضوع پر کافی دلچسپ ہے۔

(Al-Minhaj Dr. G. M. D. Sufi Lahore 1941)

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۱۔

ہر دو دست بر روئے فقیر بر آوردند، دعا کردند، وبعد از فرود آمدن آں حالت فرمودند کہ مارا از مشاہدہ
شما تجلی دست داد، و نورے مشہود شد کہ تعبیر از کیفیت آں ممکن نباشد خداوند کہ آں چہ حالت بود"

بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی۔ پندرہ[۱۵] سولہ[۱۶] برس کی عمر ہوگی کہ
مختصر ومطول سے فارغ ہوگئے۔ اٹھارہ[۱۸] برس کی عمر میں علوم عقلی ونقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا
جس کی سیر نہ کرچکے ہوں۔ اس زمانہ کی پوری روداد خود اُن کی زبانی سننے کے قابل ہے۔ فرماتے
ہیں :-

"اور یہی فرماتے تھے (اپنے والد کی طرف اشارہ کرتے ہیں) کہ ہر ایک علم میں سے مختصر پڑھ لوگے
تو تم کو کافی ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد برکت اور سعادت کے دروازے تم پر کھل جائیں گے
اور تمہیں سارے علوم بے تکلف حاصل ہو جائینگے۔ ان کے اس ارشاد پاک نے یہ اثر کیا کہ تحصیل
علوم میں مجھ کو ایسی سرعت حاصل ہوئی کہ جس کو طے زمان او رطے مکان کہتے ہیں ہر علم حاصل
ہوگیا۔ یعنی مختصرات نحو مثل کافیہ ولب وارشاد وغیرہ شاید ایک ایک جزو بلکہ زیادہ یاد کرتا تھا
اور اتمام تحصیل علم کے لیے اس قدر پہنچی تھی کہ اگر کوئی جزو ان مختصرات کا صحیح اور محشی مل جاتا تھا
تو اس کو خود مطالعہ کرلیتا۔ حاجت استاد سے پڑھنے یا دریافت کرنے کی نہ ہوتی۔ اگر بحث
آسان ہوتی یا مضمون سے پہلے سے واقفیت ہوتی تو میرا فکر اس کو قبول نہ کرتا۔ خدا جانے
کہ ان دنوں میں کیا سمجھتا تھا اور کیا دیکھتا تھا لیکن ہر کتاب کے متن اور حاشیے اور ان کے الفاظ
سے پورا فائدہ حاصل کرتا تھا۔ اور جو کتاب میرے ہاتھ آتی یا جزو کسی کتاب کا ملتا، خواہ میرے
پڑھے ہوئے ہوتے یا نہ ہوتے اُس کو اول سے آخر تک دیکھنا اپنے اوپر واجب کرلیتا تھا۔ لوہیں
اس امر کا مقید نہ تھا کہ شروع یا خاتمہ کتاب ملے تو دیکھوں۔ میری نظر تحصیل علم پر تھی۔ خواہ کسی
طرح پر ہو"[۱]

اس زمانہ میں تحصیل علم سے اُن کا مقصد کیا تھا؟ اخبار الاخیار میں انہوں نے طالب علمی

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۱۔

کے زمانہ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے، جس سے اُن کے مقاصد اور رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک دن اُن کے کچھ ساتھی اس بات پر گفتگو کر رہے تھے کہ حصول علم سے اُن کا کیا مقصد ہے۔ کسی نے کہا کہ معرفت الٰہی کی غرض سے علم حاصل کرتا ہوں کسی نے کہا دنیوی مشکلات کو حل کرنے کے لیے۔ شیخ محدث کی باری آئی تو اُنھوں نے جواب دیا :

"من اصلاً ندانم کہ بر تحصیل علم معرفت الٰہی مرتب شود یا اسباب ملاہی مرا بالفعل خود شوق این ست کہ بارے بدانم کہ چندیں عقلا و علما گذشتہ اند و چہ گفتہ اند و در کشف حقیقت معلومات سائل چہ دُرہا سفتہ اند تا بعد از حصول کس چہ حالت دست دہد بحظ نفس برد یا بمحبت مولیٰ یا تحصیل دنیا کشد یا طلب عقبیٰ" [۱]

میں بالکل نہیں جانتا کہ تحصیل علم سے معرفت الٰہی حاصل ہو یا اسباب لہو۔ بالفعل مجھے یہ شوق ہے کہ معلوم کروں کہ اتنے عقلا اور علما جو گزرے ہیں کیا کہتے ہیں اور کشف حقیقت معلومات میں کس قدر موتی پروئے ہیں۔ اور اس کے حاصل کرنے کے بعد کیا حالت ہوئی یعنی حظ نفس کی طرف گئے یا محبت مولیٰ یا تحصیل دنیا یا طلب عقبیٰ کی طرف۔

---

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۲۔

باب چہارم (۴)

شیخ محدثؒ طالبِ علم کی حیثیت سے

شیخ محدثؒ نے اپنے بڑھاپے میں نواب مرتضیٰ خاں، شیخ فرید کو ایک خط میں طلب صادق[1] کی نوعیت بتائی تھی کہ

"ہر دمے کہ زند و ہر قدمے کہ نہد حصول مطلوب و حضور محبوب پیش چشم دارد"[1]

انسان جو سانس لے اور جو قدم رکھے اس میں ہمیشہ حصول مطلوب اور حضور محبوب پیشِ نظر رہے

طالب علمی کے زمانہ میں خود اُن کا یہی حال تھا۔ دن اور رات اسی میں غرق رہتے تھے حصول علم کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ زندگی اور اس کی ساری دلچسپیاں سمٹ کر اسی میں آگئی تھیں۔ خود لکھتے ہیں۔

"از ابتدائے ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست، و خواب کدام۔ مصاحبت کیست و آرام چہ و آسائش کو و سیر کجا ؎

شب خواب چہ و سکوں کدامست

خود خواب بعاشقاں حرامست!

ہرگز در شوق کسب و کار طعام بوقت نخوردہ و خواب در محل نبردہ"[2]

بچپن سے (میرا یہ حال ہے کہ) مجھے یہ نہیں معلوم کہ کھیل کود کیا ہے۔ خواب مصاحبت، آرام اور آسائش کے کیا معنی ہیں، میں نہیں جانتا کہ سیر کیسی ہوتی ہے۔ تحصیل علم میں مشغولیت کی بنا پر کھانا کبھی بروقت نہیں کھایا اور نیند بھر کر نہیں سویا۔

۱ه المکاتیب والرسائل۔ ص ۴۷۔ ۲ه اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۲

جس محنت و مشقت اور جانفشانی کے ساتھ انہوں نے علم حاصل کیا تھا، اُس کی مثال اِس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ ابوالفضل نے اگر رات کو پڑھتے پڑھتے اپنے دماغ میں خشکی پیدا کرلی تھی تو شیخ محدث نے بارہا مطالعہ کی مشغولیت میں اپنے بالوں اور عمامہ کو چراغ سے جلایا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ آگ لگنے کی خبر تک بھی نہیں ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں۔

چہ دود ہائے چراغے کہ در دماغ نرفت   کدام بادہ محنت کہ در ایاغ نرفت

کدام خواب وچہ آسائش و کجا آرام   چہ خار خار کہ در بستر فراغ نرفت

بحیرتم ز دل خود کہ عمر رفت و لے   ز کنج عمکدہ ہرگز بہ صحن باغ نرفت[1]

شیخ محدث نے صبح سے رات تک کا اپنا پورا پروگرام بتایا ہے حقیقت یہ ہے کہ علمی دنیا کی صدرنشینی کے لیے جس ریاضت کی ضرورت تھی، اُس میں اُنہوں نے کوئی کمی نہیں کی تھی بچپن سے اُنہیں اس بات کا احساس تھا کہ ؏ جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں ۔اس لیے اُنہوں نے تحصیل علم میں اپنے خون کا پانی کر دیا۔ طلوع آفتاب سے قبل وہ مدرسہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ مدرسہ مکان سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ دوپہر کو کھانا کھانے تھوڑی دیر کے لیے گھر آتے اس کے بعد پھر مدرسہ جا کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ چھ میل کی مسافت طے کر چکنے کے بعد بھی ان کو تھکن محسوس نہ ہوتی تھی اور وہ پورے ذوق و انہماک کے ساتھ رات تک مدرسہ میں مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ رات کو جب گھر واپس آتے تو آرام کرنے کے بجائے پڑھنے کے لیے بیٹھ جاتے والدین اُن کی اس محنت اور مصروفیت سے بہت پریشان ہوتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کبھی کبھی آرام بھی کرنا چاہیے لیکن اُن پر تحصیل علم کا ایک نشہ سا تھا۔ وہ سب کی نصیحتیں سُنتے تھے لیکن کچھ مجبور سے تھے مفصل کیفیت خود اُن کی زبانی سُنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

"ہر روز باوجود غلبۂ برودت ہوائے زمستان و   میں جاڑے کی ٹھنڈی ہوا اور گرمی کے جلسا دینے والی

---

[1] کتابیہ سے دود چراغ خوردہ شب آوردہ آم بروزہ معذورم ار نماند دماغ مراتری

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۳۔

شدت حرارت تابستان دوبارہ بمدرسۂ دہلی
کہ شاید از منزل ما بُعد دو میل داشتہ باشد
میل می کردم۔ درمیان روز ادنیٰ وقفہ در غریب خانہ
بسبب تناول چند لقمہ کہ سبب عادی قوام
حرکت ارادی است واقع می شد . . . . .
والدم پدر ما درمن درپے آں بودند کہ یکدم
باکودکاں محلہ بازی کنم یا شب بوقت متعارف
پا دراز کشم۔ ومن می گفتم کہ آخر غرض از بازی
خاطر خوش کردنست ومرا خاطر بہمیں خوش
است کہ چیزے بخوانم یا مشقے کنم، برعکس آنکہ
پدران ومادران اطفال را برخواندن وبمکتب
رفتن زجر کنند وعتاب نمایند مرا درجانب
دیگر بمبالغہ خطاب می کردند۔ گاہے در اثنائے
مطالعہ کہ از نیم شب در می گذشت، والدم
قدس سرہٗ مرا فریاد می زد کہ بابا! چہ می کنی،
من فی الحال دراز می کشیدم تا دروغ واقع
نشود و می گفتم کہ خفتہ ام چہ می فرمایند باز بر
می نشستم ومشغول می شدم ۔ [1]

جھونکوں میں ہر روز دوبار دہلی کے مدرسہ میں جاتا
تھا جو ہمارے مکان سے تقریباً دو میل کے فاصلہ
پر ہوگا۔ دوپہر کو تھوڑی دیر گھر ٹھہر کر چند لقمے ضرور
کھالیتا . . . . . . میرے والدین ہرچند
کہتے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے محلے کے لڑکوں
کے ساتھ کھیل لو اور وقت پر سو جاؤ میں کہتا
تھا کہ آخر کھیلنے سے مقصد دل کا خوش کرنا ہی
تو ہے میری طبیعت اسی سے خوش ہوتی
ہے کہ کچھ پڑھوں یا لکھوں۔ عام طور پر ماں
باپ بچوں کو پڑھنے اور مکتب جانے کی تاکید
اور تنبیہ کیا کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس
مجھے کھیل کود کی ترغیب دیتے تھے کبھی مطالعہ
کے دوران میں ایسا بھی ہوا ہے کہ آدھی رات
گزر گئی ہے۔ میرے والد نے مجھ سے فریاد کی
ہے کہ بابا! کیا کرتے ہو۔ میں سنتے ہی فوراً
لیٹ جاتا کہ جھوٹ واقع نہ ہو اور کہتا کہ میں
سوتا ہوں۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟ جب وہ
مطمئن ہو جاتے تو پھر اٹھ بیٹھتا اور مشغول ہو جاتا۔

شاہ صاحب کے زمانہ میں تحصیلِ علم کا کام صرف خواندن پر ہی ختم نہ ہوتا تھا بلکہ اُس کے اور مراحل بھی تھے۔

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۲۔۳۰۳۔

(۱) مطالعہ (۲) بحث و تکرار (۳) کتابت

ان منزلوں سے گزر کر سبق جس قدر پختہ ہو جاتا تھا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ طالب علم کے دل و دماغ کا رگ و ریشہ اس تعلیم سے متاثر ہوتا تھا اور اس کا قصرِ علم آج کل کی طرح نقش بر آب نہیں، بلکہ آہنی ستونوں پر کھڑا ہوتا تھا۔ شاہ صاحبؒ مطالعہ اور بحث و تکرار میں مستقل مشغولیت کے باوجود کتابت کے لیے وقت ضرور نکال لیتے تھے۔ فرماتے ہیں :-

"و غریب تر آنکہ باوجود احاطہ اوقات و شمول ساعات بمطالعہ و تذکار و بحث و تکرار ہر چہ از کتب خواندہ می شد بلکہ ورائے آں از شروح و حواشی در نظر می آمد تقید آں بہ کتابت از ضروریات وقت می دانستم، اکثرے از شب و پارہ از روز بہ مطالعہ می گذشت و پارہ از شب و اکثرے از روز بکتابت می رفت" [۱]

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود مطالعہ تذکرہ اور بحث و تکرار میں بیشتر وقت منہمک رہنے کے، جو کتابیں پڑھتا تھا بلکہ اُن کے علاوہ شروح و حواشی بھی جو نظر سے گزرتے تھے ان کے لیے بھی، لکھنے کی مشق کو ضروریاتِ وقت میں سے شمار کرتا تھا۔ رات کا زیادہ حصہ اور تھوڑا حصہ دن کا مطالعہ میں گزرتا تھا۔ اور تھوڑا حصہ رات کا اور زیادہ حصہ دن کا لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔

یہ تھا اس شخص کی طالب علمی کا زمانہ جس نے سترہویں صدی میں احیاءِ علوم الدین کی شاندار خدمت انجام دی!

حفظ کلام پاک | شیخ محدثؒ نے ابتدائی زمانہ میں ہی قرآنِ پاک حفظ کر لیا تھا۔ اس کام میں اُن کو سال، سوا سال محنت کرنی پڑی تھی۔ خود فرماتے ہیں :

"بعد ازاں بہ حفظ قرآن مجید نیز موفق شدم و — اس کے بعد قرآن مجید کے حفظ کرنے کی توفیق

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۲۔

درکنعت حفظ درآدمم و درمدت یک سال — اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی اور میں نے ایک
وچیزے این نعمت را ..... بدست آوردم[۱] — سال اور کچھ دنوں میں اس نعمت کو حاصل کرلیا۔

دانشمندانِ ماوراء النہر سے تلمذ | عربی میں کامل دستگاہ اور علم کلام و منطق پر پورا عبور حاصل کرنے کے بعد شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے "دانشمندانِ ماوراالنہر" سے اکتساب علم کیا۔ شیخ نے ان بزرگوں کے نام نہیں بتائے۔ بہرحال ان علوم کے حصول میں بھی ان کی مشغولیت اور انہماک کا وہی عالم رہا کہ رات اور دن کے کسی حصہ میں فرصت نہ ملتی تھی۔ اخبارالاخیار کی تصنیف کے وقت نہایت حسرت سے اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہیں :۔

"اگرآں قدر ذوق وشوق در طلب مولیٰ و — اگر اس قدر ذوق وشوق کا اظہار ریاضت اور
ریاضت باطن می بود تا کار بجامی کشید"[۲] — طلب مولیٰ میں ہوتا تو میں کیا کیا حاصل کرلیتا !

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی رسا طبیعت پائی تھی جس علم کی طرف متوجہ ہوتے تھے اپنی محنت اور ذہانت سے اس میں کمال حاصل کرلیتے تھے۔ چنانچہ علم کلام اور فلسفہ میں بھی ایسا درک پیدا کرلیا کہ اُن کے اُستاد بھی اُن کے کمالات کی تعریف کرنے لگے۔ حد یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے ذہین شاگرد سے اس کا اعتراف کیا :

"ما ازتو مستفیدیم و مارا بر تو منتے نیست"[۳] — ہم تجھ سے مستفید ہیں ہمارا تجھ پر کوئی احسان نہیں۔

عبادت وریاضت کی ابتدا | اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے :

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد — فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے "پاکی عقل وخرد" کے ساتھ ساتھ "عفتِ قلب ونگاہ" کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔ بچپن سے اُن کو عبادت وریاضت میں دلچسپی تھی۔ اُن کے والد ماجد نے ہدایت کی تھی۔

"ملائے خشک ونا ہموار نباشی"[۴]!

---

[۱] اخبارالاخیار۔ ص ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ [۲] ایضاً۔ ص ۳۰۲ [۳] ایضاً۔ ص ۳۰۲
[۴] ایضاً۔ ص ۳۰۳۔

چنانچہ عمر بھر اُن کے ایک ہاتھ میں "جام شریعت" رہا۔ دوسرے میں سندانِ عشق۔ عشق الٰہی کی لگن تو اُن کا خاندانی ورثہ تھی شیخ سیف الدینؒ نے اُن میں عشق حقیقی کے وہ جذبات پھونک دیے تھے جو آخر عمر تک انکے قلب و جگر کو گرماتے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں اُن کا معمول تھا کہ وہ رات میں بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ کہتے ہیں۔

"و باوجود شوق و شغف تحصیل و تکرار علم در کثرت صلوٰۃ و اوراد و شب خیزی و مناجات هم دراں طفولیت ... بوجودمی آمد[1]	تحصیل علم میں اس قدر انہماک اور مشغولیت کے باوجود اس زمانۂ طفلی میں نماز، اوراد، شب خیزی اور مناجات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس زمانہ میں جس ذوق و شوق کے ساتھ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے، اس کے تصور سے پیرانہ سالی میں اُس کے کام و دہن لطف اندوز ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں:

ہنوز ذوق آں اسحار و اوقات در کام وقت پیدا است[2]

اس زمانہ میں شیخ محدثؒ کو علماء و مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے مستفید ہونے کا بڑا شوق تھا۔ اپنے مذہبی جذبات اور خلوص نیت کے باعث وہ ان بزرگوں کے لطف و کرم کا مرکز بن جاتے تھے۔ شیخ اسحاقؒ (المتوفی ۹۸۹ھ) سہروردیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے اور ملتان کو چھوڑ کر دہلی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ اکثر اوقات خاموش رہتے تھے۔ بہت کم کسی سے بات کرتے تھے لیکن جب شیخ محدثؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بے حد التفات و کرم فرمایا، اور

"بفقیر سخناں بسیار کردہ"[3]

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۳ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ ص ۲۷۸

باب پنجم (۵)

تکمیلِ علم کے بعد

بازگلبانگ پریشاں می زنم آتشے درعندلیباں می زنم

حملۂ گل بہرمن کردند من سربدیوار گلستاں می زنم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ نے تکمیل علم بہت کم عمر میں کرلی تھی اس کے بعد ۹۹۶ھ/۱۵۸۷ء تک (جب کہ وہ حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے) وہ کیا کرتے رہے؟ —— اس کا کچھ پتہ ان کی تصانیف سے نہیں چلتا۔ عبدالحمید لاہوری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد (یعنی حج بیت اللہ کو روانگی سے قبل) انہوں نے درس و تدریس کا کام شروع کردیا تھا —— لکھا ہے:

"چون سنین عمرش بعشرین رسید از پایۂ تحصیل بدرجۂ تدریس برآمد و چندے ہنگامۂ افادہ گرم داشتہ بپائے طلب بادیہ پیمائی سفر حجاز گردید"[۱]	جب ان کی عمر بیس سال کی ہوئی تو تکمیل علم کے بعد درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ اور کچھ دنوں یہ مشغلہ جاری رکھنے کے بعد عازم حجاز ہوئے۔

اخبار الاخیار میں اپنی تعلیم کا ذکر کرنے کے بعد ایک دم سے یہ کہنے لگتے ہیں:—

"چارہ گر بیچارگاں و راہ نمائے آوارگاں مرا بجانب خود طلبید و من بے خانماں را	بے بسوں کے مددگار اور پریشاں حال لوگوں کے راہ نمانے مجھے اپنی طرف بلالیا اور مجھ

---

[۱] بادشاہ نامہ۔ حصہ دوم: ص ۲۴۱۔۲۴۲۔
محمد صالح کنبوہ نے شاہ جہاں نامہ (جلد سوم ص ۳۸۳) میں بھی یہی لکھا ہے: "روزے بتدریس و تعلیم گزرانید" اس کے بعد "معنی توحید بر لوح دل بر نگاشتہ بہ عزم کعبہ بہ سفینہ نشست"

سلسلۂ شوق درگردن افگندہ بسوئے خانۂ خود کشیدو من نامراد را بمنزل مراد رسانید یعنی بدرگاہ حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم جائے داد۔

بے خانماں کی گردن میں زنجیر شوق ڈال کر اپنے گھر کی طرف کھینچ لیا اور مجھ نامراد کو منزل مراد تک پہنچا دیا یعنی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں مجھے جگہ دی۔[1]

زاد المتقین میں لکھتے ہیں :۔

"درسنہ ست وتسعین وتسع مأتہ جاذبہ از غیب دررسید ووحشت دردل پدید آمد۔ چارہ نماند جز دیوانگی کردن وزاد ہمت بخیال سفر بستن"

۹۹۶ھ میں جذبہ غیب سے پیدا ہو گیا اور دل پر وحشت طاری ہو گئی۔ دیوانگی کی حالت میں سفر کا ارادہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔[2]

آخر وہ ہندوستان میں اپنے آپ کو "بے خانماں" کیوں سمجھتے تھے؟ اور وہ "وحشت" جس کا ذکر اُنھوں نے زاد المتقین میں کیا ہے اُن کو ہندوستان میں کیوں محسوس ہونے لگی تھی؟ شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں پہنچ کر اُنھوں نے اس وحشت کا سبب اس طرح بیان کیا:

"یا سیدی! انا امرءٌ نشأت من زمان صغری فی الریاضۃ للتعلم والتعبد لم اعتد بصحبۃ الناس والاختلاط معہم والدخول فیہم ولما حصل لی بفضل اللہ طرف صالح من ذٰلک وقضیت وطری وحاجتی مما ھنالک دعانی بعض اھل الحقوق الی الخروج الی ارباب الدنیا فادرکت سلطان الوقت والامراء فاعتنوا بشأنی ورفعوا

یا سیدی! میں وہ شخص ہوں جو بچپن ہی سے تحصیل علم اور عبادت گزاری کی محنت اور ریاضت میں پلا ہے۔ میں کبھی عام لوگوں کی صحبت اور میل جول کو خاطر میں نہیں لایا۔ اور جب اللہ کے کرم سے مجھے (علم کا) اچھا خاصہ حصہ مل گیا، اور میں نے اپنی ضروریات یہاں کی چیزوں سے پوری کرلیں تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیادار لوگوں کی طرف بلایا۔ چنانچہ میں بادشاہ وقت اور امرا کے پاس گیا۔ اُنھوں نے میری طرف

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۳۰۴

[2] زاد المتقین (قلمی نسخہ)

مکانی وارادوان یکثروابی سوادھم	بہت توجہ کی، میرا رتبہ بلند کیا اور یہ ارادہ کیا
ویعکسوا و یعدوا بہذا الضعیف	کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ
صورھم ومواد ھم فحمانی اللہ	کمزور سے اپنی طاقت مضبوط کریں۔ پس اللہ
ولم یترکنی معھم واوجد فی قلب	نے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا۔ اپنے
عبدہ جذبتہ ھداھا الی ھذا المقام	بندہ کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے
الشریف"[1]	اس مقام شریف تک پہنچایا۔

اس سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محدثؒ کچھ عرصہ فتح پور سیکری میں بھی لے رہے تھے اور وہاں اکبر اور اس کے درباریوں نے اُن کی بڑی قدر بھی کی تھی لیکن جس شخص کی قسمت میں علوم اسلامی کی تجدید اور تقویت شرع لکھی ہوئی تھی وہ کس طرح اُس ماحول میں ٹھہر سکتا تھا جہاں شرع کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور بدعات کا ہنگامہ برپا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:۔

"چوں وضع زمانہ و زمانیاں کہ بہر محل و بر مکاں	جب اہل زمانہ کی وضع میں (جو اوقات میں محل
طبیعی مشتمل است دیگرگوں شد و براوضاع	اور مکروہات پر مشتمل ہے) فرق آیا اور ملنے والوں
آشنایاں اعتماد نماند صحبت فلانی و فلانی	کے حالات اعتماد کے قابل نہ رہے اور فلاں فلاں
راست نیامد و توفیق رفتن بہ کعبہ شریفہ رفیق	کی صحبت سازگار نہ ہوئی اور کعبہ شریف جانے
او شد از دہلی بہ طریق جذبہ بہ ہیچ چیز مقید نہ	کی توفیق رفیق حال ہوئی تو شیخ جذبہ کے عالم
شدہ بہ گجرات رفت"[2]	بے سروسامانی کے ساتھ دہلی سے گجرات کو روانہ ہوگئے

جس وقت شیخ محدثؒ نے ہندوستان کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا، اُس وقت یہاں کی

---

[1] المکاتیب والرسائل۔ ص ۷۹ [2] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۱۳۔
سر وولزلے ہیگ (Sir Wolseley Haig) کا خیال ہے کہ ملا عبدالقادر نے یہاں فیضی اور ابوالفضل کا نام لکھنے کے بجائے "صحبت فلانی و فلانی" لکھ دیا ہے۔ (انگریزی ترجمہ منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۶۸)

دینی فضا انتہائی مکدر تھی علماء سوء نے دربار اور دربار سے باہر جو افسوسناک حالات پیدا کر دیے تھے، ان میں کسی بزرگ کا یہاں ٹھہرنا، آسان نہ تھا "مدعیان علم و مشیخت" اور "زہد فروشان سجادہ طریقت" نے ہر طرف فتنہ و فساد پھیلا دیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس "عزم شکن" اور "ایمان آزما" دور کی تصویر پیش کرنے کے بعد بے اختیار پکار اٹھتے ہیں :۔

"ان تمام حالات کو سامنے لاکر غور کرو کہ اس عہد کی عالم آشوبی کا کیا حال تھا؟ کس طرح ہر طرف سکوت عن الحق کا سناٹا اور قبول باطل واطاعت ظلم وطغیان کی مردنی چھائی ہوئی تھی؟ اور جابروں کی ہیبت اور ظالموں کے جبروت نے کلمۂ حق کی گونج سے تمام فضلائے ہند کو خالی کر دیا تھا" [۱]

اسی زمانہ میں ایک بزرگ شیخ جمال الدینؒ ہندوستان کو چھوڑ کر حجاز چلے گئے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: "جب دیکھا کہ زمانہ کی حالت دگرگوں ہوگئی ہے اور وقت کی حکومت دنیا سازوں اور دنیا بازوں کے قبضہ میں چلی گئی ہے۔ حتٰی کے گوشہ نشینوں کے لیے بھی امن باقی نہ رہا، تو ترک وطن پر آمادہ ہوگئے۔ اور ہندوستان ہی کو چھوڑ دیا۔

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دست جنوں

کیوں ہے بیکار، گریباں تو مرا دور نہیں" [۲]

آئیے، اس زمانہ کے حالات پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیں۔

ربیع الثانی ۹۸۲ھ مطابق ۱۵۷۵ء کو اکبر نے عبادت خانہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ میاں عبداللہ نیازی سرہندی کے مسکن پر یہ عمارت تیار ہوئی۔ ملا شیری نے ایک نظم میں لکھا [۱]

دریں ایام دیدم جمع اموال فاروقی

عبادتہائے فرعونی، عمارتہائے شدادی

ابتداء میں صرف مسلمان علماء و اکابر کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی اور مذہب کے

---

[۱] تذکرہ۔ ص ۸۷ (پہلا اڈیشن)۔ [۲] ایضاً ص ۱۵۔

مختلف مسائل پر مباحث کی ابتدا ہوئی۔ ان مباحث سے اکبر کا مقصد تلاش حق تھا اور اس نے خلوص نیت کے ساتھ دینی معاملات پر معلومات حاصل کرنے کی غرض سے علماء کو مدعو کیا تھا لیکن علماء نے عبادت خانہ کو دنگل میں تبدیل کر دیا ۔ اور بقول حالی یہ حال ہو گیا کہ

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے　　کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اس کو بتلاتے　　کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے
ستون چشم بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خلق رسول امیں کے　　(حالی)

ایک جس فعل کو حرام کہتا، دوسرا کسی حیلہ سے اس کو حلال ثابت کر دیتا۔ اکبر اس ماحول سے گھبرا گیا۔ جن علماء کو وہ رازیؒ اور غزالیؒ کے مرتبے کا سمجھتا تھا، وہ اپنے کردار کے باعث ننگ دیں ثابت ہوئے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:

"علمائے عہد خویش را بہتر از غزالیؒ و رازی	اپنے زمانہ کے علماء کو رازیؒ اور غزالیؒ سے
تصور نمودہ بود ندار رکاکت ہائے ایشاں را دیدہ	بھی برتر خیال کرتا تھا۔ جب ان کے پھوہڑ
قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر	پن کو دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کو
شدند" [1]	قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا۔

عبادت خانے کے مباحث بند کر دیے گئے۔ اور ملا مبارک ناگوری نے ایک محضر نامہ تیار کر کر علماء وقت کے دستخط کرائے اور یہ اعلان کیا ـــــ

"مرتبۂ سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبۂ مجتہد است"

اس کے بعد اکبر کے دینی رجحانات میں نہایت تیزی کے ساتھ تبدیلی واقع ہونے لگی دربار میں ائمہ اسلام کی توہین کی جانے لگی۔ دکیش احمدیؐ کہہ کہہ کر اسلام کے ارکان دینی کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ پھر "دین الٰہی" کی تدوین کی گئی اور ایک نئے فتنہ کو مذہبی رنگ میں شروع

[1] منتخب التواریخ　　[2] آئین اکبری۔ باب زیر عنوان "می فرمودند"

کیا گیا۔ ان تمام احداث و بدعات کی تفصیل مناسب موقع پر پیش کی جائیگی۔

ابوالفضل اور فیضی نے اس دینی انتشار وابتری کی رہبری کی شیخ عبدالحقؒ کے فیضی سے ذاتی تعلقات تھے۔ دربار کے یہ حالات دیکھ کر ان کی طبیعت گھبرا اُٹھی۔ اگر زمانہ سازی پر ان کی طبیعت ذرا بھی راضی ہوجاتی تو دولت وثروت اور عزت وحشمت ان کے قدم چومتی لیکن اُن کا مذہبی شعور بیدار رہتا اور وہ کسی قیمت پر اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کے لیے تیار نہ تھے۔ اکبر کا سیاسی اقتدار اس منزل پر پہنچ چکا تھا جہاں مخالف تحریکوں کا نشوونما پانا ناممکن تھا۔ ان حالات میں ترک وطن کے علاوہ کوئی چارہ کار سمجھ میں نہ آیا۔ اور انہوں نے غیرت دینی سے مجبور ہو کر حجاز کی راہ لی۔

باب ششم (۶)

شیخ محدثؒ حجاز کی طرف

سنہ ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷ء میں جب کہ شیخ محدثؒ کی عمر اڑتیس سال کی تھی وہ حجاز کی طرف روانہ ہوگئے۔ محمد غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ شیخ سنہ ۹۹۵ھ کے شروع میں مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچ گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گزر چکا ہے۔ چنانچہ آپ سال بھر وہیں رہے۔ اور سنہ ۹۹۶ھ میں حجاز کو روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں مرزا عزیز کوکہ[1] مالوہ کے حاکم تھے شیخ نے اُن کے پاس بھی قیام فرمایا تھا۔[2] وہاں سے وہ مانڈو تشریف لے گئے تھے۔ مانڈو میں گلزار ابرار کے مصنف نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر "بہت کچھ فیروزی اور فرخندگی کے فوائد حاصل کیے تھے"۔[3] مانڈو سے روانہ ہوکر شیخ محدثؒ احمد آباد پہنچے۔ وہاں اُن دنوں مرزا نظام الدین احمدؒ مصنف طبقات اکبری صوبے کے بخشی تھے انہوں نے نہایت گرم جوشی سے شیخ کا استقبال کیا اور "بے حد التماس کرکے آئندہ موسم تک ٹھہرایا"۔[4]

---

[1] مرزا کوکہ۔ خان اعظم لقب تھا۔ انکہ خاں کا لڑکا اور اکبر کا رضاعی بھائی تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کے متعلق لکھا ہے :۔

"بحسن اخلاق و بانواع فضائل و ہنر موصوف بود" (ج ۲ ص ۲۸۰-۲۸۱)

اکبر جب اس سے ناراض ہوتا تو کہا کرتا تھا کہ میرے اور عزیز کے درمیان دودھ کی ایک نہر بہتی ہے اس لیے مجبور ہوں۔ جہانگیر نے اس کے سب علمی فضائل کو مختصراً بیان کیا ہے :

"در علم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت۔ و در تاریخ و تقریر بے نظیر بود و در مدعا نویسی ید طولیٰ داشت و در لطیفہ گوئی بے مثل بود و در شعر ہموار می گفت"

[2] گلزار ابرار۔ ص ۵۹۹ [3] ایضاً [4] ایضاً

احمد آباد میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شیخ وجیہ الدین علویؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں :۔

"محرر سطور در وقتیکہ بہ قصد زیارت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم باحمد آباد گجرات رسید از متاخرین مشائخ آں دیار کہ شیخ وجیہ الدینؒ جامع کمالات و برکات و سن و معمر و مرتاض مشغول بتدریس علوم و تصنیف کتب و ترتیب و ارشاد طالبان بود۔ بملاقات وے مستعد شد۔ و بہ بعضے اذکار و اشغال بسلسلۂ عالیہ قادریہ مشرف گردید"

محرر سطور جب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادہ سے احمد آباد گجرات پہنچا تو اس وقت وہاں مشائخ متاخرین میں شیخ وجیہ الدین جو جامع کمالات و برکات سن رسیدہ بزرگ تھے درس تدریس میں مشغول تھے کتابوں کی تصنیف و ترتیب اور ارشاد طالبان میں ان کا انہماک تھا۔ ان کی ملاقات کی سعادت حاصل کی اور سلسلۂ عالیہ قادریہ کے کچھ اذکار و اشغال ان سے حاصل کیے۔

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ

شیخ وجیہ الدین علویؒ اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ علوم دینی میں بے پناہ تبحر رکھتے تھے۔ تقریباً ساٹھ سال تک احمد آباد میں انہوں نے درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا تھا۔ ان کی زندگی ہی میں احمد آباد سے لاہور تک ان کے شاگرد پھیل گئے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے :۔

"دائم بدرس علوم دینی اشتغال داشت و قدرت او در جمیع علوم عقلی و نقلی بمرتبہ بود کہ کم کتاب درسی از صرف ہوائی تا قانون و شفا و شرح مفتاح و عضدی باشد کہ او شرح یا حاشیہ براں ننوشتہ و خلائق را پیوستہ از انفاس متبرکہ او فیض می رسید"

وہ ہمیشہ علوم دینی کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ تمام علوم عقلی و نقلی پر ان کا عبور اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ صرف ہوائی سے قانون و شفا شرح مفتاح اور عضدی تک شاید ہی کوئی کوئی ایسی کتاب ہو جس پر شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو لوگ ہمیشہ ان کی ذات بابرکات سے فیض حاصل

صفحہ ٥٠)

شیخ وجیہ الدینؒ ۲۲ محرم ۹۱۰ھ کو بمقام چانپانیر پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا سید شمس الدینؒ سے حاصل کی۔ پھر اپنے ماموں سید ابوالقاسمؒ سے حدیث پڑھی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں علامہ محمد بن محمدؒ سے حدیث کا اختتام فرمایا۔ آخر میں حضرت ابوالبرکات بنبانی عباسیؒ کو حدیثیں سنائیں۔ علوم عقلیہ مولانا عماد الدین طارمی شاگرد رشید مولانا جلال الدین دوانی اور ابوالفضل مظہر الدین محمد گازرونی سے حاصل کیے

شیخ وجیہ الدین نے چشتیہ اور مغربیہ سلسلہ کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی۔ پھر حضرت شاہ قاضن چشتیؒ کی صحبت میں رہے اُن کے بعد میاں بدرالدین ابوالقاسم سہروردیؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب جذبہ شوق کا غلبہ ہوتا تو سید کبیر الدین مجذوبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور درد دل کی شکایت بتا کر علاج کی درخواست کرتے۔ آخر میں سید محمد غوث گوالیاری شطاریؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو گئے۔ مرید ہونے کا قصہ بھی عجیب تھا۔ شیخ گوالیاریؒ کے خلاف شیخ علی متقیؒ نے (جو شیخ عبدالحق محدثؒ کے استاد شیخ عبدالوہاب کے استاد تھے) کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اُن کی تصانیف میں بعض باتیں قابل اعتراض تھیں۔ سلطان محمود گجراتی نے یہ فتویٰ شیخ وجیہ الدین کے پاس استصواب رائے کے لیے بھیجا۔ شیخ وجیہ الدینؒ نے جب سید محمد غوث گوالیاریؒ کو دیکھا تو اس قدر شیفتہ ہوئے کہ استفسار کو پارہ پارہ کر دیا، اور شیخ گوالیاریؒ کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ شیخ علی متقی کو اس کی اطلاع ہوئی تو شیخ وجیہ الدین کے پاس آ کر اپنے کپڑوں کو تار تار کر ڈالا اور پوچھا:

چرا شیوع بدعت و وقوع رخنہ در دین راضی می شوید۔	بدعت کی اشاعت اور دین میں رخنہ پیدا کرنے میں تم کس طرح راضی ہو گئے۔

شیخ وجیہ الدینؒ نے جن کا قلب و جگر پہلے ہی شیخ گوالیاری کے دام الفت میں پھنس چکا تھا، جواب دیا

---

[1] منتخب التواریخ۔ ملا نے ان کا نام اس تعظیم سے لیا ہے: "قدوۃ العلماء الراسخین والمتبحرین صاحب التصانیف الشائقہ العالم باللہ شیخ وجیہ الدین ......" جلد دوم۔ ص ۴۰۳۔

"ما ارباب قالیم و شیخ اہل حال، فہم ما بہ کمالات او نمی رسد، و بظاہر شریعت ہیچ اعتراض قادح بر و متوجہ نمی گردد۔[1]	ہم ارباب قال ہیں، شیخ اہل حال ہیں ہمارا فہم ان کے کمالات تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور بظاہر شریعت کا کوئی اعتراض اُن پر عاید نہیں ہوتا۔

کسی نے سچ کہا ہے ؎

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ، دلبرا خطا اینجاست!

جہانگیر نے لکھا ہے کہ شیخ وجیہ الدین شیخ گوالیاری کے خلیفہ ضرور تھے، مگر ایسے خلیفہ تھے کہ مرشد کو بھی اُن پر فخر تھا۔ "مرشد بخلافت او مباہات کند"[2]

شیخ وجیہ الدین کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ اُن کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور پر مشہور ہیں۔

۱۔ حاشیہ علی تفسیر البیضاوی[3] ۲۔ حاشیہ علی التلویح[4]
۳۔ حاشیہ علی المواقف[5] ۴۔ شرح شرح نخبۃ الفکر[6]
۵۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ[7] ۶۔ حاشیہ علی شرح الجامی[8]

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۴۳ [2] تزک جہانگیری (سرسید ایڈیشن) ص ۲۱۱
تزک جہانگیری کے انگریز مترجم روجرس (Rogers) نے اس جملہ کا ترجمہ بڑا دلچسپ کیا ہے۔ لکھا ہے:۔
"but a successor against whom the teacher disputed
Vol I p420
بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی!

[3] کتب خانہ آصفیہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے (جلد ۳ ص ۱۲۱) جو قدیم ترین ہے اور خاص مصنف کے نسخے سے منقول ہے۔ ایک نسخہ جس کی کتابت کا سنہ ۱۰۰۸ھ ہے حبیب گنج (علی گڑھ) کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

[4] قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں ہے (۱۲) [5] متولی درگاہ شیخ وجیہ الدینؒ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ [6] قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے (۲۰)

[7] قلمی نسخہ رام پور میں موجود ہے۔ (۱۸۶)

[8] رام پور، آصفیہ، ندوۃ العلماء کے کتب خانوں میں قلمی نسخے موجود ہیں۔

(۷) شرح ارشاد النحو [1]
(۸) شرح جام جہاں نما [1]
(۹) رسالہ السکزیہ [2]
(۱۰) حاشیہ علی المختصر للمعانی [2]
(۱۱) حاشیہ علی العضدی [3]
(۱۲) شرح البسیط العلوی۔
(۱۳) رسالہ ترتیب ارکان الصلوٰۃ
(۱۴) وافیہ شرح کافیہ
(۱۵) رسالہ قوشجی فی الہیئت
(۱۶) حواشی علی المنہل
(۱۷) شرح شواہد المنہل [2]

شیخ محدثؒ دہلی سے بلا کسی زادراہ کے احمد آباد پہنچے تھے۔ احمد آباد میں مرزا نظام الدین بخشی نے جو ان کے دیرینہ دوست تھے اُن کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ جب حجاز کو روانہ ہونے کا وقت آیا تو زادِ راہ فراہم کی اور جہاز کا بندوبست کیا۔ ملا عبد القادر کا بیان ہے:

"از دہلی بطریق جذبہ بہیچ چیز مقید نشدہ بگجرات رفت و بحسن سعی میرزا نظام الدین احمد کی مددگاری او در جہاز نشستہ بسفر حجاز رفت"
دہلی سے ایک جذبہ کی حالت میں، بلا سامان سفر کے گجرات پہنچ گئے اور میرزا نظام الدین احمد کی مدد سے جہاز میں بیٹھ کر حجاز کو روانہ ہو گئے۔

رسالہ صلوٰۃ الاسرار میں شیخ محدثؒ نے لکھا ہے کہ اُن کا شریک سفر ایک قادری درویش

---

[1] رام پور میں قلمی نسخہ موجود ہے۔ [2] نمبرہ تا ۱۱ متولی درگاہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں (ملاحظہ ہو معارف اپریل ۱۹۳۳ء)
[3] نمبر ۱۲ تا ۱۵ یہ کتابیں شیخ کے متوسلین سلسلہ کے پاس موجود ہیں بعض خود متولی درگاہ کے پاس ہیں بشرح کافیہ بقول مولانا عبد العزیز میمن کسی زمانہ میں چھپ بھی چکی تھی (معارف اپریل ۱۹۳۳ء)

شیخ کی جن کتابوں کا سراغ نہیں ملتا وہ یہ ہیں:
(۱) حاشیہ علی اصول البزدوی
(۲) حاشیہ علی الشرح العضدی علی المختصر ابن حاجب۔
(۳) الحاشیہ علی التجوید
(۴) الحاشیہ علی شرح العقائد للتفتازانی۔
(۵) الحاشیہ علی الحاشیۃ القدیمہ
(۶) حاشیہ علی المطول
(۷) حاشیہ علی مختصر المعانی

نیز ملاحظہ ہو The Contribution of India to Arabic Literature. By Dr Zubaid Ahmad.

[4] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۱۳

تھا۔ صبح کو جب جہاز کا لنگر اُٹھایا جاتا تھا یہ درویش جہاز کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کا نام زور زور سے لیا کرتا تھا۔ شیخ کو اس کی آواز بہت بھلی معلوم ہوتی تھی شیخ محدثؒ ماہِ رمضان سے کافی عرصہ قبل مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ رمضان سنہ ۹۹۶ھ تک انہوں نے مکہ معظمہ کے محدثین سے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لے لیا۔ پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

باب ہفتم (۷)

مولانا عبدالوہاب متقیؒ کے قدموں میں

شیخ عبدالحق دہلویؒ ۹۹۶ھ (۱۵۸۷-۸۸ء) میں حجاز پہنچے تھے۔ ۹۹۹ھ (۱۵۹۰ء) تک ان کا وہاں قیام رہا۔ یہ تقریباً تمام وقت شیخ عبدالوہاب ہی کی خدمت میں گزرا۔ ان کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ شیخ نے علم کی تکمیل کرائی اور احسان و سلوک کی راہوں سے آشنا کیا ——— تکمیلِ علم کے بعد ذخیرِ عالم کو ایک سخت منزل پیش آتی ہے۔ اُسے کسی ایسے رہبر کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے علمی ذخیرے کو تعمیری کاموں میں لگا دے۔ دل و دماغ پر علم کا ایک بوجھ ہوتا ہے، اور وہ اُس وقت تک ہلکا نہیں ہوتا جب تک اُس کے استعمال کے لیے صحیح راہیں متعین نہ ہو جائیں۔ اس منزل پر ذرا سی لغزش عمر بھر کے ریاض کو بیکار کر دیتی ہے ——— شیخ عبدالحقؒ خوش قسمت تھے کہ ان کو ایسا رہبر کامل مل گیا جس نے ان کے علم اور علمی صلاحیتوں کو صحیح راہ پر لگا دیا۔

شیخ عبدالوہاب متقیؒ

شیخ عبدالوہاب متقیؒ ہندوستان کے اُن عدیم المثال علمارِ حدیث میں سے تھے جنہوں نے مکہ معظمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اور اپنے علمی تبحر کا سکہ حجاز، یمن، مصر اور شام سے منوایا تھا۔ شیخ محدثؒ کا بیان ہے:

اہل حرمین و مشائخ یمن باسرہم حاضراً و غائباً	تمام اہل حرمین اور کل مشائخ یمن حاضراً و غائبانہ اور
و از مشائخ مصر و شام ہر کہ ایشاں را دریافتہ است	مشائخ مصر و شام سے جس نے حضرت کو دیکھا ہو ان کا
معتقد اند بر ولایت و علو شان ایشاں [۱]	معتقد ہو اور ان کی ولایت اور علو شان کا قائل ہو

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۳۔

شیخ عبدالوہاب متقی مندو[1] میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد شیخ ولی اللہ وہاں کے اعیان واکابر میں شمار کیے جاتے تھے۔ کچھ واقعات ایسے پیش آئے کہ شیخ ولی اللہ کو وطن چھوڑ کر برہان پور جانا پڑا۔ اس سفر میں ان کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ خود ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا تھا:

"یک بارے در صغر سن ہمراہ والد خود بتقریب بعضے حوادث کہ در دیار مندو حدوث یافتہ بود در بیابا نہا افتادہ وراہ گم کردہ بودیم، و ہیچ چیز از جنس طعام وشراب ہمراہ ما نہ گرسنگی بر ما غلبہ کردہ، چنانچہ عادت اطفال باشد در گریہ آمدیم، والد دلداری می داد و می گفت کہ صبر کن طعام در پیش است"[2]	مندو میں کچھ حوادث پیش آجانے کی وجہ سے ایک دفعہ بچپن میں والد کے ساتھ جنگلوں میں چلا گیا۔ اور ہم راستہ بھول گئے۔ کھانے پینے کو کچھ پاس نہ تھا۔ بھوک کا غلبہ ہوا جیسے کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے میں نے رونا شروع کر دیا۔ والد نے چمکارا اور فرمایا کہ صبر کر۔ کھانا آگے ہے۔

شیخ عبدالوہاب ابھی کمسن ہی تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس سانحہ کا دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ وطن کو خیرباد کہہ کر خانہ بدوشی اختیار کر لی۔ گجرات، دکن، لنکا، سراندیپ وغیرہ میں عرصہ تک سرگرم سیاحت رہے۔ عموماً کسی مقام پر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتے تھے لیکن جب کوئی قبلۂ علم یا خضر طریقت مل جاتا تو اس کے آستانہ پر کچھ دنوں زیادہ قیام کر لیتے۔ لکھا ہے:

"در اکثر اوقات قرار دادہ بہاں بود کہ زیادت از سہ روز در ہیچ مقامے اقامت نہ کنند مگر در بعضے شہرہا کہ بجہت تحصیل علم وسعرب صحبت مشائخ وصلحا بمقدار استیفا غرض و	معمول تو یہ تھا کہ تین دن سے زیادہ کہیں قیام نہ فرماتے تھے لیکن بعض شہروں میں تحصیل علم کی غرض سے یا مشائخ وصلحا کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کی نیت سے بقدر ضرورت

[1] مندو، مالوہ کی قدیم حکومت کا صدر مقام تھا۔ مندو کے تاریخی حالات اور جغرافیائی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اقبال نامہ جہانگیری۔ ص ۹۷-۹۹۔ منتخب اللباب۔ ج ۱۔ ص ۲۸۹-۲۹۰۔ تاریخ فرشتہ ج ۲۔ ص ۲۶۸-۳۴۴۔ Yazdani pp 181-186

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۸

انقراض حاجت اختیار اقامت ضرورت می اُفتاد" قیام بڑھا دیتے تھے۔

اس زمانے میں انہوں نے جس طرح اپنے دن گزارے اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو انہوں نے شیخ عبدالحق ؒ کو مکہ معظمہ میں سُنایا تھا:

"چندگاہ قوت ما آں بود کہ پارۂ میرفت و	کتنی ہی بار ہمارا کھانا اس طرح ہوتا ہے کہ
استخوانہائے ناکارآمدی کہ قصاباں می برآمند	کوئی ساتھی چلا جاتا اور قصائیوں کی دکان
می آورد و پارہ از کاہ گندم کہ درمیان کشت زارہا	کے آگے سے بیکار ہڈیاں اُٹھا لاتا۔ اور گیہوں
افتادہ بودمی آورد و آں استخوانہا را می کوفتہ	کی بالی جو کھیتوں میں گرے پڑے رہتے تھے
وآں کاہ را شستہ وپاکیزہ می کردند و درمیاں	چن لاتا۔ ان ہڈیوں کو کوٹ کر اور اس گھاس کو
دیگ کردہ درآب می جوشانیدند و ہر کدام	پاک صاف کر کر پکا لا جاتا۔ اور پھر ایک ایک
کاسہ ازاں صاف کردہ می خوردند، بعد از	پیالہ کر کے پی لیتے تھے۔ آخر اہلِ شہر کو اس کی
چند روز مردم شہر آگاہ می شدند و طعامہا	خبر ہو جاتی اور وہ کھانے لانے لگتے تو ہم اس
می آوردند و دیگر ازاں جا انتقال می کردیم و	جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ چلے جاتے۔
جائے دیگر می رفتیم"[1]	

اسی طرح سیاحت کرتے کرتے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ یہ جمادی الاول ۹۶۳ھ/۱۵۵۵ء کا واقعہ ہے۔ اُس وقت ان کی عمر بیس سال سے کم ہی تھی۔ مکہ معظمہ میں اس وقت شیخ علی متقی ؒ[3] مسند درس پر متمکن تھے۔ دور دور اُن کی شہرت تھی۔ وہ شیخ عبدالوہاب کے والد سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر اُن ہی کے ہو رہے ؂

اے روئے تو راحتِ دلِ من
چشمِ تو چراغِ منزلِ من

---

[1] اخبارالاخیار۔ ص ۲۶۱ [2] ایضاً۔ ص ۲۷۰
[3] شیخ علی متقی ؒ کا تفصیلی حال ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

شیخ عبدالوہاب کا خط بہت صاف اور پاکیزہ تھا شیخ علی متقیؒ نے سب سے پہلے اُن سے یہی کام کیا۔ جو شخص مدتوں صحرا نوردی کرتا رہا تھا اُس کی طبیعت میں یکسوئی پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہوسکتا تھا۔ شیخ عبدالوہابؒ نے بھی یہ کام دل و جان سے انجام دیا۔ شیخ علی متقیؒ کی ایک کتاب بارہ ہزار سطروں کی تھی۔ انہوں نے بارہ راتوں میں اس کی کتابت مکمل کر دی تعجب خیز بات یہ تھی کہ دن بھر دوسری کتابوں کی تصحیح و کتابت میں مشغولیت رہتی تھی۔ صرف رات کو شیخ علی متقی کی اس کتاب کی کتابت کا موقع ملتا تھا۔ شیخ علی متقیؒ نے جب ان کا یہ ذوق و شوق، محنت اور جذبہ دیکھا تو ان کو اپنے اس نووارد شاگرد سے بہت خصوصیت پیدا ہوگئی شیخ عبدالوہابؒ نے بھی اُن کے آستانے کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ ۹۷۵ھ تک (جب شیخ علی متقیؒ کا انتقال ہوا) وہیں جمے رہے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ میں ایسا مرکز علم قائم کیا جس کی شہرت دور دور پھیل گئی۔ شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں :

دریں زمان بدانش ایشاں در علوم شرعیہ کمتر کسے خواہد بود، قاموس لغت مبالغہ می توان گفت کہ گویا ہمہ یاد داشت، و فقہ و حدیث نیز ہمیں حکم دارد و معادی علوم عربیت نیز زیادہ از قدر کفایت است۔ سالہا در حرم شریف درس این علوم گفتہ بودند" [1]	اس زمانے میں ان کے برابر علوم شرعیہ پر عبور رکھنے والے کم ہونگے۔ وہ ایک زندہ قاموس تھے، سب کچھ انہیں یاد تھا۔ فقہ و حدیث کا بھی یہی حال تھا اور صرف و نحو و ادب وغیرہ بھی کفایت سے زیادہ جانتے ہیں۔ برسوں تک حرم شریف میں ان علوم کا درس دیا تھا۔

شیخ عبدالوہابؒ عمر کے بیشتر حصہ میں مجرد ہی رہے۔ جب عمر چالیس اور پچاس کے درمیان تھی تو شادی کی۔ شادی سے پہلے ان کا یہ حال تھا کہ جو کچھ فتوح یا کتابت کی اُجرت آتی تھی سب فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے۔ شادی کے بعد اہل و عیال کے حقوق کو مقدم سمجھنے لگے تھے لیکن پھر بھی یہ حال تھا کہ کسی محتاج کی مدد سے گریز نہ کرتے تھے۔ ہندوستان کے فقراء اُن کی خدمت

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۵۔

میں حاضر ہوتے تھے اور وہ کھانے اور کپڑے سے اُن کی مدد کرتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے ارشادات اور شیخ محدثؒ پر اُن کا اثر

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اپنے استاد محترم شیخ عبدالوہاب متقی کے بعض اقوال و ارشادات نقل کیے ہیں اُن کو سامنے رکھ کر جب شیخ عبدالحق کی پوری زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اُنھوں نے کس طرح اپنے اُستاد اور مرشد کی تعلیمات کو نہ صرف اپنے اندر جذب کرلیا تھا بلکہ اس کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے تھے۔

(۱) اختلافی مسائل میں ان کی روش نہایت ہی سلامت روی کی تھی۔ لایعنی بحث و مباحث سے نفرت کرتے تھے۔ مسئلہ وحدت وجود کے متعلق ان کا رویہ یہ تھا۔

در باب کتب حقائق و توحید مثل فصوص و امثال آں توقف و تسلیم است۔ ایں ہارا درس نگویند، و بداں اشتغال نکنند و انکار ہم نکنند و بد نگویند و چنانچہ عادت فقہاست بطعن و تشنیع پیش نیایند" [۱]	کتب حقائق و توحید مثلاً فصوص الحکم وغیرہ کے سلسلہ میں اُن کا رویہ توقف و تسلیم کا ہے ان کتابوں کا درس نہیں دیتے اور نہ ان میں اشتغال رکھتے ہیں، نہ ان کا انکار کرتے ہیں نہ ان کو بُرا کہتے ہیں۔ ان کی عادت فقہا کی سی نہیں ہے جو ان کتابوں کی طعن و تشنیع کرتے ہیں

(۲) مذہبی انتشار کے زمانہ میں عقائد کا صحیح رکھنا بڑا دشوار کام ہے۔ جب متضاد نظریات و افکار ٹکراتے ہیں تو شبہات کا پیدا ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ شیخ عبدالوہابؒ کی ہدایت تھی کہ ان حالات میں یہ رویہ اختیار کیا جائے۔

"اول باید کہ اعتقاد خود را ظاہراً و باطناً بہ اعتقاد اہل سنت و جماعت راست سازند و راسخ گردانند و بعد از رسوخ ایں عقیدہ از ہر چہ ایشاں گفتہ اند	اول یہ چاہیے کہ اپنا عقیدہ ظاہراً و باطناً اہل سنت کے اعتقاد کے موافق درست اور راسخ کرے پھر عقیدہ مضبوط ہونے کے بعد یہ کرے کہ جو کچھ

[۱] اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۳۔

وزفتہ اند نیز محروم نمانند کتب ایشاں راکہ در
حقائق واسرار نوشتہ اند نیز مطالعہ بکنند وانچہ
مشکل شود ازاں بگذرند و درنمانند و خلجان را
بخود راہ ندہند، نہ آنکہ اعتقاد را ابتدا از ہمیں
کتب راست کنند واز ہر کس ہر چہ بشنوند تابع
شوند.... ہر چہ بشنوند اگرچہ سخن باطل باشد
زود با نکار و تعصب پیش نیایند۔ اول خود
بشنوند کہ چہ می گوید و بفہم سخن نیک در روند
کہ قائل ازیں چہ مقصود دارد۔ بعد ازاں اگر
توانند آں را موافق حق سازند و گرنہ رد کنند
واگر ایں را نہ توانند از سر آں بگذرند و خلل
در عقیدہ خود نیفد ازند" [1]

انھوں نے (صوفیۂ موحدین) نے لکھا ہے اُس سے
محروم نہ رہے۔ انھوں نے اسرار و معارف میں
جو کتابیں لکھی ہیں ان کا مطالعہ کرلے۔ جو سمجھ میں
نہ آئے اُس کو چھوڑ دے۔ اپنی طبیعت میں خلجان
نہ پیدا کرے۔ یہ اچھا نہیں کہ ابتدا ہی ان کتابوں
سے عقیدہ درست کرنے لگے اور جس کسی سے
جو سُن لے اُس کا پیرو ہو جائے.... جو کچھ کسی
سے سُنے اگرچہ وہ باطل ہی ہو مگر جلدی سے انکار نہ
کرے۔ اوّل سُن لے پھر سوچے کہ کہنے والے کا مطلب
سمجھ میں آگیا یا نہیں۔ پھر اگر اسے حق سمجھے تو قبول
کرلے ورنہ رد کردے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کو
چھوڑ کر آگے بڑھ جائے اور اپنے عقیدہ میں خلل نہ ڈالے

(۳) ایک ایسے دور میں جبکہ علماء نے تکفیر و تذلیل کو اہم ترین فرض سمجھ رکھا تھا، شیخ عبدالوہاب متقی کا خیال تھا ـــــ

ہر کرا کہ بینند کہ بکلمۂ اسلام اقرار می کند اند ے
اگر امثال ایں کلمات چیزے صادر شود معذور
دارند و تکفیر و تشنیع نکنند و نسبت بالحاد نکنند [2]

جس کو دیکھو کہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس پر یقین رکھتا
ہے، تو اگر اس سے ایسے کلمات صادر ہوں تو اس
کو معذور رکھو۔ اور اس کی تکفیر و تشنیع نہ کرو۔ اور
اس کو ملحد نہ بتاؤ۔

(۴) سماع کے متعلق جو اس زمانہ کا نہایت ہی اختلافی مسئلہ تھا، شیخ عبدالوہاب متقی کا رویہ یہ تھا ـــــ

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۶۳-۲۶۴ [2] اخبار الاخیار - ص ۲۶۴

"بہ تعیل آں راضی نیستند و بر فعل مشائخ منکرند" [1] نہ مریدین کے کام کرنے سے راضی ہیں اور نہ مشائخ کے فعل کے منکر۔

(۵) علم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ـــــ

"علم بمنزلہ غذا است کہ ہمیشہ احتیاج بآں باقی است" [2] علم، غذا کی مانند ہے، جس کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

(۶) ایک مرتبہ کسی نے شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں عرض کیا کہ مشائخ فرماتے ہیں کہ طالب کو ہمیشہ ذاکر رہنا چاہیے۔ فرمایا جو کوئی کار خیر ہے حقیقت میں وہ ذکر ہی میں ہے۔ نماز پڑھنا ذکر ہے۔ قرآن مجید پڑھنا ذکر ہے۔ علم دین کا درس دینا ذکر ہے۔ اور جو عمل خیر ہے وہ ذکر ہی ہے ـــ ـــ ذکر کا یہ جامع اور ہمہ گیر مفہوم، تصوف کی اعلیٰ ترین تعلیمات کی ترجمانی کرتا ہے۔

شیخ عبدالوہاب متقی کی اس تعلیم نے شیخ عبدالحق کے دل اور دماغ دونوں کو متاثر کیا۔ اور وہ آخر دم تک اس پر عامل رہے۔ زمانہ نے کیا کیا رخ بدلے اور حالات نے کیسی کیسی کروٹیں لیں لیکن اُن کے پائے ثبات میں کبھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

شیخ عبدالحق کی تعلیم و تربیت شیخ متقی کی نگرانی میں

رمضان ۹۹۶ھ میں شیخ عبدالحق دہلوی، شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور مشکوٰۃ کا سبق لینا شروع کیا۔ رمضان کے آخری دس دنوں میں اُن کے ساتھ معتکف رہے۔ مناسک حج اُنہی کے ساتھ ادا کیے۔ عرفات اور مزدلفہ میں اُن کی صحبت سے فوائد حاصل کیے۔ پھر درس میں مشغول ہو گئے۔ ۲۳ ربیع الثانی ۹۹۶ھ کو شیخ عبدالوہاب کی اجازت سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے۔ اور آخر رجب ۹۹۶ھ تک یہیں مقیم رہے۔ پھر مکہ معظمہ آ کر شیخ عبدالوہاب سے مشکوٰۃ کا درس پورا کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو شیخ نے فرمایا:

"الحمد للہ نسبتے باین علم شریف بوجہ اتم حاصل شد" الحمد للہ اس علم پر پورا عبور حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۴۔ [2] ایضاً ص ۲۶۵۔

شدہ است. و ایں مقدار شدہ است کہ	اس قدر ہو گیا ہے کہ اس علم کی خدمت کا حق ادا
از عہدہ خدمت ایں علم توانید برآمد. اکنوں	کیا جا سکتا ہے۔ اب چند دن دوسرے کام میں
چند روز بکار دیگر ہم پردازید۔ و اندکے لذت	مصروف ہونا چاہیے اور خلوت و ذکر اللہ کی
خلوت و ذکر اللہ نیز دریابید" [۱]	کچھ لذت بھی چکھنی چاہیے۔

اور اُن کو آداب، اوضاع ذکر، تقلیل طعام وغیرہ کی تعلیم دی اور تصوف کی کچھ کتابیں پڑھائیں ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

دراں ہنگام کہ شیخ اجل اعز اکرم، اوحد	جس زمانہ میں حضرت شیخ عبد الوہاب متقی قادری
اعدل عبد الوہاب متقی قادری شاذلی	شاذلی، اس مسکین کو تلقین ذکر فرما رہے تھے، اور اس
ایں مسکین را تلقین ذکر نمود و اجازت داد و	کے آداب بتا کر اجازت دی تھی، ایک کتاب میرے
آداب آں آموخت کتابے بدست من داد	ہاتھ میں دی تھی۔ اس کا نام منہج السالک الی اشرف
مسمیٰ بہ منہج السالک الی اشرف المسالک [۲]	المسالک تھا۔ وہ کتاب عربی میں تھی۔ اس لیے میں
و چوں عبارت آں کتاب عربی بود برے	نے اس کا (فارسی میں) ترجمہ کر دیا۔
طالبان ترجمہ کردم" (المکاتیب الرسائل)	

ایک اور کتاب جس کی تعلیم خاص طور پر دی تھی وہ قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ تھی کتاب کے عنوان ہی سے شیخ متقی کے مقصدِ تعلیم کا پتہ چلتا ہے۔

پھر حرم شریف کے ایک حجرے میں جو باب جیاد کے مقابل اور حجر اسود اور رکن یمانی کے مابین واقع تھا، ریاضت کے لیے بٹھا دیا۔ شیخ عبد الوہاب متقی نے اس زمانہ میں ان کی طرف خاص توجہ کی۔ اُن کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو حرم شریف میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب یہاں آتے تو شیخ عبد الحق سے بھی ملتے اور ان کی عبادت و ریاضت کی نگرانی فرماتے۔ شیخ محدث زاد المتقین میں لکھتے ہیں :-

---

[۱] زاد المتقین (قلمی) [۲] شاہ کلیم اللہ دہلوی نے کشکول کلیمی (ص ۱۲-۱۱) میں اسکا طویل اقتباس دیا ہے۔

"فقیر را نیز دراں خلوت مشرف می ساختند و پرسش احوال می کردند و می فرمودند کہ الحمد للہ شد ظہور احوال موافق مقصود است"

فقیر کے پاس اس خلوت میں تشریف لاتے تھے۔ پرسش احوال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ الحمد للہ ظہور احوال مقصد کے مطابق ہے۔

جب اس خلوت کدہ سے باہر آنے کی اجازت ملی تو شیخ محدث نے صحیح مسلم کی قرأت کی اجازت چاہی۔ جب اُس سے بھی فارغ ہو گئے تو حکم ہوا۔

اکنوں عزیمت ہندوستان بکنید

اب ہندوستان کا ارادہ کرو۔

شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے اپنے علم حدیث کا وہ بیش بہا حصہ عنایت فرمایا جس کی شہرت سے مصر و عرب کے علمی حلقے گونج رہے تھے۔ شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں۔

تمام کتب احادیث و سائر علوم دینیہ از علمائے آں عالی مقام علیہم رحمۃ اللہ الملک العلام خصوصاً از حضرت شیخ اجل و اکرم اوحد اعمل عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ روحہ و اوصل الینا فیوضہ و فتوحہ تلقین ذکر و ایشاں خلوت و برکت مشرف و فائز شد و نعمتہا و بشارتہا از خدمت ایشاں در حصول انوار و آثار نتائج و ثمرت برکت و التزام مقام صدق و استقامت در نشر علوم دینی و حصول مواہب یقینی مشرف و مبشر گشتہ برجوع و عود بوطن مالوف مامور و مکلف شد"[1]

تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ حجاز کے علمائے کرام سے حاصل کیے۔ خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ روحہ سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور اُن کی خدمت سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں اور حصول انوار و برکات و ترقی درجات اور علوم دینی کی نشر و اشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف کو واپس ہوا۔

(۳) علم ظاہری کے بعد علم باطنی کی تعلیم دی۔ اور سلوک و معرفت کی دشوار گذار راہوں سے

---

[1] تالیف قلب الالیف (قلمی)

آشنا کیا۔ تصوف کی کتابیں پڑھائیں اور عبادت و ریاضت حرم شریف کے اندر اپنی نگرانی میں کرائی۔

(۳) حقوق العباد کا صحیح جذبہ اور صحیح تصور پیدا کیا۔ تفصیل اگلے باب میں آئیگی۔

(۴) فقہ حنفی کے متعلق شیخ محدث کے خیالات قیام حجاز کے دوران میں بدل گئے تھے اور وہ شافعی مذہب اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب کو اس کا علم ہوا تو مناقب امام اعظم پر ایسا پرتاثیر خطبہ ارشاد فرمایا کہ شیخ محدث کے خیالات بدل گئے اور فقہ حنفی کی عظمت اُن کے دل میں قائم ہوگئی۔

حدیث۔ تصوف۔ فقہ حنفی۔ حقوق العباد — ان چار چیزوں کی اعلیٰ تعلیم شیخ عبدالحق نے حقیقت میں شیخ عبدالوہاب متقی کے قدموں ہی میں حاصل کی۔

باب ہشتم (۸)

مدینۃ الرسول میں

شیخ عبدالحق دہلویؒ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق تھا۔ دیار حبیب میں جب داخل ہوتے تو برہنہ پا ہو جاتے تھے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے:۔

در مدینہ برہنہ پا گردیدے

ایک مرتبہ یہ قصیدہ[1] سرورِ کائناتؐ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔

قصیدہ

بیا اے دل دمے از ہستیِ خود ترک دعویٰ کن
بیفگن چشم بر صورت نظر در عین معنیٰ کن

فگندی چوں نظر در عین معنیٰ بعد ازاں اے دل
چو عنقا از سرِ عزت بقافِ فقر ماوے کن

زچاک سینہ ہر دم صد نوائے دردِ دل بشنو
بدیں قانونِ محنت ترک بزم اہل دنیا کن

چو زیں دارِ فنا قصد سفر سوئے دگر داری
چرا غافل نشینی اے دل اسبابش مہیا کن

---

[1] یہ قصیدہ ہندوستان میں لکھا گیا تھا۔ اس میں متعدد جگہ حالات گردوپیش پر افسوس اور بددلی کا اظہار کیا گیا ہے۔ ظلم پیشہ حکام اور بے ایمان دہر ہندوستان کی دینی فضا کو خراب کرنے کے ذمہ دار تھے۔ شیخ فرماتے ہیں ؎

جہاں تاریک شد از ظلمت سیہ کاراں　　بیا و عالمے را روشن از نورِ تجلی کن

بصد خونِ جگر در زیرِ آن کش توسنِ نفست

بدینساں زاد و راحل گیر و قصد راہِ عقبیٰ کن

پس آنگہ بر سرِ کوئے فنا نہ پائے استغنا

وجودِ خویش را گم در شہودِ نورِ مولےٰ کن

اگر خواہی تماشائے جمالِ شاہدِ حسنی

نخست این چشمِ صورت بیں و میل چشمِ اعمیٰ کن

بشاگردی برآ در مکتبِ جاں پس بلوحِ دل

بتعلیمِ دبیرِ عشق حرفِ شوق املا کن

مبندلے خفتہ دل چشمِ تماشا سر فرو معگن

بعینِ عبرت آخر سیرِ صُنعِ حق تعالےٰ کن

چہ حاجت کنپلے خلوت روی در کنجِ تنہائی

بیادِ دوست خود را از خیالِ غیر تنہا کن

بیا در انجمن خلوت گزین و از رہِ دیگر

بچشمِ دل جمالِ دوست را ہر دم تماشا کن

بسترش غیر را محرم مگرداں بلکہ در خلوت

چناں پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن

چو نفی ما سوے کردی چہ دل گو جاں ہمہ ہیچ اند

دلیلت کُلُّ شَیءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ را کن

چو فرق واضح آمد درمیان مہلک و ہالک

ہلاک و نیستی را حکم بر ہر چیز حالا کن

کش از پرکارِ لا خطِ عدم بر صفحۂ عالم

بسانِ دائرہ آنرا محیط جملہ اشیا کن

پس انگہ نقطۂ ذات ست کامد مرکز ہستی
بروں زیں دائرہ آں نقطہ را ثابت باآکن

بروں از روئے صورت شو واز معنی دروں انش
میانِ نقطۂ و آں دائرہ غیرت بافنا کن

ہماں نقطہ تحرک کرد وآمد دائرہ پیدا
مثال از بہر ایں از نقطۂ جوالہ پیدا کن

چو بینی نور مطلق خویشتن را درمیاں ناری
ہوالحق از انا الحق بعد ازیں معنا راولی کن

مسمّٰی واحد و اسمائے او از حد و عد بیروں
بہر اسمے شہودِ نور ذات آں مسمّٰی کن

دراسمائے حقیقی شد مسمّٰی عین ہر اسمے
عجب مشکل حدیث است ایں بگوش ہوش اصغا کن

معائیست مشکل درحسابِ عاقلاں وحدت
بتحصیل کمال نفس حلِ ایں معما کن

کمالِ نفس در تہذیب اخلاقت بدست آید
وگر ایں را ہوس داری بنائے شرع برپا کن

حقیقت از شریعت نیست پیش عارفاں بیروں
مثال آں بکشتی ساز و شبہ آں بدریا کن

بریں کشتی نشیں تا بگذری زیں بحر بے پایاں
نہ چوں فرعون خود را غرق بحر کفر و اغوا کن

زباں بکشا بنا فرمودہ شارع سخن اینست
پے اسمائے توفیقی زبانِ عجز گویا کن

دہان را قفل خاموشی نہ و سربستہ دار آں در
کلیدِ امرش آور و آں درِ سربستہ را وا کن

وگر خواہی زباں بکشائی و راہِ سخن پوئی
ثنائے پادشاہِ یثرب و سلطانِ بطحا کن

سریر آرائے ملک آفرینش احمدِ مرسل
کہ پیش از وے نشد در ملکِ ہستی کار فرما کن

نشد تا بر سرِ منشور عالم خاتم حکمش
ز دیوان ازل نامد براں منشور طغرا کن

بیان قربت او قاب قوسین است او ادنیٰ
بمقدار علوِ قدر او این نیز ادنیٰ کن

قیاس رتبہ و مقدار فصل از انبیا تا وے
ز قطرہ تا بدریا یا ز ذرہ تا بہ بیضا کن

حبیب اللہ بود او انبیا را داں محب اللہ
قیاس کار زاسریٰ بعبد و جائے موسیٰ کن

بخود میرفت موسیٰ لیکن او را حق بخود بر دس
ز رفتن تا بُردن فہم فرق آشکارا کن

چو خود بردند او را در حق او قد دنیٰ گفتند
بموسیٰ لن ترانی فہم تفضیلش از ینجا کن

خطاب با عتاب اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اگر خوانے

باین والی والا قدر ملک دین تولا کن

اگر از حسرت دنیا وعقبیٰ آرزو داری
بدرگاهش بیا وُ هرچه می خواهی تمنا کن

بیا اے دل قدم نه برسر کوئے وفا وانگه
زراه صدق جاں را خاک راهِ آں کف پا کن

سروتن را براه جلوهٔ آں سرو بالا کش
دل وجاں را فدائے حسن آں رخسار زیبا کن

ثنایش گو وے چوں نیست ایفایش زتو ممکن
باین یک بیت مدحش را علی الاجمال اکفا کن

مخواں او را خدا از بهر لعر شرع وحفظ دیں
دگر هر وصف کش میخواهی اندر مدحش انشا کن

چو از انشائے تفصیل صفاتش عاجزی اے دل
بیا وُ عرض حال خویش بر خدامش آنها کن

خرابم مدغم هجرِ جمالت یارسول اللہ!
جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن

اسیرانِ تو جاں دادند در هجر لب لعلت
دهاں بکشا وُ از راه کرم احیائے موتیٰ کن

جهاں تاریک شد از ظلم سیه کاراں
بیا وُ عالمے را روشن از نور تجلیٰ کن

زیاں کاراں بباز ار هوا سودلے زدند
شکستِ رونق وگرمی ایں بازارِ سودا کن

ہمہ بے ہمتانِ دہر بخل آئینِ خود کردند
بلطف امعان مبیّن از کرم احیای محیاکن

ز ظلم ظالماں شور است و غوغا ہر طرف آخر
بعدل و رافت خود بر طرف ایں شور و غوغا کن

بسنگ سیم و زر جاہل گراں بار است از عالم
بمیزانِ عدالت قدر ہر یک را ہویدا کن

بصدیقؓ صداقت پیشہ فرما تا قدوم آرد
طریق صدق و آئین وفا را باز پیدا کن

عمرؓ را باز بنشاں بر سریرِ معدلت آئین
بدیں آئیں میان خلق رسم عدل احیا کن

ہمہ کس راست از عجب و تکبر دعوے اندر سر
ز سر بفرست عثمانؓ را و قطع امر شورا کن

بدفع حیلۂ ایں روبہاں بفرست شیرِ حق
بفرمایش کہ قلع باغیاں و قمع اعدا کن

بزور بازوئے خیبر کشا بنیاد جہل افگن
رواج رونق بازار علم و کار تقویٰ کن

وگرنائی تو با یاراں بظلم آباد ایں دنیا
بدفع ظالمان حکم نیابت را بعیسیٰ کن

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بلطف خود سر و ساماں جمع بے سر و پا کن

محب آل واصحاب توام کار من حیراں
بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن

بیا حقی مدہ تصدیع خدام جنابش را
کہ احوال تو معلوم است اظہارش مکن یا کن

بقسمت باش راضی دم مزن الا بشکر حق
سکونت ورز و تسکین دل خود از قسمنا کن

زاد المتقین میں لکھا ہے کہ جب اس شعر پر پہنچے ؎

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ جمال خود نما، رحمے بجان زار شیدا کن

تو دل بے قابو ہوگیا اور بقول خود

"گریہ زار زار در گرفت" [1]

خلوص و عقیدت کا یہ والہانہ تقاضہ قبول ہوا اور وہ زیارت رسول پاک سے مشرف ہوئے
زاد المتقین میں شیخ عبدالحق دہلوی نے چار بار زیارت رسول اکرم سے مشرف ہونے
کا حال لکھا ہے۔ ۲۱۔ ذی الحجہ ۹۹۸ھ کو مکہ معظمہ میں جو خواب دیکھا اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں

"دیدم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برسریرے	میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نشستہ درس علم حدیث شریف میفرمایند و	ایک تخت پر بیٹھے ہوئے حدیث شریف کا درس
انوار جمال و جلال از وجہ شریف وے متلالی	دے رہے ہیں۔ اور جمال و جلال کے وہ انوار
است و با حسن صورت متعلی است کہ فوق	اُن کے چہرۂ مبارک سے جھلک رہے ہیں جن سے
آں تصور نتواں کرد"	زیادہ تصور ہی نہیں کیے جاسکتے۔

اسی شب میں یہ بھی خواب میں دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعدائے دین سے لڑنے کے
لیے لشکر تیار کر رہے ہیں ـــــ شیخ عبدالحق کی پوری زندگی حقیقت میں اسی خواب کی تعبیر بن گئی۔
وہ آخری سانس تک حدیث کی نشر و اشاعت میں سرگرم اور بدعات کے خلاف نبرد آزمائی میں

مصروف رہے۔

باب نہم (۹)

حجاز سے روانگی

علم وعمل کی سب وادیوں کی سیر کرانے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی ؒ نے شیخ عبدالحق کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی اور فرمایا۔

"بخانہ خود بروید کہ والدہ وفرزنداں شما بسیار پریشان حال وبجانب شما نگراں خواہند بود	(اب تم) اپنے گھر جاؤ کہ تمہاری والدہ اور بچے بہت پریشان حال اور تمہارے منتظر ہونگے۔

شیخ محدث ؒ ہندوستان کے حالات سے کچھ ایسے دل برداشتہ ہو چکے تھے کہ یہاں آنے کو مطلق طبیعت نہ چاہتی تھی۔ عرض کیا ــــ

"فقیر را نیت اقامت ایں مقامات شریفہ بسیار است وبعد ازاں نیت سیر بغداد وزیارت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ ہست"	فقیر کے دل میں ان مقامات مقدسہ میں قیام کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ اس کے بعد سفر بغداد اور زیارت حضرت غوث الثقلین رضؓ کی نیت ہے۔

اس سلسلہ میں اُستاد اور شاگردوں میں جو گفتگو ہوئی وہ خود اُن ہی کی زبانی سُننے کے قابل ہے۔
شیخ عبدالوہاب :۔

شما را بعد ازیں گنجائش ندارد کہ اینجا باشید یا جائے دیگر روید الا بوطن اصلی خود حق شرع برہمہ مقدم است۔ وحضرت غوث الثقلین	اب اس کے بعد تمہیں یہاں رہنے یا اصلی وطن کے سوا دوسری جگہ جانے کی اجازت نہیں۔ حق شرع سب پر مقدم ہے حضرت

رضی اللہ عنہ باشما اند، ہر جا کہ باشید محبت و اعتقاد و توجہ بایشاں درست دارید۔ و قصد اتباع ایشاں بکنید۔ و بر فرمودۂ ایشاں روید۔ ایشاں ہرگز راضی نیستند کہ ایذائے والدہ و زوجہ و فرزنداں صغیر بکنید۔ و شما خود می گفتند کہ والدۂ من مرا رضائے حرمین دادہ و گفتہ است کہ جائے ثالث نروی۔ پس چوں می توانید رفت۔

غوث اعظم تمہارے ساتھ ہیں جس جگہ بھی رہو اُن سے محبت اور اعتقاد اور ان کی طرف توجہ رکھو۔ ان کی پیروی کی کوشش کرو اور ان کے حکم پر چلو۔ وہ اس سے ہرگز خوش نہیں کہ تم اپنی والدہ بیوی اور چھوٹے بچوں کو ایذا دو۔ تم خود کہتے تھے کہ میری والدہ نے مجھے حرمین شریفین جانے کی اجازت دی ہے اور تاکید کردی ہے کہ تیسری جگہ نہ جانا۔ اس حالت میں تم کیونکر جا سکتے ہو

شیخ عبدالحق رح:۔

"فقیر نیت کردہ است کہ از ہماں راہ بغداد رسیدہ، بہندوستان رود۔ چہ ایں راہ و چہ آں راہ۔ پس گویا جائے ثالث نرفتہ"

فقیر نے یہ نیت کی ہے کہ اُسی راہ سے بغداد ہوتا ہوا ہندوستان جائے جیسی یہ راہ ویسی وہ راہ لہذا اس کو تیسری جگہ جانا کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

شیخ عبدالوہاب رح:۔

ایں چنیں اگر کنید درست است۔ اما می توانید کہ در بغداد یک ماہ یا چہل روز باشید۔ بعدہٗ از انجا برآئید نمی توانید۔ ایں نسبت کہ شما بجانب ایشاں دارید برآمدن شما از آں جا مشکل است نمی توانید از آنجا برآمد۔ سفر ممتد می شود۔ جماعہ شما در انتظار ہلاک می شوند و ایذا می کشند۔

اگر ایسا کرو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ تم بغداد میں صرف ایک ماہ یا چالیس روز قیام کرو اور پھر وہاں سے ہندوستان کو روانہ ہو جاؤ۔ نہیں۔ حضرت غوث اعظم سے تمہاری نسبت کو دیکھتے ہوئے تمہارا وہاں سے نکلنا مشکل ہے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ سفر طویل ہو جائیگا اور تمہاری جماعت انتظار میں تباہ ہو جائیگی اور ایذا اُٹھائیگی۔

شیخ عبدالحق رح:۔

"توجہ فرمایند کہ در ہر چہ خیریت بندہ است پیش آید"	دعا کیجیے کہ جو کچھ بندے کے حق میں بہتر ہو وہی ظہور میں آئے۔

شیخ عبدالوہابؒ :۔

ان شاء اللہ تعالیٰ خیریت است ۔استخارہ بکنید۔اکنوں در ظاہر خود خیریت منحصر است در آنکہ بخانہ خود روید۔	ان شاء اللہ تعالیٰ بہتری ہوگا، استخارہ کرلو۔اب بظاہر خیریت اسی میں نظر آتی ہے کہ اپنے وطن واپس جاؤ

شیخ عبدالحقؒ کو اور زیادہ گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اس وقت خاموش ہوگئے۔ دوسرے دن موقع پاکر پھر اس گفتگو کو چھیڑا۔

شیخ عبدالحق :۔

"شیخ عبداللہ بلیانی ... فرمودہ است کہ ایں شرط طالب راہ آں است کہ بداند کہ ہیچ حقے از حقوق بالاتر از حق باری تعالیٰ نیست۔ وبیشتر از تحصیل معرفت وے سبحانہ تعالیٰ ہیچ کس را بر وے حقے نیست خواہ مادر و پدر باشند۔یا زوجہ و فرزنداں۔ترک ہمہ باید بود و تکمیل نفس باید کرد	شیخ عبداللہ بلیانی نے فرمایا ہے کہ طالب طریقت کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے حق سے بڑھ کر کسی کا حق نہیں ہے اور اس کی معرفت حاصل کرنے سے زیادہ کسی کا حق اس کے ذمہ نہیں ہے۔ماں باپ ہوں یا بیوی بچے سب کو چھوڑے اور معرفت الٰہی کی طلب اور تکمیل نفس کی کوشش جاری رکھے۔

شیخ عبدالوہابؒ نے یہ گفتگو سن کر کچھ دیر توقف کیا۔پھر فرمایا :۔

ایں چنیں خود نیست کہ ایشاں گفتہ اند حقوق شرع ہمہ حقوق اللہ اند۔ورعایت آں مورث معرفت حق تعالیٰ وموجب قرب رضائے وے تعالیٰ است۔اگر از طلب حق	جو شیخ موصوف نے کہا ہے وہ صحیح نہیں۔حقوق شرع سب کے سب حقوق اللہ میں داخل ہیں اور ان کا خیال رکھنا معرفت اور قرب الٰہی کا سبب ہے۔البتہ اگر یہ لوگ طلب حق دردین اسلام

دریں اسلام مانع آیند آں دیگر است" سے مانع ہوں تو دوسری بات ہے۔

شیخ عبدالحقؒ :-

"دیگر ہمیں بزرگ گفتہ است کہ طلب رزق انہیں بزرگ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طلب رزق

وکسب معیشت نباید کرد۔ زیرا کہ حق تعالے اور تلاش معاش نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ حق

گفتہ است: نحن نرزقك وان اللّٰه تعالیٰ کا ارشاد ہے: نحن نرزقك (ہم تجھے

ھوالرزاق ذو القوۃ المتین"۔ رزق دیتے ہیں)

شیخ عبدالوہاب :-

"ایں مسئلہ مختلف فیہ است تفصیلے دارد۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور تفصیل کا محتاج ہے۔

مطلق نیست۔ بہ شیب بتجرد ہر دو طریق قرب مطلق طلب رزق ممنوع نہیں ہر تعلق اور تجرد

و وصول است دونوں طریقوں سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے

شیخ عبدالحقؒ کی عجیب حالت تھی۔ شیخ کے سامنے سوء ادب کے خوف سے زیادہ گفتگو نہ کرتے تھے، اور تعمیل حکم میں کوتاہی کرنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا لیکن جب تنہا ہوتے اور واپسی کے متعلق سوچتے تو دل گھبرانے لگتا۔ فرماتے ہیں :-

"چوں ایں فقیر بہ منزل خود می آمد و تنہا می جب فقیر قیام گاہ پر آتا تھا اور اکیلا ہوتا تھا

بود، بخود قرار می داد کہ بہ ہندوستان نرود تو دل میں طے کر لیتا تھا کہ ہندوستان نہ جاؤنگا

ومطلق ایں عزیمت فسخ نمود۔ اور واپسی کا ارادہ بالکل فسخ کر دیتا تھا۔

اس کے بعد کئی بار بغداد کے سفر کا ذکر آیا۔ شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے ہر مرتبہ یہی مشورہ دیا کہ وطن واپس جانا چاہیے۔ شیخ دہلوی اس کے لیے کسی طرح راضی نہ تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ بغداد چلے جائیں یا پھر شیخ عبدالوہابؒ ہی کی خدمت میں رہیں۔ ایک دن شیخ نے وطن جانے کے لیے کہا تو عرض کیا کہ حضور کی صحبت سے مجھے روزانہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، یہیں رہنے دیا جائے فرمایا :-

"اکنوں فائدہ شما درین است کہ بوطن خود بروید واہل حقوق را بملاقات خود مسرور سازید، ایں نیز عبادت است
اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ وطن جاؤ اور جن لوگوں کے تم پر حقوق ہیں ان کو اپنے دیدا سے مسرور کرو کہ یہ بھی عبادت ہے۔

اس پیہم تقاضہ سے مجبور ہو کر شیخ عبدالحق ؒ نے ہندوستان کو واپس ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ آخر شعبان ۹۹۹ھ میں طائف جا کر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے مزار کی زیارت کی۔ پھر رمضان کے آخر تک شیخ عبدالوہاب ؒ کی خدمت میں رہے۔ شوال میں عازم ہندوستان ہو گئے۔

حجاز سے روانگی کے وقت اُن کی حالت یہ ہو گئی کہ

"حیرتے در وقت پیش آمد کہ ایں ہمہ خواب وخیالے بود کہ گذشت وچناں نمود کہ یک روز ایں جا اقامت نہ نمودہ بود" [۱]

آنکھوں میں آنسو اور دل میں یہ شعر لیے [۱]

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

وہ اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے جہاں تین سال قبل وہ ایک نہایت ہی والہانہ انداز میں داخل ہوئے تھے۔ اور جہاں ان کو وہ دولت ملی تھی جس پر دنیا کی تمام دولتیں نثار کی جا سکتی تھیں —— صحیح مذہبی وجدان، بلندی فکر و نظر، احساس فرائض اور دل دردمند۔

شیخ عبدالوہاب نے رخصت کرتے وقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کا ایک پیراہن مبارک عنایت فرمایا، اور ہدایت کی کہ:

"بیکار نباشید۔ وازینجا نب امداد انوار ان شاء اللہ متوالی خواہد بود"

شیخ عبدالحق ؒ ابھی جدہ میں ہی تھے کہ اُنھوں نے ایک ایسا "خریطہ" بھیجا جس کو اُنھوں نے عرصہ تک استعمال کیا تھا۔

[۱] زاد المتقین (قلمی)

باب (۱۰) دہم
شیخ محدّث ہندوستان میں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"ولعل المملوك قد تشرف بكم في ذلك المقام بل قد يظن انه جاء معكم في المراكب الهند بيتمنة الف" [۱]	اور یہ غلام شاید اس مقام شریف میں آپ کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ بلکہ ایسا خیال ہوتا ہے کہ ۱۰۰۰ھ میں آپ ہی کے ساتھ ہندوستانی کشتیوں پر واپس آیا ہے۔

یہ زمانہ وہ تھا جب اکبر کے غیر متعین مذہبی افکار نے دین الٰہی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ملک کا سارا مذہبی ماحول خراب ہو چکا تھا۔ شریعت و سنت سے بے اعتنائی عام ہو گئی تھی۔ دربار میں اسلامی شعار کی کھلم کھلا تضحیک کی جاتی تھی۔ اگر ملا عبدالقادر کے بیانات کو ایک متعصب ملا کے نظریات قرار دے کر قابل اعتنا نہ سمجھا جائے، تب بھی بعض ایسے قطعی تاریخی شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکبر کے دل میں اسلام کی عظمت قائم نہیں رہی تھی۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس کے اقوال "می فرمودند" کے عنوان سے جمع کیے ہیں۔ اُن میں متعدد جگہ "کیش احمدیؐ" کہہ کر عقائد اسلامی کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔ [۲]

کسی نے سچ کہا ہے — الناس علیٰ دین ملوکھم — بادشاہ کی اس بے راہ روی نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا۔ حد یہ ہے کہ مدرسے اور خانقاہیں تک اس کے مسموم اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ صوفیہ نے شریعت کو طریقت سے علیحدہ کر کے اپنے غیر شرعی

---

[۱] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۰۰ [۲] آئین اکبری۔ ص ۲۲۳ وغیرہ۔

اعمال کا جواز تلاش کر لیا۔ علماء سوء نے فقہ کو اپنی بہانہ جو فطرت کا آلہ بنایا[1] اور حیلہ بازی کا وہ دور شروع ہوا کہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی

حیل بنی موسیٰ پیش آں شرمندہ"[2]

شیخ محدث ہندوستان کے ان روح فرسا حالات میں حجاز سے واپس آئے۔ چار سال قبل ان ہی حالات سے بددل ہو کر اُنھوں نے ہندوستان کو خیرباد کہا تھا لیکن اب خود اُن کی حالت بدل چکی تھی۔ پہلے وہ ان گمراہیوں کی مدافعت کا سامان اپنے اندر نہ پاتے تھے۔ اس لیے مایوسی اور بددلی نے اُن پر قابو پالیا تھا۔ اب ان کی راہ عمل متعین ہو چکی تھی۔ علوم دینی کا بے پناہ سرمایہ اُن کے سینے میں تھا۔ اور اسی سے مذہبی انتشار کو دور کرنے کے لیے انھیں محاذ کا کام لینا تھا۔

حجاز سے واپسی پر شیخ عبدالحق نے دہلی میں مسند درس و ارشاد بچھا دی۔ شمالی ہندوستان میں اس زمانہ میں یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں سے شریعت و سنت کی آواز بلند ہوئی۔ اس مدرسہ کا نصاب تعلیم دوسری درس گاہوں سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں قرآن و حدیث کو تمام علوم دینی کا مرکزی نقطہ قرار دے کر تعلیم دی جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم[3]

اخبار الاخیار میں شیخ محدث نے درس و تدریس میں اپنی مشغولیت کا ذکر نہایت کسر نفسی سے اس طرح کیا ہے۔

"...... زیادہ تر ازاں محنت و ریاضت می کشم و بہ مشغولی تعلیم و افادہ معاذ اللہ بلکہ تعلم

---

[1] مخدوم الملک نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے جو حیلہ تلاش کیا تھا وہ بدایونی کی زبان سے سُنیے:
"در آخر ہر سال مجموعۂ خزانہ خود را بہ منکوحہ می بخشید و پیش از حولان حول کامل استرداد می نمود"
منتخب التواریخ۔ ج ۲۔ ص ۲۰۳

[2] منتخب التواریخ ج ۲ ص ۲۰۳ [3] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۰۲

واستفادہ بسر می برم، در زاویہ عزیت افتادہ و دل بامیدواری نہادہ باہیچ کس از نیک و بد کارے نہ۔ واز ہیچ آفریدہ بر دل غبارے نہ واز مصاحبت این وآں فارغ بالم بلکہ از خود زید وعمرو کہ در ترکیب نحو مذکور شود نیز در ملالم۔ رباعی

صد شکر کہ باہیچ کسم کارے نیست واز من بدل ہیچ کس آزارے نیست
گر بر دل دشمناں بارے ہست بر خاطر دوستان من بارے نیست[۱]

درس وتدریس کا یہ ہنگامہ شیخ محدث نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک برپا رکھا اس کا مدرسہ دہلی ہی میں نہیں، سارے شمالی ہندوستان میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا سیکڑوں کی تعداد میں طلبا استفادہ کے لیے جمع ہوتے تھے اور متعدد اساتذہ درس وتدریس کا کام انجام دیتے تھے۔ عبدالحمید لاہوری نے لکھا ہے:-

"۔۔۔۔ از سلامت توطی بانواع طاعات وریاضات وتعلیم وتالیف وتصحیح بسان ایام شباب می پردازد۔ از اعقاب او ہفت تن تحصیل علوم رسمیہ نمودہ بافادہ مشغول اند"[۲]

شیخ محدث کا یہ دارالعلوم اُس طوفانی دور میں شریعت اسلام اور سنت نبوی کی سب سے بڑی پشت پناہ تھا۔ مذہبی گمراہیوں کے بادل چاروں طرف منڈلاتے مخالف طاقتیں بار بار اس دارالعلوم کے بام و در سے آکر ٹکرائیں، لیکن شیخ محدث کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ اُن کے عزم واستقلال نے وہ کام انجام دیا جو ان حالات میں ناممکن نظر آتا تھا۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

ابوالخیر مبارک کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ انسان کی زندگی کے تین درجے ہیں۔ خوردی، جوانی اور پیری۔ جوانی "خلاصہ عمر" ہے۔ اس میں انسان کو پورے انہاک اور

---

[۱] اخبار الاخیار، ص ۳۰۳ [۲] بادشاہ نامہ حصہ دوم، ص ۳۴۱-۳۴۲-

جوش وخروش کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ فرماتے ہیں :-

"اگر توفیق رفیق سعادت گردد کارے میتواں کرد وپائے میتواں برد، اگر توفیق کاریافت وعروس مراد درکنار گرفت حصل المقصود . . . ." [۱]

خود اپنی جوانی اُنھوں نے جس طرح گزاری تھی اس کی بابت بھی سُن لیجیے :-

"تمام عمر بریاضت ومجاہدہ وغم ومحنت وناکامی گذشت ؎

من ندانم کہ زندگانی چیست کامرانی چہ وجوانی چیست

روزگارے خوشی کرا گویند دل خوش درجہاں کجا جویند

وصل باکام دل چہ می باشد کامیاب از جہاں کہ می باشد

آنکہ او دید چہرۂ مقصود کیست درعالم وکہ خواہد بود

آنکہ مقصود یافت درعالم کہ بود ربنا بہ اعلم" [۲]

شیخ محدثؒ جس طرح شب وروز کام میں مشغول رہتے تھے، اسی طرح یہ بھی چاہتے تھے کہ اُن کے وابستگان، عقیدتمند اور متعلقین بے کار نہ بیٹھیں۔ وہ وقت کی قدر کریں اور سرگرم عمل رہیں۔ ایک خط میں اعلان کرتے ہیں :-

"آدمی را دریں کارخانہ برائے کار آفریدہ اند" [۳]

اور یہ مصرعہ اور شعر پڑھتے ہیں :-

ع مزد اُو گرفت جانِ برادر کہ کار کرد

کارکن کار وبگذر از گفتار کاندریں راہ کار دارد کار

شیخ محدثؒ گو مولانا عبدالوہاب متقیؒ کے اصرار سے مجبور ہو کر ہندوستان تشریف لے آئے تھے، لیکن سرزمین حجاز سے اُن کو جو محبت اور تعلق تھا اُس میں کسی طرح کمی نہ آئی۔ اور اُن کی تمنا یہی رہی کہ وہ حجاز کو واپس چلے جائیں اور دیار رسولؐ میں سکونت اختیار کرلیں۔

---

[۱] و [۲] کتاب المکاتیب۔ ص ۸۱ و ۸۲۔ [۳] ایضاً۔ ص ۲۲۱

وصیت نامہ میں نہایت حسرت کے ساتھ اُنھوں نے یہ فقرہ لکھا ہے :-

اللّٰھم ارزقنی شہادۃً فی سبیلك واجعل موتی ببلد رسولك

الٰہی مجھے تیری راہ میں شہادت نصیب ہو اور میرے موت تیرے رسولؐ کے شہر میں ہو

شیخ فرید کے نام ایک خط میں اپنی اس تمنا کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :-

"..... چوں جوانی بود و توفیق رفیق شدہ و زاد و راحلۂ شوق بہم رسیدہ بود، بہ شوق رفتہ و بذوق ماند و بسلامت آمد و بحضور نشست، اکنوں می بینم باز آں سودا غلبہ می آرد و باعثہ محبت آں مقامات جوش می زند کہ یا الٰہ العالمین اگر یک بار دیگر مددے کنی و بمقام زبت رسانی چہ شود، ہیچ وقت بے ایں اندیشہ و خالی ازیں خیال نیست تا در پردۂ غیب چیست و ارادت ازلی ہرچہ رفتہ است الآ آنکہ دراں بار اول از قید تدبیر و مصلحت نیوشی و عاقبت کار اندیشی مطلق برآمدہ بود و چیزے از انچہ مانع عزیمت و موجب توقف گردد گرد سراپردہ خیال نمی گشت، الآں مجتبے و خواہشے دارد و صلاح وقت خود دراں می اندیشد و مصلحت حال دراں می بیند کہ بقیہ عمر صرف خدمت آں آستانہ گردد، از پریشانیہائے ایں دیار و بیگانگیہائے اہل ایں روزگار برآمدہ در مقام جمعیت و آشنائی جا یابد" [۱]

شیخ نورما محقؒ کو بھی ایک خط میں انہوں نے اپنی اس دلی خواہش کی اطلاع دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ کس طرح وہ بے چین ہیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دیں، آنحضرتؐ کی زیارت کریں، مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کریں، آبِ زمزم پییں، حرم میں بیٹھیں، طواف کعبہ کریں۔ وغیرہ وغیرہ۔ کہتے ہیں:

"اے کاش آں موسم گذاشتہ باز گیدکہ در پنج و شش ماہ برفندہ باز آیند، ایں جوش کہ دریں ایام سینہ پدر تراست اگر موسم می بود میدیدی کہ چہ میکرد" [۲]

---

[۱] المکاتیب والرسائل۔ ص ۱۱۴-۱۱۵ [۲] ایضاً۔ ص ۳۰۱-

باب یازدہم (۱۱)

شیخ محدثؒ کے روحانی مرشد

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اور جس فضا میں پرورش پائی اس پر تصوف کا رنگ غالب تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ اس ماحول سے متاثر نہ ہوتے۔ چنانچہ بچپن ہی سے اُن میں عبادت و ریاضت کی لگن پیدا ہوگئی۔ ابتدائی زمانہ میں جس طرح وہ عبادت کرتے تھے اس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اُن کا یہ مذہبی جذبہ عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا، یہاں تک کہ تصوف کا رنگ پوری طرح اُن پر چڑھ گیا[1]۔ نظام الدین احمد بخشی نے لکھا ہے:-

"امروز در دہلی است ..... در لباس صوفیہ می گزرانند" [2] آج کل دہلی میں ہیں اور صوفیہ کے طرز پر زندگی گزارتے ہیں۔

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:-

"در تصوف رتبہ بلند دارد" [3] تصوف میں بلند رتبہ رکھتے ہیں۔

بلکہ ملا صاحب کا خیال تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے درس و تدریس میں مشغولیت اس لیے رکھی تھی کہ لوگ اُن کو علوم ظاہری کا فاضل سمجھ کر باطنی تعلیم کے لیے پریشان نہ کریں لکھتے ہیں:-

"ستر حال خویش با افادہ و استفادہ علوم رسمیہ علوم رسمیہ کے درس و تدریس کو انہوں نے

---

[1] خافی خاں نے لکھا ہے، "در صلاح و تقوی کہ لازمہ علم باعمل است ممتاز بودہ، در ادائے فرض و سنن تا دم واپسیں دقیقہ فروگذاشت ننمود" ص ۲۴۰۔

[2] طبقات اکبری۔ جلد دوم۔ ص ۴۶۶

[3] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۱۳۔

می کند" ؎۱ | اخفار حال کا ذریعہ بنایا ہے۔

والدِ ماجد سے بیعت

شیخ عبدالحق نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ رسالہ وصیت میں لکھتے ہیں:۔

"والدم را بر من حق پدری و استادی و دوستی و پیری جمع است" | میرے والد ماجد کے مجھ پر پدری، استادی، دوستی اور پیری کے حق جمع ہیں۔

شیخ سیف الدین کا یہ حال تھا کہ پہروں اپنے نو عمر فرزند کو آغوش میں لیے بیٹھے رہتے تھے اور اس کے سینہ کو علوم باطنی سے معمور کرنے کے لیے بیچین رہتے تھے شیخ عبدالحق نے "مکتب عشق" کا پہلا درس اپنے باپ ہی سے لیا تھا۔ اس کے بعد باپ نے حکم دیا کہ سید موسیٰ گیلانی کے حلقہ مریدین میں شامل ہو جاؤ سعادت مند فرزند نے اس حکم کی تعمیل بھی بسر و چشم کی۔ فرماتے ہیں:۔

"بامر پدر مرید حضرت سیدی سندی کلیم اللہی الشیخ موسیٰ گیلانی ام" ؎۲ | والد ماجد کے حکم سے میں نے حضرت سیدی سندی شیخ موسیٰ گیلانی سے بیعت کی۔

حضرت سید موسیٰ گیلانی

حضرت سید موسیٰ گیلانی قادریہ سلسلہ کے مشہور و معروف بزرگ مخدوم سید حامد المعروف بہ حامد گنج بخش (المتوفی ۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء) کے فرزند ارجمند اور خلیفۂ راستین تھے۔ مخدوم سید حامد کے متعلق شیخ محدث کا بیان ہے:۔

"مخدوم شیخ حامد بن شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر الحسنی الجیلانی صاحب سجادہ برحق و خلیفہ مطلق حضرت غوث الثقلین بود، بزرگ و عالیشان و رفیع المکان مظہر کبریا و جلال | شیخ حامد بن شیخ عبدالرزاق بن سید عبدالقادر الحسنی الجیلانی صاحب سجادہ برحق اور خلیفۂ مطلق حضرت غوث الثقلین کے تھے۔ بزرگ عالیشان و رفیع المکان مظہر کبریا و جلال صاحب

؎۱ منتخب التواریخ۔ جلد ۳ ص ۱۱۴۔ ؎۲ وصیت نامہ (قلمی)

وصاحب تصرف وکرامت وعظمت و ابہت وجلالت بہتے بس عالی داشت ومقامے بس بلند از متاع دنیاوی از ہر قسم کہ تصور کنند تسلط وافر او را حاصل بود ولیکن ہرگز مالک نصاب نامی کہ شرط وجوب زکوٰۃ باشد نشدہ ، بے مرید جد خود ست شیخ عبدالقادر ثانی قبولے عظیم داشت و در زمان خود کوس بزرگی و شیخیت وخلافت ایں سلسلۂ علیہ میزد..... شیخ حامد در حالت حیاتِ خود امر خلافت وسجادہ نشینی را بولد شریف خود سپرد (یعنی شیخ موسیٰ)[1]

تصرف وکرامت وعظمت و ابہت وجلالت تھے ۔ ہمت ان کی بہت عالی اور مقام بہت بلند تھا ۔ دنیا کے اسباب میں سے کل چیزیں ان کے پاس موجود تھیں لیکن کبھی نصاب کے جس سے زکوٰۃ واجب ہو مالک نہ تھے اور مرید اپنے دادا کے ہیں ۔ شیخ عبدالقادر ثانی نے اپنے زمانہ میں نقارہ بزرگی و شیخیت اس سلسلہ کا خوب بجایا اور خلقت میں قبول عظیم رکھتے تھے جو شیخ حامد نے اپنی حیات ہی میں اپنے صاحبزادہ کو امر خلافت وسجادہ نشینی سپرد کر دیا تھا۔

شیخ حامد کے وصال کے بعد ان کے بیٹوں شیخ موسیٰ اور شیخ عبدالقادر میں سجادہ نشینی کے مسئلہ پر جھگڑا شروع ہوا ۔ اور عرصہ تک چلتا رہا[2] ۔ شیخ موسیٰ ، اوچہ چھوڑ کر دربار میں آگئے اور یہاں اکبر نے اُن کو پانسو کا منصب دیا ۔[3]

شیخ موسیٰ اتباع شریعت وسنت میں مشہور تھے ۔ لکھا ہے :۔

" در خَلق و خُلق وارث حضرت نبوی است صلی اللہ علیہ وسلم "[4]

ملا بدایونی کا بیان ہے کہ مذہبی معاملات میں وہ بادشاہ کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے ۔ اگر وہ بادشاہ کے حضور میں ہوتے اور نماز کا وقت ہو جاتا تو دیوان خانہ میں خود اذان دے کر نماز باجماعت شروع کر دیتے تھے ، اور کسی کو اُن کے روکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔ لکھا ہے :

[1] اخبار الاخیار ۔ ص ۲۰۰ ، اردو ترجمہ ص ۲۹۵ ۔ ۲۹۶

[2] " درمیان شیخ عبدالقادر و شیخ موسیٰ برادر خوردش سالہائے دراز بر سر سجادہ شیخیت مناقشہ افتاد "
منتخب التواریخ ۔ جلد سوم ص ۹۱ ۔

[3] منتخب التواریخ ۔ جلد دوم ص ۳۰۳ [4] اخبار الاخیار ۔ ص ۲۰۱

در حضور پادشاه در عین دیوان خانۂ خاص و عام اگر وقت نماز می رسید خود اذان گفته نماز بجضور خلیفۂ وقت بجماعت میگذارد ہیچکس چیزے نمی توانست گفت" [۱]

شیخ موسیٰؒ قادریہ سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ شیخ محدث کا بیان ہے:-

"وے دریں سلسلۂ علیہ عالیہ (یعنی سلسلہ قادریہ) مطلع انوار و مہبط اسرار تجلی بود و جمال صورت و معنی داشت" [۲]

شیخ موسیٰ کی صحبت میں بڑی کشش تھی۔ جو اُن کے پاس پہنچ جاتا تھا اُن ہی کا ہو جاتا تھا۔ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے۔

کانت فی عینی موسیٰ ملاحۃ من راہ احبہ [۳]	موسیٰ کی آنکھوں میں نمکینی تھی جو ان کو دیکھتا تھا اُن سے محبت کرتا تھا

شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار میں دو بزرگوں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ موسیٰؒ کے تذکرہ میں انشاپردازی کا پورا زور صرف کر دیا ہے اس کا ایک ایک حرف عقیدت و ارادت میں ڈوبا ہوا ہے۔ شیخ موسیٰؒ کا تعارف اس طرح کرانے کے بعد ——

کسیکہ قدم بر قدم مصطفیٰ بود ..... سعادت آں سر است کہ پائمال او گردد" [۴]

فرماتے ہیں ——

"دیگراں قطب اند و قطب الاقطاب است و اگر ایشاں سلاطین اند سلطان السلاطین محی الدین کہ دین اسلام زندہ گردانید" [۵]

یہ دونوں جملے شیخ محدثؒ کی اپنے پیر و مرشد سے عقیدت کی وجہ پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ شیخ موسیٰؒ (۱) قدم بر قدم مصطفیٰ بود (۲) دین اسلام زندہ گردانید۔ خود شیخ محدثؒ کی زندگی ان ہی دو جملوں کی تفسیر ہے۔

---

[۱] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۹۲۔ [۲] رسالہ وصیت (قلمی)

[۳] اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۱ [۴] ایضاً ص ۲۰۲ [۵] ایضاً۔ ص ۲۰۲۔

آگے چل کر شیخ محدث خدا کا شکر ادا کرتے ہیں ۔

"برسرِ من عیسیٰ نفسے را فرستاد کہ ہر نفس او مائدہ
بود از آسمان معرفت نازل و باعث عید
سرور او اخر و اوائل موسیٰ مقامے کہ جمال
او نار یست از شجرِ وحدت طالع و نورے
از جانب حقیقت طور لامع خلیل کہ
رخسارہ زیبائش گلزار بوستانِ خلت و
گل گلستان دین و ملت ست، مصطفےٰ
جمالے کہ دہانش نمک داں خوان انا املح
و زبانش تبیان قرآن انا افصح ست مرتضیٰ
کمالے کہ دلش باب مدینہ علم و فتوح و بر
ضمیرش ابواب اسرار و کشف منتوح،
حسن سیرتے وارث مرتبہ وانک لعلی
خلق عظیم و نائب منصب بالمؤمنین
رؤف رحیم حسین سریرتے کہ مصدق
ویطہرکم تطہیرا آمد و مصداق الا المودۃ
فی القربیٰ شدہ زین العابدین امام الصادقین
السید النقی المتقی والعلوی العلی المہدی
سمی کلیم اللہ و محبوب حبیب اللہ۔

میرے واسطے ایک عیسیٰ نفس کو بھیجا جن کا ہر
سانس آسمان سے نازل ہونے والا مائدہ تھا
اور اگلے پچھلوں کے واسطے عید و سرور موسیٰ
مقام جن کا جمال شجر وحدت کی نار اور حقیقت
کا نور ہے، خلیل خلت جن کا رخسارہ زیبا
گلزار بوستان خلت اور گلستان دین و ملت ہے
مصطفےٰ جمال کہ جن کا دہان نمکدان خوان انا
املح اور جن کی زبان تبیان قرآن انا افصح
ہے ۔ مرتضیٰ کمال جن کا دل مدینۂ علم
و فتوح ہے اور ان کے ضمیر دل پر ابواب
اسرار و کشف مفتوح ہیں ۔ حسن سیرت
وارث انک لعلی خلق عظیم و نائب
منصب بالمؤمنین رؤف رحیم
حسین سریرتے جن کے مصداق آیت تطہیر
ہے اور مصداق الا المودۃ فی القربیٰ
زین العابدین و امام الصادقین السید النقی
التقی والعلوی والعلی المہدی سمی کلیم اللہ
و محبوب حبیب اللہ۔

رباعی

احمد خوئے کہ عالم بندہ اوست — یوسف روئے کہ ماہ شرمندہ اوست

عیسٰی نفسے کہ جان و دل زندہ اوست   موسٰی کہ لقائے دوست خواہند دوست[1]

جب تعریف کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں ؎

حقا بیان شوق بپایاں نمی رسد

کوتاہ ساز قصہ دور و دراز را[2]

شیخ محدث ۶ شوال ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) کو حضرت سید موسیٰ گیلانی کے دامن سے وابستہ ہوئے تھے۔ شیخ نے ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کو خلافت سے بھی نوازا۔ خود فرماتے ہیں:

"غایت محبت بمن داشت، و مرا بفرزندی قبول کرد، و تلقین نمود خلافت داد"[3]

شیخ عبد الوہاب متقی سے ارادت

مکہ معظمہ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنے استاد شیخ عبد الوہاب متقی سے بھی بیعت کی تھی۔ فرماتے ہیں:

"بعد شرف یابی از سید موسیٰ گیلانی بمکہ رفتم و بخدمت شیخ ولی اجل اعز و اکرم قطب الوقت عبد الوہاب متقی رضی اللہ عنہ مشرف شدم۔ وے نیز مرا قبول کرد۔۔۔۔ و علم ظاہر و باطن تربیت فرمود۔ و وے در انتساب قادری و در سلوک و ارشاد شاذلی و از سلسلہ مدنیہ و چشتیہ کہ از راہ بالا بجناب ولایت مآب شیخ مودود چشتی می رسد نیز خلافت داشت مرا نیز بخلافت ایں سلاسل مشرف گردانید"

شیخ عبد الوہاب متقی، شیخ علی متقی کے شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ علی متقی نے بچپن میں شاہ باجن چشتی سے جو برہان پور کے مشہور مشائخ میں تھے، بیعت کی تھی۔ اس کے بعد جب سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ عبد الحکیم بن شاہ باجن چشتی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے چشتیہ سلسلہ میں خلافت حاصل کی۔ پھر حرمین شریفین چلے گئے۔ وہاں شیخ ابو الحسن بکری قادری کی صحبت میں رہے، اور شیخ محمد بن محمد بن سخاوی سے خاندان قادریہ کی خلافت حاصل کی۔

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۳۰۵۔ اردو ترجمہ، ص ۶۴۴-۶۳۵   [2] ایضاً، ص ۳۰۷

[3] رسالہ وصیت (قلمی)، [4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو "گلزار ابرار"، ص ۲۶۵۔

علاوہ ازیں شیخ سخاوی ؒ ہی سے شاذلیہ سلسلہ[1] کی اجازت حاصل کی۔ اور سلسلہ مدنیہ[2] کا خرقہ پایا۔ شیخ عبدالوہاب متقی ؒ نے اس طرح اپنے مرشد سے چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ چاروں سلسلوں کی خلافت انہوں نے اپنے عزیز ترین مرید اور شاگرد شیخ عبدالحق دہلوی ؒ کو بھی عنایت فرمائی۔

شاذلیہ سلسلہ میں دعائے حزب البحر[3] کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور اس سلسلہ کی باطنی تعلیم کا بیشتر حصہ اسی سے متعلق ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی ؒ جب ہندوستان کو روانہ ہونے لگے تو شیخ عبدالوہاب ؒ نے اُن کو حزب البحر کی مخصوص اجازت سے سرفراز فرمایا[4]

شیخ محدث نے "الرسالۃ السابعۃ والخمسون فی ذکر الاحوال والاقوال منتبہہ علی رعایۃ طریق الاستقامۃ والاعتدال[5]" میں ان اوراد کی تفصیل دی ہے جن کی اجازت شیخ عبدالوہاب متقی ؒ

---

[1] شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ شاذلی ؒ (المتوفی ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) حالات کے لیے ملاحظہ ہو Ency of Islam جلد چہارم، ص ۲۳۰-۲۲۶، A. Cour کا مضمون اس سلسلہ کے بانی ہیں۔ مولانا جامی نے اُن کا ذکر نفحات الانس (۴۰۳،۱) میں کیا ہے۔ مصر، الجیریا اور تیونیسیا میں یہ سلسلہ خوب پھیلا۔ اور کثیر تعداد میں لوگ اس میں شامل ہوگئے Ency. of Islam نے D. S. Margoliouth (جلد چہارم، ص ۲۴۰-۲۴۹) میں اس سلسلہ کے اصولوں اور نشوونما پر جو مضمون لکھا ہے وہ بہت دلچسپ ہے، اور مطالعہ کے قابل ہے

[2] مدنیہ سلسلہ، شیخ ابومدین شعیب المغربی پر ختم ہوتا ہے

[3] دعائے حزب البحر، شیخ ابوالحسن شاذلی ؒ کی تصنیف ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ (عجائب الاسفار جلد اول، ص ۴۴-۴۲) میں اس کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے: "جب شیخ مذکور حج فرمایا کرتے اور براہ صعید مصر اور بحر جدہ ہوکر تشریف لیجایا کرتے اور کشتی پر سوار ہوا کرتے تو روزانہ اس دعائے حزب البحر کو پڑھ لیا کرتے۔ چنانچہ آپ کے سلسلہ کے لوگ روزانہ اب تک اس کا ورد رکھتے ہیں۔" (ص ۴۳) کشف الظنون (جلد سوم ص ۱) میں اس دعا کے اثرات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ شیخ محدث ؒ نے زاد المتقین میں وہ حالات بھی بیان کیے ہیں جن میں شیخ شاذلی ؒ نے یہ دعا ترتیب دی تھی۔

[4] زاد المتقین میں لکھتے ہیں کہ رخصت کرتے وقت شیخ عبدالوہاب سے پوچھا کہ حزب البحر شما را اجازت است گفتم ہست۔ بلکن اگر در ملازمت شما سند کردہ شود سعادتے دیگر است کہ اعادہ ممنون گردید۔ نیز ملاحظہ ہو، المکاتیب والرسائل، ص ۲۸۲۔ نیز ص ۱۸۱۔

[5] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۷۲-۲۸۲۔

نے ان کو عنایت فرمائی تھی۔

ان اعمال واوراد سے قطع نظر شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے یہ حقیقت بھی شیخ عبدالحقؒ کے ذہن نشین کرائی کہ دعوت واصلاح بھی روحانی ترقی کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"وقتیکہ حضرت قطب الوقت شیخ عبدالوہاب متقی قدس اللہ روحہٗ ایں فقیر را بنعمت اجازت اذکار و دعوات و احصار مشائخ مشرف ساختند فقیر پرسید کہ دعوت ہم طریق قرب و وصول حق میباشد فرمودند چرا نباشد"۔ [1]	جس وقت حضرت قطب الوقت شیخ عبدالوہاب متقی قدس اللہ سرہٗ نے اس فقیر کو اذکار و دعوات واحصا مشائخ سے مشرف فرمایا تو فقیر نے پوچھا کہ کیا دعوت بھی قربت حق تعالیٰ کا ذریعہ ہے۔ فرمایا۔ کیوں نہیں [1]

پھر شیخ عبدالوہابؒ نے دعوت واصلاح کے کام کی نوعیت بتائی۔ اور سمجھایا کہ لوگوں کی جفاؤ تعدی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے ہی میں روحانی ترقی کا راز پنہاں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ مشکلات میں صبر سے کام لے۔ ماحول ناسازگار ہو تو بددل نہ ہو جائے۔ صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرے اور دعوت واصلاح کے کام میں سرگرم رہے۔ فرماتے ہیں:-

"بآزار رسانی مردم صبر شرط است جنبیدن و وطن گذاشتن و ہجرت نمودن نیامدہ است ..... دل قوی باید داشت"۔ [2]	آدمیوں کی آزار رسانی پر صبر کرنا چاہیے جگہ سے ہٹنا اور وطن چھوڑ کر ہجرت کر جانا کہیں نہیں آیا ہے ..... دل کو قوی رکھنا چاہیے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں

رسالہ وصیت میں شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں:-

چوں بہ ہندوستان آمدم صحبت افتاد مرا	جب ہندوستان واپس آیا تو خواجہ محمد باقی

[1] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۹۰۔ [2] ایضاً ص ۱۹۸

باخواجہ محمد باقی نقشبندی مدتے مشق نسبت نقشبندی کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا	
خواجگان کردہ طریقہ ذکر، مراقبہ، ورابطہ و	عرصہ تک طریقہ خواجگان کی مشق کی اور ذکر،
حضور و یادداشت[1] حاصل نمودہ"	مراقبہ، رابطہ، حضور اور یادداشت کی تعلیم حاصل کی۔

محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ محدث نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روحانی اشارے پر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اگر سولھویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع کی مذہبی اور روحانی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی ذات گرامی احیاء سنت اور اماتت بدعت کی تمام تحریکوں کا منبع و مخرج تھی۔ ان کے ملفوظات و مکتوبات کا ایک ایک حرف ان کی مجددانہ مساعی. بلندی فکر و نظر کا شاہد ہے۔ شیخ عبدالحقؒ نے جب احیاء علوم الدین کا بیڑا اُٹھایا تو حضرت باقی باللہؒ کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ اُن سے کسب فیض نہ کرتے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"وکان الداعی الیھا والمرشد للطالبین فی بلدنا ھذا الشیخ العارف الکامل سرالله الاعظم ونورالاتم سیدنا ومولانا خواجہ محمد الباقی قدس سرہ الاصفی و ھومن مشائخنا فی ھذا الطریق جزاہ الله مناخیرًا۔"[2]	ہمارے شہر میں اس نسبت نقشبندیہ کے داعی اور مرشد شیخ العارف الکامل سراللہ الاعظم و نورالاتم سیدنا و مولانا خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ تھے۔ وہ اس طریقہ میں ہمارے مشائخ میں ہیں۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے

[1] ان اصطلاحات کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو" شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل از حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ص ۶۱-۷۰۔

[2] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۷۸-۲۷۹

حضرت خواجہ محمد باقیؒ ۹۷۱ھ میں کابل میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد ماجد قاضی عبدالسلامؒ علم و فضل میں ممتاز تھے۔ فقہ و حدیث میں کمال رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی۔ خواجہ محمد باقیؒ نے ملا صادق حلوائی سے جو مشہور فاضل تھے تلمذ کیا۔ دوران درس میں ایک مجذوب نے خواجہ صاحب کو مخاطب کر کے کہا ؎

درکنز و ہدایہ نتواں دید خدا را　　　آئینہ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اس شعر کا سننا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل علوم ظاہری سے گھبرا گیا اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ عرصہ تک صحرانوردی کرتے رہے۔ مختلف بزرگوں کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا[۱] اور بالآخر ایک روحانی اشارے پر ہندوستان کا رُخ کر دیا۔ اور یہاں آکر نقشبندیہ سلسلہ کے فیض کو خاص عام تک پہنچا دیا۔ خانی خاں نے لکھا ہے :-

"حضرت خواجہ باقی باللہ درآں عہد از مقتدائے زماں بودہ، صفات ذاتی وکسبی و خوارق ایشاں زیادہ ازاں است کہ بزبان قلم دادہ شود"[۲]

مکتوبات و ملفوظات کے مطالعہ سے خواجہ صاحبؒ کی جو تصویر ذہن میں آتی ہے اس میں اصولی سختی اور حکیمانہ نرمی کا امتزاج بڑا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ ان کی نظر سوسائٹی کے ان تمام گوشوں تک پہنچ گئی تھی جہاں اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی۔ امراء، صوفیہ علماء، طلباء، سپاہی، تاجر — سب کو انہوں نے موقع اور مصلحت کے مطابق ہدایتیں کیں اور اس انداز میں کہ جس نے ان کی بات سنی، گناہوں سے الگ ہوگیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے خواجہ باقی باللہؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو کر بہت کچھ حاصل کیا۔ کتاب المکاتیب والرسائل میں مندرجہ ذیل سات خطوط

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ حیات باقیہ۔ ص ۱-۱۲۔　　[۲] منتخب اللباب ص ۲۰۴۔

شیخ محدثؒ نے اپنے مرشد کے نام لکھے ہیں۔

(۱) سلوک طریق الفلاح عند فقد التربیت بالاصطلاح۔

(۲) اصول الطریقۃ لکشف الحقیقۃ

(۳) تبیین الطریق لاہل الارادۃ بالتزام وظائف الخیر والعبادۃ

(۴) تنبیہ اہل النہی بتفاوت حال الابتدا و الانتہاء

(۵) تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدی۔

(۶) قرع الاسماع باختلاف اقوال المشائخ واحوالھم فی السماع

(۷) ورود الامداد بالاستقامۃ علی الاوراد

یہ مکتوبات مستقل رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے شیخ محدثؒ کی اپنے مرشد سے عقیدت اور اس زمانہ کے حالات پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ شیخ محدثؒ نے بعض اہم دقیق مسائل پر ان سے گفتگو کی ہے اور اُن کی رہنمائی چاہی ہے لیکن یہ تمام خطوط نہایت حزم و احتیاط سے لکھے گئے ہیں۔ اس لیے پہلی نظر میں اُن کا سمجھنا مشکل ہے۔ جتنا اُن کے الفاظ پر غور کیا جاتا ہے اسی قدر شیخ کا مفہوم صاف ہوتا جاتا ہے اور "ستر و کتمان" کے پردے اُٹھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان خطوط کو لکھنے والا مذہبی انتشار پر خون کے آنسو رو رہا ہے۔

خواجہ باقی باللہ نے شیخ محدثؒ سے ایک مرتبہ رسالہ فقر محمدیؐ[1] کے مصنف اور مضمون کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ محدثؒ نے ان کے استفسار کے جواب میں جو کچھ لکھا وہ ہندوستان کے حالات پر ایک بصیرت افروز تبصرہ تھا جس میں اس کتاب کی آڑ لے کر حالات گرد و پیش پر نہایت بالغ نظری کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ پردے پردے میں انہوں نے عہد

---

[1] شیخ احمد بن ابراہیم الواسطی الحزامی کی تصنیف ہے۔ شیخ محدثؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے،
"از کبار مشائخ دیار عرب و مقتدا روزگار در طریق اتباع سنت و تقویم و ترویج ایں طریقہ بے نظیر وقت خود بود"
المکاتیب والرسائل۔ ص ۱۹

اکبری کے سب فتنوں کی طرف اشارہ کردیا ہے اور اپنے پریشان دل کی دھڑکن کو اپنے پیرو مرشد کے کانوں تک پہنچا دیا ہے۔

شیخ محدثؒ اپنے مرشد کا جو ادب و احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس عبارت سے لگایا جاسکتا ہے۔ لکھتے ہیں :-

"نقل ایں چند کلمہ اتفاق افتاد، ہر بار کہ می خواست کہ بجانب ایشاں عریضہ بنویسد وچیزے ازیں سخنان کہ بنظر درآمدہ نقل نماید، حیا وحجاب مانع می آمد وناحرمیت وناہلیت خود منظور می افتاد تا دریں مرتبہ کہ قلم تقدیرے بے سابقہ تامل وتدبر جریان یافت وکلمہ چند بظہور آمد معذور خواہند داشت" [1]

خواجہ باقی باللہؒ نے ایک مرتبہ اُن کو خط میں کچھ راز کی باتیں بتائیں۔ شیخ محدثؒ کو اس قدر خوشی ہوئی کہ پھولے نہ سماتے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ کس طرح ——— "ایں حقیر را بایں سخن ..... مخاطب ساختہ" [2]

حضرت خواجہ صاحب کو بھی اُن سے بڑی محبت اور خصوصیت تھی۔ اُن کے خطوط کو نہایت ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ ملفوظات باقیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں دلچسپی سے پڑھی جائیگی۔

"روزے عنایت نامۂ بندگان حضرت مخدومی حاجی شیخ عبدالحق کہ با مضامین حقائق آمیز وکلمات نصائح انگیز نسخۂ سعادت را عنوانے بود، رسید، بنظر آں مکتوب کلمہ چند از آثار کلک بدائع نگار حضرت ایشاں بنظر تعطش اثر درآمد وملے

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت مخدومی حاجی شیخ عبدالحق کا عنایت نامہ جو حقیقت میں حقائق آمیز مضامین اور نصائح آمیز کلمات کا نسخۂ سعادت بلکہ اس کا عنوان تھا پہنچا۔ خط کی پشت پر چند کلمے حضور کے قلم سے لکھے ہوئے نظر پڑے۔ ایک ایسی حالت اور

[1] و [2] کتاب المکاتیب والرسائل۔

بخشید کہ از حوصلۂ کاغذ و قلم بیروں است
مجملے از ذوق آں دریں مصرعہ یافتہ می شود ؎
نہادم روے بر روئے وے و از خویشتن رفتم
و آں کلمات حقائق آیات این است
اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من
الظلمٰت الی النور۔
ہر چہ نوشتنی بود در صحیفہ بندگان
مخدومی مندرج است زیادہ چہ
نویسم بارے فرصت و قوت بلکہ
وقت و نفس را غنیمت شمردہ بمقتضائے
آن زندگانی میباید کرد، دریغ کہ ایں
عاجز گرفتار را قوت کار نماندہ وگرنہ
بتوفیق اللہ دریں دو روزہ عمر
دیوانہ وار ماتم بازماندگی خود میداشت
و زندگانی فدائے ایں راہ می کرد حق تعالےٰ
دریں افتادگی نیز دردے و آشوبے
کرامت فرماید کہ کار دو جہاں خود را
در قبضہ اقتدار او نہادہ از مجموع
گرفتاریہا فراغے بیابم۔ آمین یارب
العلمیں۔ امید از آں برادر آنست
کہ روئے بر خاک نہد و از برائے حصول

وجد طاری ہوا کہ کاغذ و قلم کے حوصلہ سے
خارج ہے۔ اس ذوق کا نمونہ مجملاً اس مصرعہ
میں پایا جاتا ہے ؎ یعنی میں نے اپنا منہ اس کے
منہ پر رکھا اور اپنے آپے سے بے آپے ہو گیا۔
حضور نے جو کلمات حقائق آمیز لکھے تھے وہ یہ
ہیں "اللہ ایمان والوں کا حامی و مددگار ہے کہ
اُن کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی
روشنی میں لاتا ہے" جو کچھ لکھنا تھا بندگان
مخدومی کے خط میں لکھا گیا۔ زیادہ کیا لکھوں
ہاں اتنا لکھتا ہوں کہ فرصت اور قوت بلکہ
وقت اور نفس کو غنیمت شمار کر کے اس کے
مناسب زندگی کرنی چاہیے۔ افسوس کہ اس
عاجز گرفتار کو قوت کسی کام کی نہیں رہی۔
وگرنہ خداوندی توفیق سے اس دو دن کی
عمر میں دیوانوں کی طرح اپنی عاجزی اور
سستی کا ماتم کرتا اور اپنی زندگی کو اس
راہ میں قربان کر دیتا لیکن دعا ہے کہ خدائے
تعالیٰ اس عاجزی میں بھی ایسا درد اور
آشوب عنایت فرمائے کہ میں اپنے دین و دنیا
کے کاموں کو اس کے قبضۂ اقتدار میں سونپ
کر تمام گرفتاریوں سے فراغت پا جاؤں۔ آمین

ایں آرزوئے فقیر از خدا بخواہد کہ دعا الغائب للغائب اسرع اجابۃ آمدہ است۔ والدعاء[1]

یارب العٰلمین امید ہے کہ تم ہمیشہ خاک مذلت پر عاجزی کا منہ رکھ کر فقیر کی اس آرزو پر کامیاب ہونے کی خدا سے دعا مانگتے رہو گے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ غائب کی دعا غائب کے لیے بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ والدعا،

سلسلۂ قادریہ سے خصوصی تعلق

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو مندرجہ ذیل سلاسل کی خدمت ملی تھی :۔

(۱) قادریہ

(۲) چشتیہ

(۳) شاذلیہ

(۴) مدنیہ

(۵) نقشبندیہ

لیکن اُن کا قلبی اور حقیقی تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ اُن کی عقیدت وارادت کا مرکز حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ بعض وقتی ضروریات اور ماحول کے اثرات کی بنا پر دوسرے خانوادوں کے بزرگوں سے استفادہ کرنے پر مجبور ہوگئے تھے لیکن اُن کا دل ودماغ کا ریشہ ریشہ شیخ جیلانیؒ کے عشق میں گرفتار تھا۔ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ مجھے خواب میں حضرت غوث الاعظمؒ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر مرید کیا تھا اور بیعت ہونے کے بعد حضور سرور کائناتؐ نے بزبان فارسی بشارت دی تھی کہ "بزرگ خواہی شد"[2]

اپنی تصانیف میں جس طرح اُنھوں نے شیخ جیلانیؒ کا ذکر کیا ہے وہ ان کے جذبات عقیدت کا آئینہ دار ہے۔ شیخؒ کا نام آتے ہی اُن پر ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور اُن کا

[1] کلمات طیبات۔ ص ۵۴ ۵۵ [2] زبدۃ الآثار (قلمی نسخہ)

قلم فرطِ مسرت اور جوش عقیدت میں وجد کرنے لگتا ہے۔ اخبار الاخیار میں اُنھوں نے صرف ہندوستان کے علماء و مشائخ کا ذکر کیا ہے لیکن عقیدت کی بنا پر حضرت شیخ جیلانیؒ کے تذکرہ سے کتاب کا آغاز کیا ہے۔ ایک مکتوب میں اپنے فرزند شیخ نورالحقؒ کو لکھتے ہیں۔

"مرجع و ماوائے ما فقیراں ہمہ جناب سید کائنات و خلاصۂ موجودات است علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات بوسیلہ حضرت پیر دستگیر غریب نواز شکستہ پرور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ" [۱]

شیخ محدثؒ اپنے نام کے ساتھ بھی صرف قادریہ سلسلہ سے ہی اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں:

"عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی وطناً، البخاری اصلاً، الترکی نسباً الحنفی مذہباً، الصوفی مشرباً، القادری طریقۃً" [۲]

---

[۱] المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۹۸۔

[۲] British Museum Catalogue (Persian Ms) Rieu - Or 1107 Vol I p 14.

باب (۱۲) دوازدہم

شیخ محدثؒ اور شاہانِ وقت

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سلیم شاہ سوری کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ اور شاہجہان کے سنہ جلوس میں اُنہوں نے وصال فرمایا۔ اس مدت میں دہلی کے تخت پر مندرجہ ذیل فرمانروا بیٹھے۔

(۱) اسلام شاہ (۲) مبرز خاں

(۳) ابراہیم شاہ (۴) احمد خاں سکندر شاہ

(۵) ہمایوں (۶) اکبر

(۷) جہانگیر (۸) شاہ جہاں

آخری تین بادشاہوں کے عہد کو اُنہوں نے اچھی طرح دیکھا تھا اور حالات کا بغور مطالعہ کیا تھا لیکن اُنہوں نے کبھی سلاطین یا ارباب حکومت سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔ وہ عمر بھر گوشہ تنہائی میں رہے، اور ہمیشہ یہ کہتے رہے ؎

حقی از گوشۂ دہلی نہ نہم پا بیروں خود گرفتیم کہ ملک گجراتم دادند

اس گوشہ گیری کے متعدد اسباب تھے۔ اول تو علماء سو نے دربار اکبری میں جس طرح علم دین کی تذلیل کی تھی، اس سے علمائے حق اس درجہ بددل ہو گئے تھے کہ دربار سے قطع کر لینے ہی میں اُن کو علم و دین کی عافیت نظر آتی تھی۔ دوسرے شیخ محدثؒ کا خیال تھا کہ دربار شاہی میں آمد و رفت سے علمی کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ علمی کام اور درباداری ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں۔ تیسرے، شیخ محدثؒ کی خوددار فطرت شاعرانہ مبالغہ آرائی اور مدح و ثنا سے

انکار کرتی تھی شیخ فرید کو لکھتے ہیں :

"در حفظ مراسم مدح و تعظیم و بیان خوق و محبت بر جادۂ وسط و اعتدال ایستادن و از داثر احتیاط و نفس الامر بیروں نیفتادن در غایت دشواری است اگر باب مبالغہ در مدح و ثنا در نامہ از جملۂ عرف و عادت عاطل بود و اگر رہ و عزیمت دین و صولت یقین باطل شود اے کاش ایں رسم و عادت در عالم نبود ے"[1]

جس شخص کی فطرت مبالغہ کے القاب تک لکھنے سے گھبراتی ہو وہ دربار میں قصیدہ خوانی کا کام کس طرح کر سکتا تھا! شیخ محدث نے امرا میں بھی صرف اُن سے تعلقات رکھے ہیں جن کو کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ یہ بوریہ نشین شہنشاہ اُن کے سامنے تعظیم و ادب سے حاضر ہوں۔

شیخ محدث کے حزم و احتیاط اور سیاست سے علیحدہ رہنے کی خواہش کا یہ حال تھا کہ ان کو تاریخ لکھنے میں بھی اس لیے تامل تھا کہ اس طرح بھی سیاست میں کچھ نہ کچھ دخل ہو ہی جاتا ہے۔ ع

درویش ترا زذکر شاہاں چہ غرض

اکبری عہد میں جب ملت کی پریشاں حالی اور ابتری کا دل پر اثر ہوا تو حجاز چلے گئے۔ جب شیخ عبدالوہاب متقی نے مجبور کر کر ہندوستان واپس کر دیا تو یہاں آکر گوشہ نشین ہو گئے۔ جب اکبر کا انتقال ہوا تو اُنھوں نے شیخ فرید کو عربی زبان میں ایک نہایت ہی پُر معنی خط لکھا[2]۔ مراۃ الحقائق میں لکھا ہے کہ یہ خط شیخ فرید کی معرفت جہانگیر کو بھجوایا گیا تھا[3]۔

اکبر کے عہد میں مذہب کا جو حال ہوا تھا اس سے شیخ محدث کا دل مجروح ہو چکا تھا

---

[1] المکاتیب والرسائل [2] ملاحظہ ہو ضمیمہ

[3] مراۃ الحقائق۔ ص ۵۶۔ " ایں رسالہ در واقعہ رحلت جلال الدین اکبر بادشاہ برکن السلطنت نواب سید فرید مرتضیٰ خاں برائے اطلاع و آگہی نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ فرستادہ شدہ"

جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت اُنہوں نے ضروری سمجھا کہ نئے بادشاہ کو اس کے فرائض اور پابندیوں سے آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک رسالہ نورانیہ سلطانیہ تصنیف کیا اور اس میں "قواعد وارکان سلطنت" پر تفصیلی بحث کی۔ بعد کو شاہجہان کے لیے اُنہوں نے ایسی چالیس احادیث جمع کیں جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کو نصیحتیں فرمائی ہیں اس رسالہ کا نام اُنہوں نے "ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین" رکھا۔

اکبر کے انتقال کے بعد غالباً شیخ محدثؒ نے شاہان سے کچھ تعلقات رکھنے ضروری سمجھے تاکہ دین کی صحیح تعلیم کسی نہ کسی طرح اُن تک پہنچائی جا سکے۔ ممکن ہے کہ شیخ محدثؒ کے رویہ میں اس تبدیلی کا سبب حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی تعلیم ہو۔ خواجہ صاحب کا اصول یہ تھا کہ جھونپڑوں سے لے کر محلوں تک ارشاد وتلقین کا ہنگامہ برپا کرنا چاہیے۔ اور سلاطین سے علیحدہ رہنے کی بجائے اُن کو متاثر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے

جہانگیر کے ۱۷ سنہ جلوس میں شیخ محدثؒ بادشاہ سے ملاقات کے لیے دربار میں تشریف لے گئے۔ جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے ___

"شیخ عبدالحق دہلوی کہ از اہل فضل و ارباب سعادت است، دریں آمدن دولت ملازمت دریافت، کتابے تصنیف نمودہ بود مشتمل بر احوال مشائخ ہند بنظر در آمدہ خیلے زحمتہا کشیدہ، مدتہا است کہ در گوشۂ دہلی بوضع توکل و تجرید بسر می برد مرد گرامی است صحبتش بے ذوق نیست۔ بانواع مراحم دلنوازی کردہ رخصت فرمودم"[۱]

شیخ عبدالحق دہلوی جو اہل فضل اور ارباب سعادت میں سے ہیں۔ میرے یہاں آنے پر تشریف لائے انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں ہندوستان کے مشائخ کے حالات درج ہیں۔ میں نے اس کو دیکھا۔ اس کی تصنیف میں اُنہوں نے بڑی محنت کی۔ وہ مدت سے دہلی کے ایک گوشہ میں توکل و تجرید کی زندگی گزار رہے ہیں، وہ مرد گرامی ہیں ان کی صحبت بے ذوق نہیں۔

۱۔ تزک جہانگیری۔ ص ۲۸۲ (سرسید ایڈیشن ۱۸۶۳ء)

انگریز مورخین نے خط کشیدہ عبارت کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اور کچھ ایسا ترجمہ کر دیا ہے جس سے جہانگیر کا مفہوم بالکل ہی بدل گیا ہے۔ ایلیٹ عبارت خط کشیدہ کا ترجمہ کرتا ہے[1]

"He had suffered a great deal of trouble and was living in retirement at Delhi; resigned to his lot and trusting in God"

"اُنھوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور وہ دہلی میں ایک گوشہ تنہائی میں رہتے تھے، اپنی قسمت پر قانع اور خدا پر توکل کیے ہوئے"

روجرس لکھتا ہے[2]:-

"He had endured some hardships and for a long time had lived in Delhi in seclusion and the practice reliance on God and of asceticism."

اُنھوں نے کچھ تکالیف برداشت کی تھیں اور بہت عرصے وہ دہلی میں سب سے علیحدہ رہتے تھے، خدا پر بھروسہ کرتے تھے اور تجرید کی زندگی بسر کرتے تھے۔

دونوں مصنفوں نے "خیلے زحمتہا کشیدہ" کا مطلب غلط سمجھا ہے۔ جہانگیر نے یہ جملہ اخبار الاخیار کی تصنیف میں شیخ محدثؒ کی محنت، تلاش اور تحقیق کے متعلق لکھا ہے۔ ایلیٹ اور روجرس نے اس کو دوسرے جملے کے ساتھ ملا کر اس کا مطلب یہ کر دیا کہ شیخ نے دہلی میں اپنا وقت سخت تکلیف

---

[1] Elliot and Dowson's History of India Vol VI p 366.
کس قدر جرأت اور دیدہ دلیری کی بات ہے کہ یہی ایلیٹ، تاریخ حقی کے اقتباس کے سلسلہ میں جب شیخ عبدالحق محدثؒ کا ذکر کرتا ہے تو ان کو ابن الوقت یا زمانہ ساز بزرگ (Time-Serving saint) لکھتا ہے (جلد ششم ص ۱۷۸) شیخ محدثؒ کی پوری زندگی اس جملہ کی تردید کرتی ہے۔ اگر ایلیٹ شیخ کے حالاتِ زندگی سرسری نظر سے مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کرتا تو اس کو یہ بات لکھتے ہوئے شرم محسوس ہونے لگتی۔

[2] English Translation by Alexander Rogers, Vol II p. 111.

اور مصیبت میں گزارا تھا۔

جہانگیر نے شیخ محدثؒ کی "وضع توکل" سے متاثر ہو کر ایک گاؤں "بکروالا"[۱] جاگیر کے طور پر پیش کیا، شیخ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ بادشاہ کے اصرار پر آپ نے مجبوراً قبول کر لیا۔ آخری زمانہ میں جہانگیر کے تعلقات شیخ محدثؒ سے خراب ہو گئے تھے۔ داراشکوہ کا بیان ہے :

در وقتے کہ جہانگیر بادشاہ در کشمیر بودند بعضی مردمان سخناں غیر واقع از طرف شیخ عبدالحق دہلوی کہ امام محدثان وقت اند و مرزا حسام الدین کہ از مریدان باکمال شیخ احمد سرہندی بودہ اند، بعرض بادشاہ رسانیدند"[۲]	جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ کشمیر میں تھے، کچھ لوگوں نے شیخ عبدالحق دہلوی (جو محدثان وقت کے امام ہیں) اور مرزا حسام الدین (جو شیخ احمد سرہندی کے مریدان باکمال میں ہیں) کے متعلق بے سروپا باتیں بادشاہ کے کانوں میں ڈال دیں۔

جہانگیر نے دونوں کو کشمیر بلوایا۔ شیخ نورالحقؒ کو حکم ہوا کہ کابل چلے جائیں۔ شیخ محدثؒ جب لاہور پہنچے تو سخت تنگ دل اور پریشان تھے۔ حضرت میاں میر صاحبؒ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ پیرانہ سالی میں وطن سے اور بچوں سے جدا ہونے کا بڑا خیال ہے۔ شیخ ابھی کشمیر نہ پہنچے تھے کہ جہانگیر کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ دہلی واپس آگئے۔

---

[۱] مصنف مراۃ الحقائق لکھتے ہیں: دہلی سے نو کوس بگوشہ غرب و جنوب قریب سڑک پختہ روندہ منڈوی بھوانی کے واقع ہے۔ رقبہ اس کا سات ہزار چھ سو بیگہ خام ہے اور اڑتیس چاہات پختہ واقع ہیں جمع اس کی اس وقت کثیر تھی۔ چنانچہ بسبب تیز میری آمدنی سالانہ اپنی حصہ ششم کی از روئے بٹائی (کہ جو بٹائی نصف لا لی مشہور ہے) ایک ہزار روپیہ کی ہوتی تھی لیکن اب بموجب بندوبست انگریزی قریب دو ہزار روپے کے رہ گئی ہے تقسیم اس کی مدت سے چھتیس چاہ پر باشتر سالہ باہمی چھ حصص پر ہے یعنی ہر حصہ میں چھ چاہ اور آراضی دو چاہ کی شاملاتی ہر شش حصہ داران ہے۔ انہی دو چاہ سے آب نوشی بھی سکنائے دیہ کی ہوتی ہے یہ گاؤں اب تک ہم لوگوں یعنی اولاد در اولاد حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے قبض و تصرف میں چلا آتا ہے اور بہت کچھ انقلابات ہوئے اور دیہات معافی گرد و نواح اس کے ضبط ہوئے مگر یہ بدستور معافی رہا ہے۔" ص ۸۹

[۲] سکینۃ الاولیا، (قلمی نسخہ) ص ۶۴-۶۵۔

جیساکہ داراشکوہ نے خود لکھ دیا ہے یہ محض بہتان تھا۔ ورنہ شیخ محدث کا مسلک تو یہ تھا۔

رموز مصلحت ملک خسرواں دانند　　گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

داراشکوہ نے "سخنان غیر واقع" کی وضاحت نہ کر کے شیخ محدث کی زندگی کے اہم حادثہ کی صحیح نوعیت کو سمجھنے میں بڑی دشواری پیدا کر دی ہے۔ مراۃ الحقائق میں لکھا ہے کہ نورجہاں اور شیخ محدث کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ ممکن ہے کہ نورجہاں ہی ان "سخنان غیر واقع" کی ذمہ دار ہو۔ مشہور ہے کہ ایک بار نورجہاں نے شیخ محدث کو بلایا۔ شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا: "فقیر کا بادشاہوں یا بیگمات کے پاس کچھ کام نہیں ہے۔ فقیر کے لائق جو امر ہو کہلا بھیجے کہ اس کے انجام میں حتی الامکان دریغ نہ ہوگا۔"[1]

---

[1] مراۃ الحقائق۔ ص ۸۷۔

باب سیزدہم (۱۳)

وصال

۲۱- ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے[1] سال تک فضلائے ہند کو اپنی ضوفشانی سے منور رکھا تھا، غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

وصیت نامہ میں لکھا تھا:-

"دعا و تمنائے فقیر از درگاہ الہی است اللهم ارزقنی شهادة فی سبیلك واجعل موتی ببلد رسولك اگر ایں دعا قبول افتاد ہیچ حاجت بوصیت نیست، واگر دریجا اجل رسید بالائے حوض شمسی کہ جائے پاکاں و مغفوران است دفن کنند"

چنانچہ ان کے جسد خاکی کو حوض شمسی کے کنارے ہی سپرد خاک کیا گیا۔ وصیت نامہ میں قبر کے متعلق یہ ہدایات تھیں

"قبر وسیع بکنند۔ تجاوز از حد اعتدال و درون قبر گچ نکنند۔ و دیوارہائے او بخشت خام برآرند و بدیوار ہایں طاق بسازند و شجرۂ پیران دراں نہند"

اس کے بعد لکھا تھا کہ شیخ سیف الدین کے کفن پر جو عبارت لکھی گئی تھی وہ قبر پر جلی حروف میں لکھ دی جائے۔ اور

"اگر مصلحت دانند لوح قائم کنند کہ در وے تاریخ ولادت و فوت یا بعضے از احوال تحصیل و سفر و اوقات آنرا باختصار نوشتہ بکنند۔

وصیت کے مطابق شیخ نور الحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور مزار پر یہ کتبہ نصب کرایا:-

---

[1] خافی خاں نے غلط لکھا ہے کہ "زیادہ از صد سال مرحلۂ عمر طے نمودہ" ص ۲۳۰۔

"مجملے از احوال کرامت منوال ایں شیخ وقت مقتدائے زماں صاحب المفاخر والمجد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً آنکہ از مبادی شعور بطاعت حق وطلب علم کمر بستہ نزدیک باوان بلوغ اکثر علوم دینی تحصیل کردو در سن بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ وکلام مجید از برگرفتہ بر مسند افادہ نشست۔ وہم در عنفوان جوانی جاذبۂ الٰہی در رسید بیکبار دل از یار ودیار برکندہ، متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے مدید بآں مقامات شریفہ اقامت ورزیدہ باقطاب زماں واولیائے کبار صحبتہا داشتہ بوداع ارجمند ورخصت ارشاد طالبان اختصاص یافت۔ وعلاوہ آں تکمیل فن حدیث نمودہ با برکات فراواں بوطن مالوف مراجعت فرمود۔ ومدت پنجاہ و دو سال بجمعیت ظاہر وباطن تمکن یافتہ تکمیل فرزندان وطالبان بجا آورد۔ وبنشر علوم سیما بعلم شریف حدیث پرداختہ بنہجیکہ در دیار عجم احدے را از علمائے متقدمین ومتاخرین دست ندادہ است۔ ممتاز ومستثنیٰ گردید۔ و در فنون علمیہ خاصۃً فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد۔ چنانکہ علمائے زماں اعتنا بآں ورزیدہ دستور العمل خود دارند۔ واہل دانش از خواص وعوام بجاں خریداری می نمایند۔ تصانیف ایں فیاض والاگہر از صغیر وکبیر بصد مجلد وبحسب شمار ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است در محرم ۹۵۸ھ ایں نور اتم پرتو ظہور بعالم عنصری زاد۔ و در ۱۰۵۲ھ تمام آگہی وکشادہ پیشانی بعالم قدس خرامید۔ تاریخ ولادت شیخ اولیا ۹۵۸ھ۔ وتاریخ رحلت فخر عالم ۱۰۵۲ھ است"

لوح مزار کی یہ عبارت اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ بہت سے مصنفین نے شیخ محدث کے حالات میں صرف اسی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مولوی انوار الحق نے اس عبارت کو کتاب المکاتیب والرسائل کے ساتھ طبع کرا دیا ہے۔

مراۃ الحقائق میں مقبرے کے متعلق لکھا ہے:

"ایسا سنا ہے کہ نواب مہابت خاں سپہ سالار عہد شاہجہان نے حضرت کی حیات میں

کنارہ حوض شمسی پر بنوایا تھا۔ نواب ممدوح کو حضرت سے عقیدت مفرط تھی۔ معمار یا مہتمم نے حضرت شیخ سے جب اطلاع کی کہ حضرت مقبرہ تیار ہے۔ فرمایا کہ ہم بھی تیار ہیں[1]
سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ یہ مقبرہ وفات کے بعد تیار ہوا۔ میرے خیال میں سرسید کی رائے صحیح ہے۔ نواب صاحب کا انتقال شیخ محدث کے وصال سے آٹھ سال قبل ہو گیا تھا۔

---

[1] مرآۃ الحقائق۔ ص ۹۲۔

باب چہاردہم[۱۴]

شیخ محدثؒ کا مکان، مدرسہ اور کتب خانہ

دہلی دروازہ سے آگے، باغ مہدیاں کے قریب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مکان، خانقاہ اور مسجد واقع تھی۔ خانقاہ کی طرف خود انہوں نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں اس طرح اشارہ کیا ہے:-

تَمَّ فی الخانقاہِ القادری وھٰذا الفقیر یخدمہ و یکنسہ و یوقد سراجہ کانما تَمَّ فی مجلسٍ وَاحِدٍ۔

(یہ کتاب خانقاہ قادریہ میں ختم ہوئی جس کی خدمت یہ فقیر کرتا ہے اور اس میں جھاڑو دیتا ہے اور وہاں کا چراغ روشن کرتا ہے۔ گویا کہ یہ کتاب ایک جلسہ میں تمام ہوئی)

شیخ کی خانقاہ کا کچھ حصہ انیسویں صدی کے آخر تک موجود تھا۔ منشی برکت علی حنفی مصنف مراۃ الحقائق نے اس کی زیارت کی تھی۔ مسجد کی اس زمانہ میں مرمت کرائی گئی تھی۔

شیخ محدث کے مکانات کی زمین کی پیمائش اُن کے خاندان کے لوگوں نے کرائی تھی۔ کل رقبہ چھ بیگہ اور چند بسوہ تھا۔ شیخ کے خاندان کے لوگ ہی اس پر قابض تھے۔

شیخ محدثؒ نے جس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی اور جس کی نسبت اخبار الاخیار میں لکھا ہے۔

"ہر روز با وجود غلبہ برودت ہوائے زمستاں و شدت حرارت تابستاں دو بار بمدرسہ دہلی کہ از منزل ما بعد دو میل داشتہ باشد میل میکردیم۔ و مدتے پیشتر از وقت صبح بمدرسہ می رسیدیم و در سایہ چراغ جزومی کشیدیم۔"

پرانے قلعہ کے قریب واقع تھا۔ مراۃ الحقائق میں اس کے متعلق لکھا ہے۔

"یہ مدرسہ بعمارت پختہ دو منزلہ مع مسجد مقابل قلعہ کہنہ لب سڑک دہلی و آگرہ واقع ہے یعنی دروازہ قلعہ کا بجانب غرب ہے اور اس مدرسہ کا بسمت شرق ہے۔ یہ مکان مدرسہ اب تک اپنی ہیئت پر بدستور قائم ہے۔ سامنے دروازہ سے مسجد اس کی نظر آتی ہے۔ اور گرد صحن کے ہر چہار طرف مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ تر پتہ یہ ہے کہ بسمت دکھن جو دیوار مکانات بالائی کی ہے۔ اس میں چند دروازے باہر کی طرف ہیں کہ منجملہ اُن کے کوئی دروازہ پتھر اور چونے سے مسدود شدہ ہے اور کوئی بدستور کشادہ ہو کر یہ ہیئت پول سے جانے والوں کو دور سے دکھائی دیتی ہے اور جانب شمال متصل اس مدرسہ کے ایک ایسا ہی مکان عظیم الشان اسی زمانہ کا بنا ہوا ہے اور اس کے دروازہ صدر پر سنگ سُرخ لگا ہوا ہے" [1]

ایک ایسے دور میں جبکہ پبلک کتب خانے وجود میں نہیں آئے تھے ہر تصنیفی کام کرنے والے کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ ایک ذاتی کتب خانہ جمع کرے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کر دیا۔ اس نصف صدی میں اُنھوں نے عرب و عجم کے علمی نوادر اپنے کتب خانہ میں سمیٹ لیے تھے۔ ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر فن پر اُن کے پاس معیاری کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔ شرح سفر السعادت لکھنے بیٹھے تو حدیث، تفسیر و فقہ کی کتابوں کا ڈھیر سامنے تھا۔ اخبار الاخیار مرتب کرنے لگے تو اسلامی ہند کا سارا مذہبی لٹریچر پیش نظر تھا۔ حجاز میں قیام کے دوران میں انھوں نے کثیر تعداد میں کتابیں حاصل کی تھیں۔ اس طرح ان کا کتب خانہ ہندوستان کے نہایت ہی بیش قیمت علمی ذخیروں میں تھا۔ شیخ محدثؒ کے کتب خانہ کی جو کتاب بھی خاکسار کے نظر پڑی ہے اس پر شیخ کے دست مبارک سے تصحیح و مقابلہ کے نشانات ضرور ملے ہیں۔ اس سے ان کے کتب خانہ کی افادیت اور علمی حیثیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ شیخ کا یہ کتب خانہ ان کے وصال کے بعد عرصہ تک صحیح حالت میں رہا۔ اُن کے فرزند

[1] مراۃ الحقائق۔ ص ۱۰۳

شیخ نور الحقؒ اور پھر اُن کی اولاد علمی ذوق رکھتی تھی۔اس طرح اس کتب خانہ کی نگرانی اور نگہداشت ہوتی رہی۔ اٹھارہویں صدی میں جب دہلی کی سیاسی فضا بدلی اور مرہٹوں سکھوں اور جاٹوں نے مسلسل ہنگامہ آرائی پر کمر باندھ لی تو معنوی دولت کے یہ خزانے بھی دست بردسے محفوظ نہ رہ سکے۔ شیخ محدثؒ کی روح ان ہنگاموں کو دیکھ رہی تھی اور جس کتب خانہ کو نصف صدی کی جگر سوزی کے بعد جمع کیا تھا اُس کی تباہی کو دیکھ کر بے اختیار زبانِ حال سے کہہ رہی تھی ؎

اس دور میں ہر اک تہ چرخ کہن لٹا
اوروں کا زر لٹا مرا نقدِ سخن لٹا

شیخ نور الحق کے پوتے شیخ الاسلامؒ شرح بخاری کی دوسری جلد کے خاتمہ پر شیخ محدثؒ کے کتب خانہ کی بربادی کا حال اس طرح لکھتے ہیں :۔

"تمام شد ..... در ہنگام تشتت بال و پریشانی حال از نہب و غارت خانہ در محلہ شہر کہنہ دہلی کہ باستیلاء کفار عتاۃ باتفاق طغاۃ و لمغاۃ واقع شد و ذہاب کتب خانہ قدیمہ و جدیدہ کہ بسیار ازاں دریں دیار کمیاب بود و بعضے ازاں بہ تصحیح و تحشیہ و تدریس شیخ المحدثین شیخ اجل محقق دہلوی بود رحمۃ اللہ علیہ ..... ماند در خانہ گر چند کتب در گوشہائے شکستہ افتادہ"

حصہ دوم

تصانیف

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے پورا ترانوے[۹۴] سال کی عمر پائی۔ اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا جس جوش و خروش سے انہوں نے جوانی میں کام شروع کیا تھا اسی جذبے اور ہمت کے ساتھ آخر عمر تک انجام دیتے رہے۔ عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے:

"باآنکہ عقود زندگیش بتسعین پیوستہ است از سلامت قویٰ بانواع طاعات و ریاضات و تعلیم و تالیف و تصحیح بسان ایام شباب می پردازد"[۱]

اُن کی تصانیف کی تعداد عبدالحمید لاہوری[۲]، محمد صالح کنبوہ[۳] اور خافی خاں[۴] نے تو یا سو سے کچھ زیادہ بتائی ہے۔ اس اندازہ میں مورخین نے غلطی کی ہے۔ اُنہوں نے وہ مضامین و رسائل بھی علیحدہ کتاب تصور کر لیے ہیں جو حقیقت میں ایک ہی کتاب کا جزو ہیں۔

شیخ محدث نے اپنی تصانیف کی فہرست خود ایک رسالہ میں جس کا نام تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف ہے دی ہے۔ یہ فہرست جس وقت مرتب کی گئی تھی اس وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ اسی فہرست کے اختتام پر فرماتے ہیں:

"ہنوز سلسلہ سخن دراز است و در فیض الٰہی باز تا بکجا رسد و بکجا رساند"

اس فہرست میں ۴۹ کتابوں کے نام درج ہیں۔ ان میں ایک کتاب یعنی المکاتیب و الرسائل میں ۶۸ رسائل شامل ہیں۔ اگر اس میں سے ہر رسالہ کو الگ تصنیف مانا جائے (جیسا کہ عبدالحمید لاہوری اور محمد صالح کنبوہ نے کیا ہے) تو تصانیف کی تعداد ۱۱۶ ہو جاتی ہے لیکن میرے خیال میں ان رسائل کو ایک ہی کتاب سمجھنا چاہیے، جیسا کہ خود شیخ نے بھی ہدایت فرمائی ہے:

"ایں ہمہ را یک صحیفہ سازند و در یک جلد شیرازہ بہ بندد"

فہرس التوالیف کو مرتب کرنے کے بعد شیخ محدثؒ نے گیارہ کتابیں اور تصنیف فرمائیں

---

[۱] بادشاہنامہ حصہ دوم ص ۲۴۱-۲۴۲ [۲] و در فنون دانش یک صد و کسری از تصانیف مختصر و مطول دارد۔ بادشاہ نامہ۔ [۳] و یک صد و چند کتاب از تصانیف مختصر و مطول بر صفحۂ روزگار گذاشتہ۔ شاہجہاں نامہ ج ۳ ص ۳۸۴ [۴] صد کتاب از ہمہ علوم عقلی و نقلی تالیف فرمودہ" منتخب اللباب۔ ج ۱ ص ۲۴۰۔

تھیں۔ اس طرح اُن کی کُل تصانیف کی تعداد ساٹھ ہوتی ہے۔ ان تصانیف کے موضوع مختلف ہیں، لیکن مقصد ایک ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

جیسا کہ خود انہوں نے کتاب الرسائل میں کہا ہے وہ اس بات پر مامور تھے کہ سوائے سنت و شریعت کے کسی موضوع پر گفتگو نہ کریں، چنانچہ ان کی تمام ادبی کاوشوں کا مرکز و محور شریعت و سنت ہی ہے۔

شیخ محدثؒ کی تصانیف فن و موضوع کے اعتبار سے مندرجہ ذیل عنوانات کے ماتحت آتی ہیں۔

(۱) تفسیر	(۶) تصوف	(۱۱) سیر
(۲) تجوید	(۷) اخلاق	(۱۲) نحو
(۳) حدیث	(۸) اعمال	(۱۳) ذاتی حالات
(۴) عقائد	(۹) فلسفہ و منطق	(۱۴) خطبات
(۵) فقہ	(۱۰) تاریخ	(۱۵) مکاتیب

(۱۶) اشعار

جب اس چیز پر غور کیا جاتا ہے کہ ایک ہی قلم سے یہ مختلف النوع تصانیف نکلی ہیں اور ان سب کا علمی معیار نہایت اعلیٰ ہے تو شیخ محدثؒ کے علمی تبحر کا غیر فانی نقش دل پر قائم ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

باب (۱) اوّل

تفسیر

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تین تصانیف اس عنوان کے ماتحت آتی ہیں ــــ

(۱) تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی۔

(۲) شرح صدور تفسیر آیت النور۔

(۳) تحصیل الغنائم والبرکات بہ تفسیر سورۃ والعادیات۔

تفسیر کے سلسلہ میں شیخ محدثؒ کا عقیدۂ راسخ یہ تھا کہ فلسفیانہ موشگافیوں سے کلی طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔ وضعیت سے کلام ربانی کی تاثیر کم ہو جاتی ہے۔ قرآن براہ راست انسان کے مذہبی وجدان و شعور کو آواز دیتا ہے۔ چنانچہ صحیح تفسیر وہی ہے جو انسان کے ہوش و گوش کو اس آواز کے سننے کے لیے آمادہ کر دے۔

علامہ عبداللہ بن عمر البیضاویؒ (المتوفی ۱۲۹۱ء) کی مشہور تفسیر انوار التنزیل و الاسرار التاویل کو عموماً بہت معتبر سمجھا جاتا ہے۔ شیخ محدثؒ کی نظر میں اس کی بہت سی خامیاں تھیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ در تفسیر قرآن و شرح احادیث ازیں باب قباحتہا بسیار کردہ تجاوز اللہ عنہ والرآں مواضع را بشمارم سخن دراز گردد" (نکات الحق)

ایک مشہور مستشرق نالڈیکی (Noldeke) نے بھی اس تفسیر کے متعلق تقریباً اسی طرح کی رائے ظاہر کی ہے[1]

[1] ملاحظہ ہو Eny. of Islam جلد اول ص ۵۹۱

تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی۔ تفسیر بیضاوی کے کچھ حصہ پر حاشیہ ہے۔ شیخ محدثؒ کا مقصد اس حاشیہ سے یہی تھا کہ تفسیر بیضاوی کے موثر و معتبر اجزا کو ابھار دیا جائے اور دور از کار اور مشکل مباحث کو علیحدہ کر دیا جائے، تاکہ اس کی افادیت بڑھ جائے۔ اس حاشیہ کا کوئی نسخہ اب موجود نہیں ہے۔

شرح صدور تفسیر آیت النور، آیت نور السموات والارض کی تفسیر تھی جو ایک ہزار سے کچھ زائد سطروں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق مرحوم دہلوی[۱] کے کتب خانہ میں ۱۹۰۲ء تک موجود تھا۔

تحصیل الغنایم والبرکات بتفسیر سورۃ والعادیات، سورۂ والعادیات کے برکات و غنائم پر ڈھائی صفحہ کا مختصر نوٹ ہے جو المکاتیب والرسائل میں شامل ہے[۲]

---

[۱] خان بہادر مولوی انوار الحق حقی، شیخ عبدالحق محدثؒ کی اولاد امجاد سے تھے۔ دہلی میں تراہہ بہرام خاں میں رہتے تھے۔ شیخ محدثؒ کی قلمی اور مطبوعہ کتب کا بیش بہا ذخیرہ اُن کے پاس تھا۔ مراۃ الحقائق کے مصنف کو ان کے کتب خانہ سے بڑی مدد ملی تھی۔ المکاتیب والرسائل کو مولوی انوار الحق ہی نے مطبع مجتبائی دہلی سے شائع کیا تھا۔

معلوم نہیں کہ مولوی انوار الحق مرحوم کے کتب خانہ کا کیا حال ہوا، اور اب یہ جواہر پارے کہاں اور کس حال میں ہیں!

[۲] کتاب المکاتیب۔ ص ۲۸۳-۲۸۶۔

باب دوم (۲)

تجوید

شیخ عبدالحق محدثؒ نے شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے علم قرأت سیکھا تھا۔ شیخ عبدالوہابؒ علم قرأت کے ماہر استاد تھے۔ اُنھوں نے شیخ دہلوی میں بھی اس فن سے ایسی دلچسپی پیدا کردی کہ اُنھوں نے ایک کتاب "درۃ الفرید فی قواعد التجوید"[1] اسی موضوع پر تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب اب نایاب ہے اور ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں اس کے قلمی نسخے کا پتہ نہیں چلا۔

اسی عنوان کے ماتحت شیخ محدثؒ کی اور تصنیف شرح القصیدۃ الجزریہ آتی ہے۔ اس کا ایک خوشخط نسخہ ۱۳۰۱ھ کا لکھا ہوا، اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ میں موجود ہے[2]

---

[1] درۃ الفرید نام سے ہی حافظ طاہر اصفہانی کی اس فن پر ایک مشہور تصنیف ہے۔ اس کا ایک نسخہ جو رمضان ۹۶۰ھ میں لکھا گیا ہے، خاکسار کے پاس ہے۔

[2] لباب المعارف العلمیہ۔ کتاب نمبر ۱۰۹۲۔

باب (۳) سوم

حدیث

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی علمی خدمات کا خاص پہلو علم الحدیث کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں اُن کی بیش بہا خدمات پر آگے بحث کی جائیگی۔ یہاں صرف ان کی تصانیف کا ذکر مقصود ہے۔ حدیث اور علم حدیث پر شیخ محدثؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں:۔

(۱) اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ
(۲) لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح۔
(۳) ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین
(۴) جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ
(۵) جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین
(۶) رسالہ اقسام الحدیث
(۷) رسالہ شب برات
(۸) ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ
(۹) الاکمال فی اسماء الرجال
(۱۰) شرح سفر السعادت
(۱۱) اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ
(۱۲) تحقیق الاشارہ فی تعمیم البشارہ

( ) ترجمہ مکتوب النبی الاصل فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل۔

اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ | فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی نہایت جامع اور مکمل شرح ہے۔ شیخ محدث نے یہ عظیم الشان کام ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء میں دہلی میں شروع کیا تھا۔ ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء میں چھ سال کی محنت کے بعد مکمل کیا۔ کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

انکتاب شکر اللہ سعیہ واتم علیہ نعمہ وقع انفراغ من جمیع الاحادیث النبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر یوم الجمعۃ من رمضان عند رؤیۃ ہلال شوال سنۃ سبع وثلاثین وسبع مائۃ بحمد اللہ

مشکوٰۃ کی شرح لکھنے کا خیال جن حالات میں پیدا ہوا اُس کے متعلق خود فرماتے ہیں۔

بعد از رجوع از حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً وتعظیماً وحصول اجازت روایت حدیث از مشائخ آں دیار شریف چوں توفیق وتائید الٰہی تعالیٰ دستگیری کرد و در خدمت ایں علم شریف درمقام استقامت بنشاند خواست کہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح را کہ دریں روزگار بسمت تداول و اشتہار موسوم است شرح کند و از فوائد آنچہ کہ در کتب قوم دیدہ و از مشائخ وقت شنیدہ یا بخاطر فاتر وے رسیدہ بطالبان برساند۔[۲]

اشعۃ اللمعات کی تکمیل میں حضرت شاہ ابوالمعالی کے تقاضوں اور دعاؤں کو بھی بڑا دخل تھا ایک مرتبہ شیخ محدث لاہور تشریف لے گئے تو فرمایا:

"شرح مشکوٰۃ را تمام کنید ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ ازاں مستفید شوند"[۳]

شاہ صاحب نے ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ شرح میں موقع کی مناسبت سے جگہ بجگہ اشعار بھی لکھے جائیں جیسا کہ ملا حسین نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ شیخ محدث نے عرض کیا کہ

---

[۱] اشعۃ اللمعات۔ جلد چہارم۔ ص ۶۳، [۲] ایضاً جلد اول ص ۳ [۳] کتاب المکاتیب والرسائل ص ۳۰۶

[؎] اس عبارت میں کتاب کی تکمیل کا سنہ ۷۳۷ھ درج ہے جو ظاہر ہے کسی طرح درست نہیں پس یہ طباعت کی کھلی ہوئی غلطی ہے۔ "مصحح"

دوسروں کے اشعار ان کو یاد نہیں ہیں۔ فرمایا:

"شمارا حاجت بہ تہائے مردم نیست۔ انچہ شمارا باید از شما زاید، شمارا در ہیچ چیز بہ ہیچ کس احتیاج نخواہد بود، ہمہ چیز حاصل است، ان شاء اللہ تعالیٰ" [1]

اشعۃ اللمعات، چار جلدوں پر مشتمل ہے اور مطبع نول کشور سے شائع ہو چکی ہے۔ ان چار جلدوں میں مضامین کی ترتیب یہ ہے۔ پہلی جلد میں علم حدیث و محدثین پر اڑتالیس صفحات کا ایک مقدمہ ہے جس میں علم حدیث اور اقسام حدیث پر نہایت عالمانہ اور بصیرت افروز انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ، امام ابو داؤد سجستانیؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ، دار قطنی، بیہقی، رزین، نووی، ابن جوزی کے حالات مختصراً لکھے گئے ہیں۔ اس کی افادیت کے پیش نظر اس کو علیحدہ بھی شائع کیا گیا۔[2]

اس مقدمہ کے علاوہ پہلی جلد میں مشکوٰۃ کی مندرجہ ذیل پانچ کتابوں کا ترجمہ ہے:

(۱) کتاب الایمان (۲) کتاب العلم (۳) کتاب الطہارت
(۴) کتاب الصلوٰۃ (۵) کتاب الجنائز

دوسری جلد میں چھ کتابیں ہیں:۔

(۱) کتاب الزکوٰۃ (۲) کتاب الصوم (۳) کتاب فضائل القرآن
(۴) کتاب الدعوات (۵) کتاب اسماء اللہ تعالیٰ (۶) کتاب المناسک

تیسری جلد میں مندرجہ ذیل نو کتابیں ہیں۔

(۱) کتاب البیوع (۲) کتاب العتق (۳) کتاب الحدود
(۴) کتاب الامارۃ و القضاء (۵) کتاب الجہاد (۶) کتاب الصید و الذبائح
(۷) کتاب الاطعمہ (۸) کتاب اللباس (۹) کتاب الطب و الرقی

---

[1] کتاب المکاتیب و الرسائل۔ ص ۳۰۶-۳۰۷
[2] ۱۳۱۵ھ میں مطبع اعظم جون پور سے شائع ہوا۔

چوتھی جلد میں دو کتابیں ہیں —

(۱) کتاب الآداب (۲) کتاب الفتن

چاروں جلدیں ۲۶۵۵ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان ڈھائی ہزار صفحات میں شیخ محدث[1] نے مشکوٰۃ کی شرح کا حق پوری طرح ادا کر دیا ہے۔

اشعۃ اللمعات کے قلمی نسخے حبیب گنج (علی گڈھ)[1] اسلامیہ کالج پشاور[2] ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ[3] برٹش میوزیم[4] بانکی پور، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ[5] اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان سب نسخوں میں حبیب گنج کا نسخہ سب سے زیادہ قدیم اور قابل قدر ہے۔

اس کے خاتمہ پر مصنف کے دست مبارک کی یہ عبارت ہے:

"تمام شد تسوید ایں کتاب عشیۂ یوم الاربعا وبیست وچہارم ربیع الآخر سنہ ہزار وبیست ونہ از ہجرت سید المرسلین وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین وبود ابتدائے تالیف سیزدہم ذی الحجہ سنہ یک ہزار ودوازدہ وبہ تحقیق درآمد درمیان مشاغل دیگر از تالیفات دیگر[6] کہ مجموع سہ سال وکسرے باشد وتمام شد در خانقاہ قادریہ در دہلی کہ ایں بندہ خدمت میکند اورا وچراغ (می کشد) می افروزد چراغ آں را۔ وبود ابتدا وختم در یک مکان گویا در مجلس واحد تمام شد مقصود وبیان توفیق الٰہی ست سبحانہ واعطاہ"

---

[1] مقالات شیروانی، ص ۲۲۵، ۲۲۶۔ نیز رسالہ "معارف" اکتوبر ۱۹۲۳ء ص ۲۷۷۔

[2] نمبر ۲۱۵۔

[3] Catalogue of the Arabic and Persian Books and Mss in the Library of the Asiatic Society of Bengal, by Ashraf Ali p3.

[4] Catalogue of Mss in the British Museum, Vol I Rieu (1879) Ms. No. 1107 Or

[5] نمبر ۱۱۹۲، ۱۱۹۳۔ سبحان اللہ کلیکشن ۲۹۷/۲، ۲۹۷/۳، و ۲۹۷/۴ شیفتہ کلیکشن ۴/۵۔

[6] اسی زمانہ میں شرح فتوح الغیب اور دیگر رسائل کی تکمیل ہوئی۔

وے استقامت مرا تخصیص دے تعالیٰ بندۂ مسکین را بسلامت و عافیت والحمد للہ۔ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً حُرّرت ہٰذہ الاسطر علیٰ ید مولفہ الفقیر الحقیر عبدالحق بن سیف الدین القادری الدہلوی البخاری۔ ضحوہ یوم الجمعہ ۱۰۴۹ھ سنہ الف و تسع واربعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین"

اس عبارت کی تحریر کے وقت شیخ محدث کا سن شریف اکیانوے برس کا تھا مگر بقول نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب مرحوم "خط میں ہاتھ کی کمزوری یا نگاہ کے ضعف کا بال برابر اثر نہیں ہے"[1] خاتمہ کتاب پر لکھا ہے:۔

"ترجمہ مشکوٰۃ شریف تصنیف حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ کہ در خاتمہ کتاب دستخط حضرت شیخ درج است بہ ہدیہ یکہزار و دو صد روپیہ گرفتہ"

یہ عبارت بھی کافی قدیم ہے۔ اس سے اس زمانہ میں شیخ محدث کی تصانیف کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حبیب گنج کے نسخہ کے بعد ایشیاٹک سوسائٹی اور اسلامیہ کالج کے نسخے بہت قابل قدر ہیں۔ دونوں کا سنہ کتابت ۱۰۹۶ھ ہے یعنی مصنف کے چینتالیس سال بعد۔

لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح عربی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ فہرس التوالیف میں شیخ محدث نے سر فہرست اسی کا ذکر کیا ہے۔ شیخ محدث جب اشعۃ اللمعات کی تصنیف میں مصروف تھے تو بعض مضامین ایسے پیش آئے جن کی تشریح کو فارسی میں مناسب نہ سمجھا فارسی عوام کی زبان تھی بعض مباحث میں عوام کو شریک کرنا مصلحت کے خلاف تھا لہٰذا جو باتیں فارسی میں قلم انداز کر دی تھیں وہ عربی میں بیان کر دیں۔ فرماتے ہیں:۔

"در اثنائے مطالعہ آں سخناں روئے نمود کہ درج آں در شرح فارسی مناسب نباشد و اندوست و ادن آں سخناں را نیز گنجائش ندید، پس در شرح آں طلبسات عزبی نیز شروع نمود تا چند گاہ ہر دو شرح

---

[1] مقالات شروانی۔ ص ۲۴۶۔

فارسی و عربی مع انسوید یافت، آخر چناں گشت کہ عربی چوں اسپ تازی بیشتر رفت و تمام شد فارسی
درنیمہ راہ ماند چوں امر از نظر ثانی بران مقید شد و تبیض مؤد و زمانے مدید بران گشت و مسودۂ فارسی
حکم نسیا منسیا گرفت باز امر شد کہ فارسی نیز تمام گردد"[۱]

۲۴۔ رجب ۱۰۲۵ھ کو شیخ محدثؒ لمعات التنقیح سے فارغ ہوئے۔

لمعات میں لغوی و نحوی مشکلات اور فقہی مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کیا گیا ہے۔
علاوہ ازیں احادیث سے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔ خود فرماتے
ہیں کہ اس شرح کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرت امام شافعیؒ اصحاب الرائے میں
سے ہیں اور حضرت امام اعظمؒ اصحاب ظواہر میں سے۔ لمعات کے شروع میں جو مقدمہ
ہے وہ نہایت جامع اور مفید ہے اور مشکوٰۃ کے متن کے ساتھ اور علیحدہ شائع کیا گیا ہے[۲]
لمعات التنقیح ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کے قلمی نسخے بانکی پور[۳]۔ رامپور[۴]
حیدرآباد[۵] ایشیاٹک سوسائٹی[۶] دہلی[۷] اور علی گڈھ[۸] کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین و ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین	جمع احادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین میں چالیس ایسی احادیث جمع کی گئی

[۱] اشعۃ اللمعات ج ۱۔ ص ۲ [۲] مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے مشکوٰۃ کے ساتھ شائع کیا۔ اس کا ترجمہ شیخ الٰہی بخش بہاری اور خواجہ محمد علی فاضل سہارنپوری نے کیے تھے۔

[۳] Catalogue of the Arabic & Persian Mss in the Oriental Public Library — Ms No 361

[۴] نسخہ نمبر ۱۰۔ [۵] فہرست کتب خانہ آصفیہ۔ نسخہ نمبر ۲۶۴

[۶] نسخہ نمبر ۵۰ AG (فہرست مرتبہ مرزا اشرف علی)

[۷] نسخہ نمبر ۱۶۱ Hand-written Catalogue of Arabic Mss in the India Office.

[۸] سبحان اللہ کلکشن ۲۹۷/۱۲ / ۱۹

ہیں جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو ہدایات کی ہیں۔ ترجمۃ الاحادیث میں ان احادیث کا فارسی ترجمہ شاہ جہاں کے لیے کیا گیا ہے۔

جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ یہ شرح مشکوٰۃ کا دو جلدوں میں خلاصہ تھا۔ فہرس التوالیف میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"مجموعۂ آمدہ است شامل فوائد کثیرہ و عوائد عزیزہ در ہر باب یک دو متن حدیث ذکر کردہ در دو باقی احادیث بر مضامین آن اقتصار کردہ و اختصار نمودہ شدہ است"

اس کے قلمی نسخے مولوی انوار الحق مرحوم دہلوی کے کتب خانہ میں موجود تھے۔

رسالہ اقسام حدیث عربی زبان میں علم حدیث پر مفید رسالہ تھا۔ فہرس التوالیف میں شیخ محدثؒ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مولوی انوار الحق مرحوم کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود تھا۔

رسالہ شب برات فارسی زبان میں تھا۔ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ گزشتہ صدی تک اس کا قلمی نسخہ شیخ محدثؒ کے خاندان میں موجود تھا۔

ماثبت بالسنہ فی ایام السنۃ (عربی) اس کتاب میں ماہ محرم سے لے کر ماہ ذی الحجہ تک کے ان تمام مذہبی مناسک کا تفصیلی ذکر ہے جو حدیث سے ثابت ہیں۔ عاشورہ محرم کے بارے میں جو صحیح حدیثیں مروی ہیں اُن کو نقل کیا ہے اور محرم کے سلسلہ میں جو توہمات ہیں اُن کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً یہ خیال کہ عاشورے کے دن سرمہ لگانے سے آنکھیں نہیں دکھتیں، یا عاشورے کے دن غسل کرنے والا کبھی بیمار نہیں ہوتا، لغو اور باطل ہے۔ اس کے بعد اُن تمام احادیث پر تنقید و تبصرہ کیا گیا ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے متعلق ہیں۔ ماہ صفر کے سلسلہ میں

اس خیال کی تردید کی ہے کہ یہ مہینہ نامسعود ہے، شعبان، رمضان، شوال، ذی الحجہ کے سلسلہ میں روزہ، تراویح، عید الفطر، حج وغیرہ کے متعلق سب احادیث کو یکجا جمع کردیا گیا ہے۔ ماہ ربیع الاوّل کے مذہبی مناسک کا جہاں ذکر ہے وہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ایک مختصر نوٹ ہے۔ ربیع الثانی کی بحث میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مختصر حال درج ہے۔

ماثبت بالسنہ کے قلمی نسخے بانکی پور[1]، رامپور[2]، دہلی[3] اور حیدرآباد[4] کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ۱۲۵۳ھ میں یہ کتاب کلکتہ اور ۱۳۰۷ھ میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ ۱۳۰۹ھ میں سبحان بخش شکارپوری نے دہلی سے اس کو مع ترجمہ شائع کیا تھا اور اعمال ماثورہ نام رکھا تھا۔

الاکمال فی اسماء الرجال (اور) اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ

الاکمال فی اسماء الرجال کا ذکر ڈاکٹر زبید احمد نے شیخ محدث کی عربی تصانیفِ حدیث کے ضمن میں کیا ہے[5]۔ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اسماء الرجال پر شیخ کی مشہور تصنیف اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ ہے۔ اس میں مشکوٰۃ کے سب راویان حدیث کے نام یکجا کردیے گئے ہیں شروع میں خلفاء راشدین کا ایک طویل تذکرہ ہے۔ اُس کے بعد اہل بیت کا حال ہے پھر راویان حدیث کے حالات حروف تہجی کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ اسماء الرجال پر ہندوستان میں عربی زبان میں اس سے قبل امام رضی الدین حسن الصغانیؒ صاحب مشارق الانوار نے ایک کتاب در السحابہ فی بیان مواضع وفیات الصحابہ لکھی تھی۔

اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ کا ایک قلمی نسخہ بانکی پور کے

---

[1] نمبر ۴۰۴ سنہ کتابت ۱۲۹۰ھ ہے [2] تین نسخے ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸ - [3] نمبر ۲۷۵

[4] کتب خانہ آصفیہ۔ فہرست جلد اول۔ ص ۵۰۰-

[5] The Contribution of India to Arabic Literature, p. 256

کتب خانہ میں موجود ہے۔ کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔

شرح سفر السعادت

سفر السعادت، مولانا مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کی تصنیف ہے۔ اس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جو عبادات، احوال و معاش سے متعلق ہیں جمع کی گئی ہیں۔

شیخ محدث نے اس کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر اس کی شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اور خیال بھی ملحوظ خاطر تھا۔ مولانا فیروز آبادی بعض موقعوں پر "حد اعتدال و جادۂ انصاف" سے باہر چلے گئے تھے۔ اس لیے شیخ محدث نے ضروری سمجھا کہ ان تمام لغزشوں کی نشان دہی کردی جائے۔ فرماتے ہیں۔

"... ولیکن چوں وے دریں باب مرمذہب اتحاج محدثین از اصحاب ظواہر رفتہ و در بسیار از مواضع سخن در خلاف مذاہب مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین گفتہ و داد علے فساد و بطلان مخالف مدعائے خود نمودہ .... در مبالغہ و افراط از حد اعتدال و جادۂ انصاف بیروں رفتہ است .... لازم طریقۂ انصاف و نصیحت نمودہ شرح آں کردن و حقیقت حال کشف نمودن"[1]

فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں:

"مقصود وے (مولانا مجد الدین) دریں کتاب آنست کہ اعمال شریفہ حضرت نبویہ را از عبادات و عادات با حدیث اثبات کردہ و تصحیح نمودہ و بر دو انکار برآنچہ مخالف آں از مذاہب اربعہ واقع شدہ تصریح کردہ است۔ پس در شرح تائید مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب حنفی و معارضہ کلام مصنف ادعائے صحت احادیث موافق مدعائے خود نمودہ رقم رد و بطلان برخلاف آں کشیدہ است، کردہ شد۔"

شرح سفر السعادت تین حصوں پر منقسم ہے، پہلے حصہ میں مولانا فیروز آبادی کی بیان کردہ احادیث پر محدثانہ انداز میں بحث کی گئی ہے اور ہر ایک حدیث کے اسناد و رجال کو

[1] شرح سفر السعادت۔ ص ۳۔

معلوم کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں مجتہدین پر بحث ہے خصوصیت کے ساتھ حنفی مذہب کے اصولوں کی حمایت کی گئی ہے۔ یہ کتاب کا خاص حصہ ہے اور حقیقت میں سفر السعادت کی شرح لکھنے کا اصلی سبب بھی یہی ہے۔ تیسرے حصہ میں شرعی احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جس وقت شیخ محدث نے یہ شرح لکھنی شروع کی تھی اس وقت خیال تھا کہ شاید زندگی وفا نہ کرے اور[1] یہ کتاب نامکمل رہ جائے۔ اس لیے فرماتے ہیں :-

"وصیت می کنم فرزند عزیز نور دیدہ، دانش و بینش نور الحق را کہ وجود ثانی و مقصود اولی من است .... ایں مہم را صورت دہد"[2]

ساتھ ہی احتیاطاً سب ماخذ کی فہرست بھی دے دیتے ہیں تاکہ شیخ نور الحق کو کتابوں کی تلاش میں دقت نہ ہو۔ جو کتابیں اس شرح کے لکھتے وقت شیخ محدث کے پیش نظر تھیں ان کے نام یہ ہیں :-

(۱) تفسیر کشاف	(۲) تفسیر بیضاوی	(۳) مدارک
(۴) جلالین	(۵) صحیح البخاری	(۶) کرمانی
(۷) فتح الباری	(۸) توشیح سیوطی	(۹) مشارق الانوار
(۱۰) صحیح مسلم	(۱۱) شرح امام نووی	(۱۲) موطائے امام محمدؒ
(۱۳) جامع ترمذی	(۱۴) جامع الاصول	(۱۵) جمع الجوامع سیوطی
(۱۶) شمائل النبوی	(۱۷) مشکوٰۃ	(۱۸) طیبی
(۱۹) شرح ابن حجر	(۲۰) انوار فصل رابع مشکوٰۃ و مصابیح۔	
(۲۱) توریشتی	(۲۲) مشارق	(۲۳) مجمع البحار

[1] ۱۰۳۳ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔ اس وقت شیخ کی عمر ۸۵ سال تھی
[2] شرح سفر السعادت۔ ص ۲۔

(۲۴) نہایہ جزری (۲۵) مختصر نہایہ سیوطی (۲۶) مقاصد حسنہ سخاوی

(۲۷) تنزیہ الشریعہ ابن عراق (۲۸) والدر المنتشرہ فی الاحادیث المشتہرہ للسیوطی۔

(۲۹) تمیز الطیب من الخبیث فیما یدور علی الالسنۃ من الاحادیث لابن ربیع

(۳۰) شفائے قاضی عیاض (۳۱) مواہب لدنیہ (۳۲) صواعق محرقہ

(۳۳) روضۃ الاحباب (۳۴) سنن الہدیٰ (۳۵) اذکار نووی

(۳۶) عمل الیوم واللیلہ سیوطی (۳۷) حصن حصین جزری (۳۸) شرح اربعین ابن حجر

(۳۹) مختصر ایسر طبری (۴۰) جامع الاصول (۴۱) تقریب

(۴۲) تہذیب (۴۳) مغنلو (۴۴) شرح نخبۃ المصنف

(۴۵) شرح شمنی (۴۶) الفیہ عراقی (۴۷) شرح مصنف

(۴۸) سخاوی (۴۹) شیخ زکریا (۵۰) رسالہ مختصر طیبی

(۵۱) ہدایہ (۵۲) شرح ابن الہمام (۵۳) شرح وقایہ

(۵۴) شرح نقایہ شمنی (۵۵) زاد الفقیہ (۵۶) حاوی

(۵۷) رسالہ ابن ابی زید (۵۸) شرح زرکشی بر کتاب خرقی (۵۹) قراۃ شاطبی

(۶۰) اتقان سیوطی (۶۱) جوزہ جزیہ (۶۲) قاموس

(۶۳) مہذب (۶۴) مغرب

اس طویل فہرست کے باوجود لکھتے ہیں:۔

"بجز ایں مذکورات بعضے کتب و رسائل نیز شاید کہ در بعضے بنظر در آمدہ باشد" [۱]

شرح سفر السعادت، ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء میں کلکتہ سے ۱۸۶۰ء، ۱۸۸۵ء اور ۱۹۰۳ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ قلمی نسخے انڈیا آفس [۲]، حیدر آباد [۳]، ایشیاٹک سوسائٹی [۴]، کلکتہ مدرسہ [۵]، پشاور [۶]

---

[۱] شرح سفر السعادت ص ۴۔ [۲] نمبر ۵۶ [۳] نمبر ۲۸، ۲۹ [۴] نمبر ۱۰۰۲

[۵] نمبر ۱۱۰ [۶] نمبر ۳۱۹۔

اور بانکی پور[1] کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ بانکی پور کا نسخہ مصنف کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے خاتمہ پر یہ عبارت ہے:

"ثم انہ کان تسوید ھذا الکتاب بین الصلواتین من یوم الاثنین الرابع والعشرین من شھر جمادی الاولی سنہ ست عشر والف والحمد للہ ثم تم انتساخ ھذہ النسخہ ومقابلتھا علی ید مولفہ الفقیر الی اللہ عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ سحرۃ یوم الثلاثا السابع العشرین من جمادی الاخری سنہ الف وثلاث ثلاثین من ھجرۃ سید الاولین و الآخرین" [2]

انڈیا آفس کا نسخہ خود مصنف کا تصحیح کیا ہے۔ حیدرآباد کا نسخہ ۱۰۸۶ھ ۷۶-۱۶۷۵ء کا ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کا ۱۰۸۰ھ کا۔ کلکتہ مدرسہ کا ۱۱۹۲ھ کا۔

مرزا مظہر جان جاناں کے پاس شرح سفرالسعادت کا ایک ایسا نسخہ تھا جو مصنف کے درس میں رہ چکا تھا۔ مرزا صاحب کو یہ نسخہ بہت عزیز تھا۔ ایک دوست فریدالدین خاں نے عاریتاً مانگا تو بھیج دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا:

"نسخہ شرح سفرالسعادت موجود است اما میان ما وشما مدہ آں نبود، ہرگاہ شما طلبیدید مستحق ترے از شما کیست، آنرا ہم حوالہ محمد عظیم کردیم۔ ایں نسخہ از درس مصنف گذشتہ و حواشی بدست مصنف دارد و خط شیخ عبدالحق را می شناسم، قدر آنرا بدانید، و بآب و تاب نگاہ دارید چانچہ بہست" [3]

تحقیق الاشارہ فی تعمیم البشارہ	اس کتاب میں اُن تمام احادیث کو جمع کیا گیا ہے جن میں کسی نہ کسی بزرگ کو جنت کی بشارت دی گئی

[1] نمبر ۱۱۸۶۔
[2] فہرست جلد ۱۳۔ ص ۴۷۔
[3] کلیات طیبات۔ ص ۶۶۔

ہے۔ اس کا قلمی نسخہ دہلی کے ایک کتب خانہ[1] میں موجود ہے۔

ترجمہ مکتوب النبی الاھل فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مکتوب کا ترجمہ ہے جو حضور نے معاذ بن جبل کے نام لکھا تھا کتاب المکاتیب والرسائل[2] میں یہ دو صفحہ کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

---

[1] Contribution of India to Arabic Literature p. 256

[2] ص ۲۸۶-۲۸۸۔

باب چہارم (۴)

عقائد

عقائد پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب تکمیل الایمان و تقویۃ الایمان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں شیخ نے عقائد اسلام اور قواعد ملت کو "بر طریق سنیۂ اہل سنت وجماعت" نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وجہ تصنیف اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"نوشتم آں را برائے ہر مومن طالب و طالب صادق و اقتصار کردم در وے بر اثبات مذہب حق و بیان قول صحیح و تعرض نکردم بذکر مذاہب زائغہ و ایراد و اقوال باطلہ و رفتیم براہ بحث و جدال و طریقۂ قیل و قال و تجرید کردم از دلائل کلامیہ و تدقیقات فلسفیہ تا طالب را در ورطۂ حیرت و تذبذب نیفگند" [۱]

ویسے تو یہ کتاب کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے لیکن مضامین کے تنوع اور جامعیت کے اعتبار سے بہت بلند پایہ ہے۔ ایمان کی نوعیت، جبر و اختیار، عذاب قبر، بہشت، معراج، شفاعت، جنت و دوزخ، توبہ، استمداد از قبور، معجزات، اہل بیت وغیرہ وغیرہ عنوانات پر صحیح مذہبی نقطۂ نظر کو نہایت وضاحت اور صفائی سے پیش کیا ہے۔ کتاب حجم میں کم ہے، لیکن افادیت میں بہت زیادہ ہے۔

تکمیل الایمان اپنے موضوع پر بہت جامع کتاب ہے، حجم میں مختصر اور سلجھی ہوئی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور متعدد بار طبع ہوئی ۱۸۷۳ء میں امیر علی نے اس کا اردو ترجمہ سبیل الجنان کے نام سے کانپور سے شائع کیا تھا ۱۸۸۱ء میں

---

[۱] و [۲] تکمیل الایمان ۔ ص ۲۔

دوسرا ایڈیشن طبع ہوا۔

تکمیل الایمان کے قلمی نسخے برٹش میوزیم[1]، حیدر آباد[2]، انڈیا آفس[3]، ایشیاٹک سوسائٹی[4]
بوڈلین لائبریری[5]، بانکی پور[6] وغیرہ میں موجود ہیں۔ بانکی پور میں ایک ایسا نسخہ بھی موجود ہے جس
کی تصحیح خود مصنف نے کی ہے۔

---

۱ ۸۲۷ (Rieu)
۲ ۱۳۳۶
۳ ۲۵۸۳-۵ (Ethe)
۴ ۸۵۹ ص ۹ (مرزا اشرف)
۵ ۱۷۸۹ (Ethe)
۶ ۱۷۸۳ ۱۲۸۴

باب (۵) پنجم

فِقہ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف اس عنوان کے ماتحت آتی ہیں:

(۱) فتح المنان فی تائید النعمان (۲) الفوائد

(۳) ھدایت الناسك الی طریق المناسك

فتح المنان فی تائید النعمان (عربی) فقہ حنفی کی تائید میں ہے۔ شیخ محدثؒ نے احادیث کو مختلف عنوانات کے ماتحت جمع کیا ہے۔ پھر چاروں ائمہ کے منضبط کیے ہوئے مسائل بیان کیے ہیں۔ آخر میں محاکمہ کیا ہے، ائمہ کے ماخذ اور منشا پر بحث کی ہے اور امام اعظمؒ کے ماخذ کو دیگر ماخذ پر ترجیح دی ہے۔

فتح المنان فی تائید مذہب النعمان کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے[1]

شیخ محدثؒ کا ایک رسالہ الفوائد بھی فقہ اور عقائد سے متعلق ہے، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ بانکی پور میں موجود ہے[2]۔

ہدایت الناسک الی طریق المناسک میں زیارت حرمین اور اعمال حج سے بحث کی گئی ہے فہرس التوالیف میں اس کے متعلق فرماتے ہیں،

"رسالہ ایست مضبوط مع کہ زبدۂ مناسک حج و آداب زیارت بجہت سالکان ایں راہ وقاصدان ایں درگاہ ذکر کردہ شدہ"

---

[1] نمبر ۱۳۲۰ (فن کلام نمبری ۶) کیوریٹر کتب خانہ آصفیہ سے کتاب کے متعلق تفصیلات دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کتاب میں نہ تو عنوانات کی فہرست ہے اور نہ سنہ کتابت [2] نمبر ۲۷۸۳ (المفتاح الکنوز)

تصوّف

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تصوف پر جو بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے، اس کی فہرست یہ ہے:

(۱) تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف

(۲) تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف

(۳) شرح فتوح الغیب

(۴) ترجمہ غنیۃ الطالبین

(۵) انتخاب المثنوی المولوی للمعنوی

(۶) توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب والاوراد

(۷) مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین

(۸) نکات الحق والحقیقۃ من باب معارف الطریقۃ

(۹) جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندی

(۱۰) رسالہ وجودیہ۔

تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف (عربی) یہ کتاب حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک ارشاد کی تائید اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے اس پر اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا تھا:

قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ   میرا قدم ہر ایک ولی اللہ کی گردن پر ہے

شیخ سہروردی نے عوارف المعارف میں اس پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت شیخؒ کا یہ فرمانا بہ حالت سُکر تھا۔ شیخ عبدالحقؒ نے اس کا جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ اُن کا ایسا فرمانا بہ حالت صحو تھا اور اُنہوں نے بحکم الٰہی مامور ہو کر یہ فرمایا تھا۔ اس رسالہ کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ فہرست میں نام یہ دیا ہوا ہے

"الرسالۃ فی بیان قول قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ" [۵]

تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف (عربی) فقہ اور تصوف یا شریعت اور طریقت میں تطبیق کی کوشش شیخ محدثؒ کا ایک زبردست علمی کارنامہ ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اسی قسم کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مولوی انوارالحق حقی کے کتب خانہ میں موجود تھا [۶]

شرح فتوح الغیب فتوح الغیبؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اٹھتر وعظوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی فصاحت، بلاغت اور تاثیر کا اعتراف انگلستان کے مشہور مستشرق مارگولیتھ نے بھی کیا ہے [۸]۔ اس میں مذہبی مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تصوف کی چاشنی دے کر اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شیخ محدثؒ کا تو یہ خیال ہے کہ ــــ

"در تحقیق مقالات دین و کمالات اہل یقین موافق لسان رسالت و زبان نبوت است چنانکہ شان معارف صدیقان است فرمودہ اند" [۹]

---

[۱] نمبر ۳۳۹۔ [۲] اخبار الاخیار میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محدثؒ نے حضرت غوث الاعظمؒ کے اس ارشاد کو پھر دہرایا ہے (ص ۱۰)۔ میرے خیال میں شیخ محدثؒ نے ہندوستان کے مشائخ اور علماء کے سلسلے میں ان کا ذکر بھی اسی عقیدہ کے ماتحت کیا ہے۔

[۳] مرآۃ الحقائق۔ ص ۰ [۴] ۱۳۰۳ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔

[۵] ملاحظہ ہو Ency of Islam Vol I p. 41-42

[۶] فہرس التوالیف (قلمی)

شیخ محدثؒ نے اس کی شرح نہایت ہی عالمانہ انداز میں لکھی ہے۔ شرح لکھنے کی داستان بھی بڑی دلچسپ ہے۔ شیخ محدث نے یہ کتاب شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے پاس دیکھی تھی بلکہ شیخ متقی نے فرمایا تھا۔

"ایں را حاصل کنید و دست دراں زنید و براں باشید و ہر قدر کہ توانید براں عمل کنید و بدانید و آگاہ باشید کہ طریقۂ حضرات قادریہ و راہ روش ایں سلسلہ علیہ اینست" [۱]

مکہ معظمہ میں شیخ محدثؒ کو فتوح الغیب کا کوئی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔ ہندوستان آئے تو قادریہ سلسلہ کے ایک بزرگ نے اس کا نسخہ عنایت فرمایا شیخ محدث نے استاد کی ہدایت کے مطابق اس کو کافی غور سے پڑھا۔ فرماتے ہیں:

"بوصیت شیخ ذکرہ اسد بالخیر آنرا گرفتم و بجاندم و ورد ساختم" [۲]

اس کے بعد حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ نے ترجمہ کرنے اور شرح لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا ـــ

"ہمہ کارہا گذاشتہ ایں کار باید کرد" [۳]

لیکن شیخ محدثؒ کو اس کام کے کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ لاہور گئے، وہاں بیس روز تک شاہ ابوالمعالیؒ کی خدمت میں رہنا ہوا۔ شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر اس کام کو انجام دینے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ لکھتے ہیں:۔

"ناگاہ حال دیگر گشت و ہمت در کار رشد و فتح باب روئے نمود و بیم ازدلِ مارفتہ امید ہم رسید و ہیبت فرو نشستہ اُنسے پیدا آمد" [۴]

سنہ ۱۰۲۳ھ میں اس شرح کی تکمیل ہوئی۔ مفتاح فتوح تاریخی نام رکھا گیا۔ خاتمہ پر ایک رباعی لکھی ہے ؎

این شرح کہ مفتاح فتوح الغیب است ۔۔۔ از غیب است ایں ازاں بری از عیب است

---

[۱] تا [۴] شرح فتوح الغیب ص ۳۲۱۔

۱۰۹۳
مفتاح فتوح نام و تاریخ افتاد در خاطر آں کہ مظہر لاریب است[۱]

شیخ محدثؒ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جو بے پناہ عقیدت تھی اس کا اظہار اس کتاب میں عجیب طریقہ سے ہوا ہے۔ شیخؒ نے اس شرح کے شروع میں اپنا مقدمہ یا نام نہیں لکھا۔ اور یہ اس لیے کہ شیخ جیلانیؒ کی تصنیف کے شروع میں انہوں نے اپنی طرف سے کچھ لکھنا سوءِ ادب خیال کیا۔

"ذکر نام ایں حقیر خود چہ صد و مجالی کہ دریں مقام تواں برد"[۲]

کتاب کے خاتمہ پر شارح نے ایک مختصر سا نوٹ لکھا ہے اور فتوح الغیب کے متعلق اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے۔

"انچہ دریں کتاب ازاں مودرع است ہمہ بیان کتاب و سنت است"[۳]

شیخ محدث کی یہ شرح متن کے ساتھ ۱۲۸۳ھ میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ ۱۲۹۸ھ میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ قلمی نسخے بانکی پور[۴]، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال[۵]، حیدرآباد[۶] اور یورپ کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔

ترجمہ غنیۃ الطالبین غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیف ہے[۷]۔ اس میں مختلف دینی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ منجملہ دیگر مباحث کے تہتر[۷۳] اسلامی فرقوں کی تفصیل بہت دلچسپ ہے۔ شیخ محدثؒ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا تھا جو اب دستیاب نہیں ہوتا۔ مولوی عبدالحیی فرنگی محلیؒ نے اپنی بعض تصانیف میں اس ترجمہ کا حوالہ دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ ان کے پیش نظر تھا[۸]۔

---

[۱] شرح فتوح الغیب ص ۲۲۳ [۲]، [۳] شرح فتوح الغیب ص ۴۲۰
[۴] نمبر ۱۳۸۷۔
[۵] فہرست مرتبہ مرزا اشرف علی (ص ۲۰) نمبر
[۶] آصفیہ کتب خانہ۔ فہرست جلد اول۔ ص ۴۸۰
[۷] مصر ۱۲۸۸ھ
[۸] ملاحظہ ہو مراۃ الحقائق۔ ص ۱۲۵

انتخاب المثنوی المولوی المعنوی

فہرس التوالیف میں شیخ محدثؒ نے اس تصنیف کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کی دو ہزار تین سو سطریں تھیں یہ کتاب اب موجود نہیں۔

توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب والاوراد

فارسی زبان میں ہے۔ فہرس التوالیف میں اس کے مباحث کے متعلق فرماتے ہیں۔

"دربیان علوم وقواعد متعلقہ باوراد وادعیہ واحزاب وتوفیق میان مذہب محدثین و مشائخ کہ در تصحیح وتضعیف بعضے اعمال دریں باب اختلاف دارند"

سنہ ۱۲۹۹ھ میں یہ رسالہ مطبع مفید عام آگرہ سے طبع ہوا تھا

مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین

خود شیخ محدثؒ اس کتاب کا تعارف اس طرح کرتے ہیں —

این رسالہ ایست مسمیٰ بہ مرج البحرین و جامع الطریقین جامع طریقہ فقہ وتصوف وشریعت وطریقت وظاہر وباطن وصورت ومعنی وقشر ولب وعلم وحال و صحو وسکر ومذہب ومشرب وعقل وعشق واگر آنرا صراط مستقیم وطریق قویم نام کنند جائز باشد، ودین خالص وسبیل اسلم لقبش نہند روا باشد ودعوت حق ومنہج رشاد گویند درست افتد ومیزان عدل ودستور العمل گردانند راست آید[۱]

اس کتاب کی تصنیف سے شیخ محدثؒ کا مقصد یہ تھا کہ "فقیہ محب مستشرف احوال وصوفی محقق مقید باعمال ہو۔

کتاب تیرہ وصال پر مشتمل ہے۔ مباحث یہ ہیں —

وصال اول: محبت دنیا ومافیہا۔

[۱] مرج البحرین۔ ص ۳۔

وصال دوم: اختلافات اُمت محمدیہ اور ترویج علوم فلسفہ

وصال سوم: فلسفیات کے حرام جاننے اور مباحثات سے پرہیز کرلے کے بیان میں۔

وصال چہارم: عقل و علم و ذکر و فکر

وصال پنجم: صحت عقل

وصال ششم: مذمت عقل ظاہر۔

وصال ہفتم: خدائے تعالیٰ کو چشم بصیرت سے دیکھنے کے بیان میں

وصال ہشتم: عقل کو نقل کے ساتھ کچھ علاقہ نہ ہونے کے بیان میں۔

وصال نہم: تطابق شریعت و طریقت

وصال دہم: ہفوات اولیاء۔ وصال یازدہم: حکایات صوفیہ صافیہ

وصال دوازدہم: فقراء کے بے سروسامان رہنے کے بیان میں۔

وصال سیزدہم: خلاصۂ مضامین کتاب قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ

آخری باب حضرت شیخ سید احمد مغربی کی مشہور تصنیف کا ترجمہ اور خلاصہ ہے۔

مرج البحرین ۱۲۶۵ھ میں مطبع عبدالرحمٰن سے اور ۱۲۷۴ھ میں مطبع محمدی کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ ۱۳۱۲ھ میں مطبع نامی لکھنؤ سے اس کا ترجمہ شائع ہوا تھا۔ اُردو ترجمہ مولوی غوث محمد فرخ آبادی نے کیا تھا اور وصال السعدین نام رکھا تھا۔ مولوی شیخ عبدالقادر صدیقی نے اس کی شرح فارسی زبان میں شرح البحرین کے نام سے کی تھی، اس کا قلمی نسخہ آصفیہ کتب خانہ میں موجود ہے (جلد اول ص ۴۴۶) بانکی پور کے کتب خانہ میں اس کا ایک ایسا قلمی نسخہ موجود ہے جس کی تصحیح خود حضرت شیخ نے فرمائی ہے۔

مرج البحرین گو مختصر کتاب ہے لیکن افادیت میں بڑی بیش بہا ہے۔ شیخ محدثؒ نے شریعت و طریقت، تصوف اور فقہ، علم اور عقل پر نہایت ہی دلنشین انداز میں بحث کی ہے۔ قرآن پاک، احادیث نبوی، اور کتب تصوف کے بے شمار حوالے درج ہیں مضمون کی

خشکی کو شیخ محدثؒ نے اپنے شگفتہ انداز بیان اور فارسی اشعار کے برمحل استعمال سے حیرت انگیز حد تک دور کر دیا ہے۔

نکات الحق والحقیقۃ من باب معارف الطریقۃ فارسی میں تصوف کے مختلف مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ ۱۸۹۱ء میں مولوی سید محمد یوسف مراد آبادی نے مطبع احتشامیہ مراد آباد سے شائع کیا تھا۔ اُردو ترجمہ لطائف الحق کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندی یہ رسالہ نایاب تھا اور اب تک طبع نہیں ہوا تھا، اس لیے ضمیمہ میں اس کو شائع کیا جا رہا ہے۔

رسالہ وجودیہ یہ رسالہ مولوی انوار الحق حقی دہلوی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ مراۃ الحقائق میں اس کا ذکر کیا گیا ہے[1]

---

[1] ص ۵۵۔

باب ہفتم (۷)

اخلاق

شیخ محدثؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف اس عنوان کے ماتحت آتی ہیں :۔

(۱) آداب الصالحین

(۲) آداب اللباس

(۳) آداب للمطالعہ والمناظرہ

(۴) تسلیۃ المصاب لنیل الاجر والثواب

علم اخلاق علمار اسلام کا محبوب موضوع رہا ہے، اور اس پر بیش بہا تصانیف وجود میں آئی ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اب تک عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس میدان میں امام غزالیؒ ہی سے روشنی حاصل کی ہے۔

اسلامی معاشرت اور آداب و اخلاق پر زور دینے اور لکھنے کی ضرورت اکثر ایسے موقعوں پر پیش آتی ہے جب کسی نئی تہذیب یا طرز فکر کا اثر اسلامی سوسائٹی کا شیرازہ منتشر کر رہا ہو۔ امام غزالی کے زمانہ میں یونانی افکار اور طرز معاشرت سے مسلمانوں کی زندگی بہت متاثر ہو رہی تھی۔ چنانچہ حضرت امامؒ نے اپنی عظیم الشان تصنیف احیاء العلوم سے اس طوفان کو روکا۔

شیخ محدثؒ کے زمانہ میں اسلامی طرز معاشرت پر سخت وقت آگیا تھا اور ہر چیز پر سخت تنقید کی جا رہی تھی۔ ان حالات میں شیخ محدثؒ نے ضروری سمجھا کہ اسلامی اصول زندگی کو پوری

طرح پیش کر دیا جائے۔

آداب الصالحین

حضرت امام غزالیؒ کی مشہور عالم تصنیف احیاء العلوم کے چند ابواب کا فارسی خلاصہ ہے۔ شائع ہو چکی ہے ۱۲۶۳ء میں نواب قطب الدین خاں دہلوی نے اس کا اردو ترجمہ ہادی الناظرین کے نام سے شائع کیا تھا ۱۲۹۰ھ میں اردو ترجمہ دوسری بار شائع ہوا۔ مولانا عبدالعزیز یمین کے ذریعہ آداب الصالحین کا ایک ایسا قلمی نسخہ دیکھنے کو ملا تھا جس کی تصحیح حضرت شیخؒ نے خود اپنے دست مبارک سے کی تھی۔

آداب اللباس

اس رسالہ میں شیخ محدثؒ نے لباس میں اتباع سنت کی ہدایت کی ہے۔ مکروہ و ممنوع لباس کی تفصیل بتائی ہے۔ اس رسالہ کے قلمی نسخے بانکی پور[1]، برٹش میوزیم[2]، برلن[3] اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عرصہ ہوا اردو ترجمہ کے ساتھ یہ رسالہ طبع ہوا تھا۔ (۱)

آداب المطالعۃ والمناظرہ

یہ مثنوی شیخ محدثؒ نے آداب گفتگو اور آداب مناظرہ کے متعلق ایام طالب علمی میں لکھی تھی۔ ممکن ہے کہ دربار اکبری کے ماحول سے متاثر ہو کر لکھی ہو۔ اکبر کے عبادت خانہ میں علماء سوء نے گفتگو و مناظرہ کا جو انداز اختیار کیا تھا، اس سے ہر دیانتدار عالم کا دل مجروح ہو چکا تھا۔ یہ مثنوی اب دستیاب نہیں ہوتی۔

تسلیۃ المصاب لنیل الاجر والثواب

اس رسالہ میں مصیبت کے وقت صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فہرس التوالیف میں اس کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"دربیان صبر بر مصائب و بلایا و تنبیہ بر وجود نعم خفایا و تحقیق معنی اجابت و منع در دعا و سلوک طریق رضا و تسلیم در ورود احکام ارادیۂ قہریہ و طلب و تادب الٰہی بترک طلب و سوال باختلاف اوقات احوال"۔

---

[1] نمبر ۲۱۶۹ [2] نمبر ۸۶۳ (Rieu)۔ نام یہ درج ہے "رسالہ مختصر دربیان آداب لباس حضرت سید البشر"
[3] نمبر ۱۴ (۲۰) نمبر ۵۳ (۲)

باب (۸) ہشتم

اعمال واوراد

اس عنوان کے ماتحت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف آتی ہیں:

(۱) اجوبۃ الاثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر

(۲) ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات

(۳) رسالہ عقد انامل

(۴) رسالہ وظائف

(۵) مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ

اجوبۃ الاثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر کے متعلق خود شیخ محدثؒ کا بیان ہے :-

"رسالہ حوت توجیہات التشبیہ الواقع فی الصلوٰۃ علی النبی الکریم اللھم صل علی محمد وآل محمد کما صلیت علی ابراہیم وآل ابراہیم جمعھا فی مجلس واحد من وقت السحر الی طلوع ذکاء مع ما وقع فی البین من الصلوٰۃ والورود والدعاء"

اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں ۱۹۰۲ء تک موجود تھا۔[۱]

ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات فارسی زبان میں درود شریف کی

---

[۱] مرآۃ الحقائق - ص ۴۸۔

فضیلت پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ بانکی پور کے کتب خانہ میں ایک رسالہ فضیلت صلوٰۃ[1] نامی موجود ہے۔ غالباً یہ ترغیب اہل السعادات والے رسالہ ہی کا مختصر نام ہے۔ اس کے شروع میں شیخ فرماتے ہیں :۔

"بدانکہ فوائد صلوٰۃ نبویہ علیہ اکمل الصلوٰۃ والتحیہ از حد احصا متجاوز است"

رسالہ عقد انامل (فارسی) انگلیوں پر اوراد کا شمار کرنے کے متعلق ہے۔ شیخ نے فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ مولوی انوار الحق حقی کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا[2]۔ رسالہ وظائف کا ذکر بھی شیخ نے اپنی فہرست میں نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کا قلمی نسخہ ان کے خاندان کے لوگوں کے پاس موجود ہے[3]۔

مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ اس رسالہ میں اسماء الٰہی کے خواص بیان کیے ہیں۔ یہ رسالہ اور اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اردو ترجمہ مولوی قطب الدین صاحب نے محرم ۱۲۶۹ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع کیا تھا۔

---

[1] نمبر ۱۲۸۵

[2] مراۃ الحقائق ۔ ص ۵۵

[3] مراۃ الحقائق ۔

باب نہم (۹)

فلسفہ اور منطق

شیخ محدثؒ نے منطق و فلسفہ پر تین کتابیں عربی زبان میں تصنیف فرمائی تھیں۔

(۱) بنا المرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع

(۲) درۃ البہیہ فی اختصار الرسالۃ الشمسیہ

(۳) شرح شمسیہ

درۃ البہیہ کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

باب (۱۰) دہم

تاریخ

تاریخ پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تصانیف یہ ہیں :-

(۱) جذب القلوب الی دیار المحبوب

(۲) ذکر ملوک

(۳) رسالہ نورانیہ سلطانیہ

جَذبُ القلوبِ اِلیٰ دیَارِ المحبوب (فارسی) مدینہ منورہ کی تاریخ ہے۔ اس کی تصنیف و تالیف میں شیخ محدث نے زیادہ تر سید نورالدین علی کی کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ سے مدد لی ہے[1] کتاب مندرجہ ذیل سترہ ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) اسمار ایں بلدۂ عظیم۔

(۲) در ذکر فضائل و محامد وے کہ با احادیث و آثار بہ ثبوت رسیدہ

(۳) در اخبار سکان ایں بقعہ کرامت نشان در قدیم الزمان

(۴) در انبعاث باعث قدوم سید الکائنات بدیں بلدہ

(۵) در ہجرت نمودن سید المرسلین۔

(۶) در کیفیت عمارت مسجد نبوی

(۷) در بیان تغیرات و زیادتہا کہ در مسجد شریف بعد از حضرت راہ یافتہ۔

---

[1] جذب القلوب (۱۸۶۱ء) ص ۲

(۸) در فضائل مسجد شریف و روضۂ آنحضرتؐ
(۹) در ذکر عمارت مسجد قبا و بیان سائر مساجد نبوی
(۱۰) در ذکر بعض آثار متبرکہ کہ بشرف حضور فائض النور مشہور اند۔
(۱۱) در ذکر بعض اماکن شریفہ کہ در مابین مکہ و مدینہ مشہور و معروف اند۔
(۱۲) فضائل مقبرہ شریفہ۔
(۱۳) فضائل جبل احد و شہداء
(۱۴) فضائل زیارت حضرت سید الانام
(۱۵) در حکم زیارت قبر شریف۔
(۱۶) در آداب زیارت حضرت سید الانام و اقامت در آں عالی مقام
(۱۷) فضائل و آداب صلوٰۃ بر سید کائنات

شیخ محدث نے مدینہ منورہ میں اس کتاب کو شروع کیا تھا۔ دہلی میں مکمل کیا۔ خود لکھتے ہیں:

"وابتدائے تسوید ایں حروف در سنہ ثمان وتسعین وتسع مائۃ در مدینہ منورہ بودہ وتوفیق تبییض آں در سنہ احدی والف در بلدۂ دہلی یافتہ" [۱]

گو اس کتاب کا بیشتر مواد سید نور الدین علی کی کتاب سے ماخوذ ہے لیکن پھر بھی شیخ نے اپنے مخصوص انداز تحریر سے اس میں ایک شگفتگی اور تازگی پیدا کر دی ہے۔ مدینہ منورہ سے جو والہانہ تعلق اُن کی ذات کو تھا اس کا اظہار اس کے حرف حرف سے ہوتا ہے۔ کتاب کو ان اشعار سے شروع کرتے ہیں۔

صد شکر کہ از تشنگی غم رستم | چوں قطرہ بدریائے کرم پیوستم
بر کشتی توفیق ازل بنشستم | وز زمزم قدس چہرۂ دل شستم

---

[۱] جذب القلوب۔ ص ۶۔

جب مدینۃ النبی کی تاریخ کے خاتمہ پر پہنچتے ہیں تو جذبات عقیدت میں ایک تلاطم سا پیدا ہونے لگتا ہے اور درود کی کثرت کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ہر ہر حصّہ پر درود بھیجتے ہیں۔

جذب القلوب میں ایک جگہ دہلی کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"اصل حسن و زیبائی کہ . . . . . دریں شہر شریف (مدینہ) است در ہیچ شہرے مشاہدہ نمی افتد و مسموع نمی گردد، مگر در بعض جا کہ شمہ از اشعہ لمعات و آثار برکات ایں بقعہ شریفہ دراں پرتو انداختہ باشد، چنانکہ در بلدۂ دہلی و امثال آں کہ بعضے از خادماں ایں درگاہ و خاکساراں ایں راہ درآنجا خفتہ اند" [1]

جذب القلوب کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی [2]۔ کلکتہ، لکھنؤ اور دہلی سے متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ سب سے قدیم مطبوعہ نسخہ ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء کا ہے "بہ مطبع انڈیان سن وافنہ بلدہ کلکتہ" میں ٹائپ میں چھپا تھا۔ اور کئی قلمی نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد چھاپا گیا تھا۔ ایڈیٹر کا کہنا ہے۔ "ہر قدر جہد کہ در تصحیح ممکن شد بعمل آمد"۔ لیکن پھر بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں۔

جذب القلوب کا اردو ترجمہ تاریخ مدینہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

بانکی پور میں جذب القلوب کا ایک ایسا قلمی نسخہ ہے جو مصنف کی وفات سے چار سال قبل یعنی ۹۔ صفر ۱۰۴۸ھ میں نقل کیا گیا ہے [3]۔ کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں بھی اس کا ایک اچھا قلمی نسخہ موجود ہے [4]۔

ذکر ملوک | اسلامی ہند کی ابتداء سے اپنے زمانہ تک کے حالات شیخ محدث نے اس تاریخ

---

[1] جذب القلوب۔ ص ٦

[2] خافی خاں کو یہ کتاب اس وجہ سے پسند تھی کہ "دراں ذکر حضرت ائمہ طاہرین و ظلم و تعدی مخالفین باظہار کمال حسن عقیدت نمودہ" (منتخب اللباب ص ۲۴۰)

[3] نمبر ٦۴۳ جلد ہفتم

[4] فہرست مرتبہ براؤن۔ ص ۳۵۵

میں لکھے ہیں۔ لودھی خاندان سے قبل کے حالات کے لیے اُن کا ماخذ طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاہی اور تاریخ بہادر شاہی ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ یا تو ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے یا بزرگوں سے سُنا ہے۔ کتاب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"اللهم مالك الملك تؤتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء و تذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شئ قدير"

دیباچہ کے اختتام پر یہ شعر ہے۔

مقصود اہل ذوق ز ذکر گذشتگاں
تنبیہ عبرت است چہ مسکیں چہ بادشاہ

کتاب کی ابتدائی عبارت اور اس دیباچہ کا آخری شعر نہایت اہم اور پُر معنی ہے۔ ان دونوں کو اگر شیخ محدثؒ کے اس خط کے ساتھ پڑھا جائے جو انہوں نے اکبر کی وفات پر لکھا تھا تو اس زمانہ میں ان کی ذہنی کیفیات اور محرکات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔[1]

شیخ محدثؒ نے یہ تاریخ اکبر کے چالیسویں سنہ جلوس میں ختم کرلی تھی۔ آخری باب میں فرماتے ہیں:

واز اول جلوس تا الآن کہ از مدت سلطنت عظمیٰ و دولت کبریٰ ایں شہنشاہ عالی نژاد عالم مدار اقالیم ستاں زیادہ بر چہل سال رفتہ است"

یعنی ۱۰۰۴ھ میں لیکن اس کے بعد بھی کتاب میں اضافہ کرتے رہے۔ آخری باب میں انہوں نے اپنے اس ارادہ کا اظہار اس طرح کیا تھا۔

"وتفصیل احوال فتوحات و جہالستانی و قواعد و ضوابط و روابط عالمگیری در دفاتر

---

[1] اکبر کے جاہ و جلال، شان و شوکت، فراوانی دولت اور فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد نہایت حسرت سے یہ دعا کرتے ہیں کہ کیا ہی اچھا ہو کہ شہنشاہ شریعت اسلامیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم کرسکے۔ اے رب العالمین میری اس دعا کو قبول فرما!

(ملاحظہ ہو تاریخ حقی)

و مجلدات نگنجد، اگر مدت عمر فسحتی پیدا کردہ و توفیق و تائید پروردگار دستگیری کرد حسب الطاقت صرف ہمت نمودہ بتقصیر راضی نشدہ خواہد بود۔

اُن کو اتنی فرصت تو نہ ملی کہ کوئی تفصیلی اضافہ اس تصنیف میں کر سکتے، لیکن پھر بھی بعض واقعات کو اس میں درج کر دیا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ۱۰۰۵ھ کے بعد کے تمام واقعات کا الحاق کسی اور شخص کا کیا ہوا ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

شیخ نور الحق رح نے زبدۃ التواریخ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ شیخ فرید نے ان کے والد ماجد سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی تاریخ کو ترمیم و اضافہ کے بعد مکمل کر دیں۔ شیخ عبد الحق رح ان دنوں کچھ اعلیٰ کاموں میں مصروف تھے۔ اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ہوئی۔ اور شیخ فرید (یعنی نواب مرتضیٰ خاں) کی درخواست کو رد کرنا بھی مناسب نہ سمجھا چنانچہ اُنھوں نے شیخ نور الحق رح سے کہا کہ وہ شیخ فرید کی درخواست کو پورا کر دیں۔ چنانچہ اُنھوں نے زبدۃ التواریخ میں اکبر اور اس کے بعد کے حالات کا اضافہ کر دیا۔

ذکر ملوک کا ایک تتمہ مولوی حاجی رفیع الدین خاں مراد آبادی نے لکھا ہے جس میں ۱۱۹۲ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ روہیلوں، مرہٹوں وغیرہ کے متعلق بعض دلچسپ اور اہم معلومات اس تتمہ میں ملتے ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جناب ماموں مولوی نسیم احمد صاحب فریدی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔

ہندوستان میں تاریخ حقی کے قلمی نسخے بانکی پور[1]، علی گڈھ[2]، مدراس[3]، حیدرآباد[4] وغیرہ کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ علی گڈھ کے نسخہ کی کتابت ۱۰۳۰ھ کی ہے۔

تاریخ حقی اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ ایلیٹ نے اس کے کچھ حصہ کا انگریزی

[1] نمبر ۵۳۷، جلد ہفتم۔ ص ۸۰۹۔ [2] لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ

[3] گورنمنٹ اورنٹیل لائبریری مدراس۔ نمبر ۲۴۔ تاریخ حقی کا ابتدائی حصہ تاریخ فیروز شاہی برنی سے ماخوذ ہے۔ اس بنا پر فہرست کے مرتب کو غلط فہمی ہوئی اور اس نے اس کا نام انتخاب تاریخ فیروز شاہی المعروف بہ "تاریخ حقی" لکھ دیا۔ [4] آصفیہ جلد اول۔ ص ۲۲۴۔

ترجمہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

رسالہ نورانیہ سلطانیہ

یہ رسالہ تاریخ سے نہیں سیاست سے متعلق تھا۔ لیکن اب اس کی حیثیت ایک تاریخی رسالہ کی ہے، اس بنا پر تاریخ کے ذیل میں ہی اس کا ذکر مناسب سمجھا گیا۔

یہ رسالہ نورالدین جہانگیر کے لیے لکھا گیا تھا۔ فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں:۔

"دربیان قواعد سلطنت واحکام ارکان واسباب وآلات تحصیل آں اوضاع وآداب ایں امر عظیم الشان مزین باسم سامی سلطان الوقت وملک الزمان خلد اللہ ملکہ"

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ ۱۹۴۷ء سے قبل دہلی میں سید ظہیر الحسن صاحب کے کتب خانہ واقع قرولباغ میں خاکسار نے دیکھا تھا۔ ہندوستان اور یورپ کے کسی اور کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود نہیں تھا۔ معلوم نہیں اب وہ نسخہ کہاں ہے اور کس حالت میں ہے۔

باب (۱۱) یازدہم

سیر و تذکرہ

عنوان بالا کے تحت شیخ محدثؒ کی یہ تصانیف قابل ذکر ہیں :-

(۱) مدارج النبوۃ

(۲) اخبار الاخیار

(۳) احوال ائمہ اثنا عشر خلاصہ اولاد سید البشر

(۴) انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ۔

(۵) زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار

(۶) ترجمہ زبدۃ الآثار

(۷) مطلع الانوار البہیہ فی الحلیۃ الجلیۃ النبویۃ

مدارج النبوۃ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات طیبہ ہے۔ رسول پاکؐ کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ یہ کتاب شیخ محدثؒ کا نہایت اعلیٰ علمی اور ادبی شاہکار ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے جو مذہبی لٹریچر پیدا کیا ہے، اس میں مدارج النبوۃ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس سے پہلے کسی ہندی مسلمان نے رسول پاکؐ کی اتنی جامع، مفصل اور مکمل سوانح حیات مرتب نہیں کی تھی۔

مدارج النبوۃ بارہ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو پانچ حصوں میں اس طرح پر تقسیم کیا گیا ہے —

(۱) قسم اول ۔ در ذکر فضائل و کمالات، اخلاق و صفات

(۲) قسم دوم ۔ در ذکر نسب و ولادت

(۳) قسم سوم ۔ در ذکر وقائع سنوات از ابتدائے ہجرت تا وفات ۔

(۴) قسم چہارم ۔ در ذکر حدوث مرض و غسل و تکفین وغیرہ

(۵) قسم پنجم ۔ در ذکر اولاد طاہرہ و ازواج مطہرہ

مدارج النبوۃ کی تصنیف کا محرک اس زمانہ کے حالات تھے ۔ اکبری عہد میں شریعت و سنّت سے بے اعتنائی انتہا درجہ کو پہنچ گئی تھی۔ حضور سرور کائنات سے تعلق ٹوٹ رہا تھا۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ رسول مقبول کی حیات طیبہ کو مکمل طور پر پیش کر دیا جائے ۔ فرماتے ہیں

"…. چوں از فساد زماں انحراف در مزاج وقت بعضے درویشاں مغرور ایں روزگار راہ یافتہ واز تیرگی آئینہ استعداد و تنگی حوصلۂ ادراک پایہ ارفع و مقام اقدس محمدی را ہیچ کس نہ بدرک و دریافت آں راہ نیست نشناختہ و تقصیرے در اداے حق اعتقاد نمودہ واز جادۂ دین و صراط مستقیم برافتادہ بودند لازم حق نصیحت دریں مسلمانی آں بود کہ احوال و صفات قدسیہ آں سرور انبیاء و امام اولیاء و مفخر رسل و استاد کل معدن علوم اولین و آخرین و منبع فیض انبیاء و مرسلین و واسطہ ہر فضل و کمال و مظہر ہر حسن و جمال …. نگارش نمایند وایں بے خبراں را از حقیقت حال آگاہ گرداند و غافلاں را از خواب غفلت بیدار سازد و طالباں را رو براہ آرد" [1]

مدارج النبوۃ ۱۲۶۹ھ میں فخر المطابع دہلی، ۱۲۸۰ھ میں مظہر العجائب پریس سے طبع ہوئی تھی۔ ۱۸۷۶ء اور ۱۸۸۰ء میں لکھنؤ سے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کے قلمی نسخے انڈیا آفس

---

[1] مدارج النبوۃ ۔ جلد اول ۔ ص ۳ ۔

[2] نمبر ۱۷، ۱۰۹۵ھ کا نسخہ ہے

بانکی پور[۱]، جرمنی[۲]، برٹش میوزیم[۳] وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں بعض اجزاء کے اقتباسات علیحدہ بھی کتب خانوں میں ملتے ہیں[۴]۔ خواجہ عبدالمجید نے منہاج النبوۃ کے نام سے اس کا ترجمہ کیا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔

اخبار الاخیار ہندوستان کے علماء و مشائخ کا نہایت مستند تذکرہ ہے۔ شیخ محدثؒ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے لے کر اپنے زمانہ تک کے مشہور علماء و مشائخ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ابتداء میں عقیدت کی بنا پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ذکر کیا ہے۔

اخبار الاخیار شیخ محدثؒ کے علمی تبحر، انداز تحقیق اور وسعت مطالعہ کا بہترین آئینہ دار ہے۔ قرون وسطیٰ کے پورے مذہبی لٹریچر پر اُن کی نظر ہے۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں اس کی پوری طرح تحقیق کرتے ہیں۔ عقیدت کہیں واقعات کی تحقیق میں مانع نہیں آتی۔ اصول اسناد کا استعمال شیخ نے نہایت سختی سے کیا ہے۔

اخبار الاخیار میں مشائخ کے حالات کی ترتیب سلسلوں کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ کل مشائخ کو زمانہ کے لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے۔

(۱) طبقہ اول: از خواجہ معین الدین چشتیؒ تا شیخ فخر الدین فرزند خواجہ بزرگؒ

(۲) طبقہ دوم: از بابا فرید گنج شکرؒ تا مولانا احمد حافظؒ

(۳) طبقہ سوم: از شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ تا مولانا بخشیؒ

اس کے بعد مجاذیب اور بزرگ عورتوں کا تذکرہ ہے۔ آخر میں ایک تکملہ ہے جس میں شیخ محدثؒ نے اپنے اجداد کا حال لکھا ہے۔ اخبار الاخیار کے مطبوعہ نسخے[۵] اس قصیدے پر

---

[۱] نمبر ۳۹۰ جلد ۶ سنہ ۱۹۲۱ کا نسخہ ہے [۲] نمبر ۹ (Volume) [۳] نمبر ۸۶۳ (Rieu)

[۴] نمبر ۱۴۰ جلد اول، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (انتخاب مدارج النبوۃ)۔ نیز نمبر ۱۵ رسالہ علیہ جناب رسالتمآب اور رسالہ در شمائل آنحضرت (ص ۸۰۸)

[۵] اس وقت چار مطبوعہ نسخے پیش نظر ہیں۔ ۱۔ مطبع محمدی دہلی ۱۲۸۵ھ۔ ۲۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ۔ ۳۔ ایضاً ۱۳۳۲ھ۔ ۴۔ مسلم پریس دہلی ۱۲۷۰ھ

ختم ہو جاتے ہیں جو پہلے حصہ میں پورا نقل ہو چکا ہے۔ لیکن ایک قلمی نسخہ میں جو حضرت جد امجد مولوی ارشاد علی صاحب مرحوم نے ۱۴۔ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو ملتان میں نقل کرایا تھا اور جس کی تصحیح حکیم محمد حسن صاحب امروہی نے کی ہے، یہ عبارت تتمہ کے طور پر درج ہے۔

"ایں سطرے چنداست کہ دربیان باعث اختصار کتاب رقم زدہ کلک مؤلف گشتہ بمنہ وفضلہ یمحوا اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب کاتب حروف ختم اللہ لہ بالحسنی وجعل آخرتہ خیرا من الاولی پیش از تاریخ از سی سال بیشتر از چہل سال کمتر روزے در خدمت روشنیان بذوق صحبت ایشاں نشستہ بود چناں کہ رسم مریداں باشد از مناقب پیراں خود سخن میکردند بحلاوتے کہ سخناں ایں طائفہ دارد چناں آں حکایات در دل جائے کرد دا گرفت کہ چوں ازاں مجلس برخاست براں شدہ بود اگر فکر میکرد ہماں می تراوید، پس بشوق تمام آنرا بنوشت وطلب مزید کرد، تا رفتہ رفتہ قدرے محسوس پیدا آمد وچوں ثبت احوال پیشینیاں پیش از ذکر مقامات پیشیناں اتفاق افتاد طلب آں نیز کرد وازادنی با علی رفت وباں پیشینہ ضم کرد وکتاب را باین مزین ومحلی ساخت تا مجموعہ بہم رسید نیکو وپسندیدہ وجامع ومفید لیکن اول عشق بازی و شوق ایں سخناں تازہ بود وحرص استماع واجتماع آں بے اندازہ در اول کتابے بود کہ خامہ کاتب حروف بر تسوید آں جریاں یافتہ صورت ترتیب سخن بے اضطرابے نیابید چنانکہ باید تنقیحے وانتخابے بتافت وہم بحکم اضطراب یا ضمیمہ اخراج بعضے از اصحاب درسہ نسخہ ہم براں نمط نوشتہ شدہ اعتبار یافت دریں اثناء در سنہ ست وتسعین وتسع مائۃ بسفر حجاز رفت چوں ازیں سفر باز آمد حالے گردیدہ وہمت بجانب دیگر مصروف گشتہ بود فرصت نظر براں کتاب نیافت۔ ناگاہ مردم را دید براہ اختلاف وانتقاد رفتہ بعضے آں را بتطویل اطناب موسوم داشتہ وبعضے در جرح وتعدیل آں افتادہ رنظر ملالت وسامت بروے گماشتہ وزبان تشنیع کشادہ بعلت آنکہ بعضے از بہا اہل زماں وابنائے روزگار واستاد وساکنان ایں دیار بودہ اند وحقیقت آنکہ چوں پیشیناں از عالم گذشتہ وعلاقہ حسد وعناد ارباب غرض وہوا از ایشاں گسستہ از اذہان

مردم رستہ در دائرہ اجماع واتفاق آسودہ اند، اما پسینیان از اہل زمان چوں بواعث ودواعی اقرار وانکار درمیان است درکشاکش نزاع وخلاف افتادہ است آلودۂ قدح وانکار گشتند ونعم فضل ومرتبہ تقدم باقی است اما ایں قدر دانند کہ ایں مقدمان دیں در وقت خود متاخر بودند وبعضے از اہل زماں از کمالات ایشاں غافل ومحجوب ومتاخریں بعد ازاں خود متقدم شوند نظر بر تاخر وتقدم نباید کرد انصاف باقی است وحسن عمل منظور، ونیز نام ایں رسالہ اخبار الاخیار است نہ تذکرۃ الاولیا وسیر العارفین مثلاً وذکر آنہا کہ آشنا اند ومحل تردد وانکار گشتہ بطفیل است نہ بقصد وتبعیت است نہ باصالت ایں سخن در دیباچہ کتاب گفتہ شد حاجت بتکرار نیست وباوجود آں بصلاح دید وقت ویاراں اصرار نظر ثانی بر آں لازم افتاد وبرخے از اختصار ادشودہ تا اگر خواہند آں سخنہائے نوشتہ وآں نوشتہ باز آرند واگر ہنوز از دغدغہ ختم طریقے باقیست چارہ نیست ایں قدر کردہ شد وزیادہ بریں مقدور نبود معذور دارند بے عیب خدا است وعیب پوش او است وصلی اللہ علیہ وسلم وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم"

یہ عبارت بڑی اہم ہے۔ اس سے اخبار الاخیار کی تصنیف وترتیب کے ماحول پر روشنی پڑتی ہے۔

اخبار الاخیار کے بعض مطبوعہ نسخوں کے خاتمہ پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حالات میں ڈھائی صفحے کے ایک نوٹ کا اضافہ کسی شخص نے کر دیا ہے جس کا اخبار الاخیار یا اس کے مصنف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس جگہ پر بالکل غیر موزوں ہے۔

اخبار الاخیار کی ترتیب وتالیف مختلف اوقات میں ہوئی تھی۔ فہرس التوالیف میں شیخ لکھتے ہیں:۔

"نسخہ اول بقدر پانزدہ ہزار بیت، ومتوسط دوازدہ ہزار بیت۔ ومنتخب آخر کہ قرار یافتہ نہ ہزار"

وکسرے زائد و ثبت، دریں مجموعہ نسخہ متوسط است۔ وایں اول تصنیفے است کہ رقم زدۂ کلکِ ایں مسکیں شدہ است"

خود اخبار الاخیار کی اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترمیم و اضافہ کا سلسلہ ۹۹۳ھ سے ۹۹۹ھ کے بعد تک چلتا رہا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اخبار الاخیار کے بعض نسخوں میں کہیں کہیں عبارت کا فرق نظر آتا ہے۔

شیخ سعد الدین خیرآبادیؒ کے ایک مرید شیخ اللہ دیاؒ کے حال میں لکھتے ہیں:

"ہمدریں سال کہ نہ صد و نود و سہ است وفات یافت"

پھر شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ سے ۹۹۶ھ میں اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ کتاب کے خاتمہ پر یہ قطعہ تاریخ درج ہے ؎

طیب اللہ حتی انفاسک — زادک اللہ قوۃً وغنیً

نام تاریخ ایں کتاب عزیز — گرکنی ذکر الاولیا احسن (۹۹۹)

تکملہ میں ۹۹۹ھ کے بعد کے حالات بھی ملتے ہیں۔

شیخ محدثؒ کی اس کتاب کو اُن کی زندگی ہی میں بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ جہانگیر نے جب دیکھا تو شیخ محدثؒ کی محنت و تحقیق کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔[۱]

معاصرین نے شیخ کی جس تصنیف کی سب سے زیادہ تعریف کی ہے وہ اخبار الاخیار ہی ہے۔ محمد غوثی نے لکھا ہے:

"الحمد للہ، آپ نے اس فرصت کے اندر عالم باطن کے پردہ نشینوں کی تصویر بھی قلم کی نقاشی سے کھینچ کر کتب تصنیف کو معرفت بیانی کے تصویر خانہ میں جگہ دی ہے۔ بالخصوص تذکرۂ مشائخ جو اخبار الاخیار کے نام سے نامزد ہے۔ اس کتاب کی خوبیاں تعریف کے قالب میں

---

[۱] تزک جہانگیری۔ ص ۲۸۲۔ جہانگیر کے متعلق مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہیں: "چونکہ نکتہ شناس تھا، اس لیے ہر شخص کی نسبت ایسی رائے ظاہر کرتا ہے جو ایک بڑے مدقق کا کام ہو سکتا ہے" (تزک جہانگیری اور جہانگیر)

نہیں سما سکتی ہیں"[1]

بدایونی نے شیخ محدث کی صرف دو ہی کتابوں کا ذکر ضروری سمجھا ہے۔ تاریخ مدینہ (یعنی جذب القلوب) اور اخبار الاخیار[2]

اخبار الاخیار ہندوستان میں متعدد بار چھپا ہے۔ ۱۲۸۳ھ میں مطبع محمدی سے ۱۳۰۹ھ اور ۱۳۳۲ھ میں مطبع مجتبائی سے چھپا۔ ۱۳۲۸ھ میں مولانا غلام احمد خاں بریاں نے اس کا اردو ترجمہ حافظ سید یٰسین علی صاحب سے کرا کر مسلم پریس سے شائع کیا تھا۔ قلمی نسخہ بوڈلین، ایشیاٹک سوسائٹی، برٹش میوزیم، کیمبرج یونیورسٹی، بانکی پور وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

احوال ائمہ اثنا عشر خلاصۃ اولاد سید البشر (فارسی) اس رسالہ میں شیخ محدث نے بارہ اماموں کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ اس کا تاریخی نام "دم خاندان کرم" ہے۔ یہ رسالہ حضرت خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب سے منقول ہے۔ قلمی نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[3]

انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ (فارسی) اس رسالہ میں شیخ محدث نے مشائخ سلسلہ شاذلیہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں تھا۔[4]

زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار (عربی) بہجۃ الاسرار۔ شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف (۶۴۴ھ۔ ۷۱۳ھ) کی تصنیف ہے۔ شیخ محدث نے زبدۃ الآثار کے نام سے اس کا خلاصہ کیا ہے۔

بہجۃ الاسرار حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے حالات میں نہایت قدیم اور مستند

---

[1] گلزار ابرار (اردو ترجمہ)
[2] منتخب التواریخ
[3] قلمی نسخہ نمبر ۱۷۳۶
[4] مراۃ الحقائق

کتاب ہے۔ شیخ نورالدینؒ اور حضرت غوث الاعظمؒ کے درمیان فقط دو واسطے ہیں۔ اس بنا پر اس کتاب کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ شیخ نورالدین جید عالم تھے، قادری سلسلہ میں بیعت تھے۔ شہر شنطوق میں رہتے تھے، اس لیے شیخ شنطوفی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

شیخ محدثؒ کو حضرت شیخ جیلانیؒ سے جو عقیدت تھی اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اسی تعلق کی بنا پر انھوں نے اس کتاب کا خلاصہ کیا، اور اس طرح پر اس کا عطر نکال لیا۔ زبدۃ الآثار ۱۳۰۴ھ میں بمبئی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ کحل الابصار کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ قلمی نسخے بھی بعض کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ آصفیہ کتب خانہ میں ایک اچھا نسخہ ہے۔ ایک نہایت قدیم نسخہ خاکسار کے پاس بھی ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں۔

زبدۃ الآثار کا فارسی ترجمہ حضرت شیخ نے داراشکوہ کی فرمائش پر کیا تھا۔

مطلع الانوار البہیۃ فی الحلیۃ النبویۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا گیا ہے۔ قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے[1]

---

[1] ۱۰۷۸ جلد اول۔

[2] D/245 ص ۴۱ (مرزا)

باب دوازدہم

علمِ نحو

علم نحو سے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے دو کتابیں تصنیف کی تھیں۔

(۱) حاشیۃ الفوائد الضیائیہ

(۲) افکار الصافیہ فی ترجمۃ کتاب الکافیہ

اول الذکر شرح ملا پر حاشیہ تھا۔ دوسری کتاب کے متعلق فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں :۔

"درسن صغر در ابتدائے حال طالب علمی بتقریب کسے کہ نسبت معنوی و رابطۂ قوی داشت تا آخر منصوبات تسوید نمودہ شد و تا بحث مرفوعات بہ بیاض رسید و عمر کاتب حروف دراں وقت پانزدہ یا شانزدہ سال بود۔

باب (۱۳) سیزدہم

ذاتی حالات

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل کتابیں ذاتی حالات سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث

(۲) تالیف قلب الالیف

(۳) زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین

(۴) وصیت نامہ

اجازۃ الحدیث فی القدیم والحدیث اس رسالہ میں شیخ محدث نے اپنی اسناد حدیث درج فرمائی ہیں۔ اس رسالہ کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں تھا[1]

تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف اس رسالہ میں شیخ محدث نے اپنی تصانیف کی فہرست درج کی ہے۔ ابتدا میں دہلی کے بعض شعراء اور مصنفین کا حال بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب پہلے مطبع عزیزی رامپور سے پھر ۱۳۰۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ ایلیٹ نے اپنی تاریخ کی چھٹی جلد میں اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ شامل کیا ہے۔ یہ ترجمہ میجر اے آر فلر کا کیا ہوا ہے۔ ایڈیٹر اور مترجم دونوں نے اس کتاب کے نام سے ناواقفیت ظاہر کی ہے[2] کچھ عرصہ ہوا

[1] مرآۃ الحقائق۔ ص ۴۸۔ [2] Elliot & Dowson جلد ششم ضمیمہ ص ۴۹۲-۴۸۴۔ لیکن ص۴۸۲ پر نام درج ہے۔

کہ حیدرآباد سے سید شمس اللہ قادری نے اس کا ابتدائی حصہ تذکرہ مصنفین دہلی کے نام سے شائع کیا تھا۔

زادُ المتّقین اس کتاب میں قیام مکہ معظمہ کے حالات ہیں نیز شیخ علی متقیؒ اور شیخ عبدالوہاب متقی اور دیگر مشائخ مکہ کے واقعات وسوانح درج ہیں۔

دیباچہ میں فرماتے ہیں :-

"تامدت دوسال وکسرے بحالت قیام مکہ معظمہ انچہ دیدم یاشنیدم ضبط کردم"

شیخ محدثؒ نے مکہ معظمہ میں اس کو لکھنا شروع کیا تھا، ہندوستان میں مکمل کیا۔ فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں :

"احوال ایں کتاب بہ مکہ معظمہ ضبط کردم وبہ ۱۰۰۰ھ آنرا بتفصیل نوشتم"

زادالمتقین کے متعلق خود شیخ محدثؒ کی رائے یہ ہے :

"اگر صراط مستقیم ومنہج قویم نیز نام آں کنم شاید۔ ومیزان عدل ودین حق لقب وے نہم تواند وگماں آنست کہ اگر سالکے بایں رفتار رود بمنزل مراد برسد واگر ایں را حاکم وقت دستور حال خود سازد از جادہ بیروں نیفتد"

زادالمتقین اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ قلمی نسخے برٹش میوزیم[1] اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہیں۔

وَصیّت نامہ اس میں شیخ نے اپنے وصایا درج کیے ہیں۔ طبع نہیں ہوا۔ قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں موجود تھا[2]

---

[1] (Rieu, Or. 2/7) [2] مرآۃ الحقائق۔ ص۔ ۶۰

باب (۱۴) چہاردہم

خطبات

شیخ محدثؒ نے ایک کتاب فصول الخطب لنیل اعالی المرتب میں خطبات جمع کیے تھے۔ اس کتاب کا کوئی نسخہ اب دستیاب نہیں ہوتا۔

باب پانزدہم (۱۵)
مکاتیب

شیخ محدثؒ کی دو تصانیف اس عنوان کے ضمن میں آتی ہیں :-

(۱) کتاب المکاتیب والرسائل

(۲) صحیفة المودة

کتاب المکاتیب میں اڑسٹھ خطوط ہیں۔ ان خطوط کی حیثیت رسائل کی ہے۔ جن میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بعض عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے۔
حضرت خواجہ باقی باللہؒ، شیخ عبداللہ نیازیؒ، شاہ ابوالمعالیؒ کے علاوہ نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید، نواب خان خاناں، شیخ ابوالخیر مبارک اور فیضی وغیرہ کے نام بھی خطوط ہیں۔
کتاب المکاتیب کا یہ مجموعہ ۱۲۹۶ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ ۱۳۳۲ھ میں اسی مطبع سے اخبار الاخیار کے حاشیہ پر اس کو چھاپا تھا۔ اس کے قلمی نسخے کم ملتے ہیں۔ جو ملتے ہیں ان میں مضامین کی کمی بیشی ہے۔ بانکی پور میں جو نسخہ ہے اس میں صرف چوالیس رسائل ہیں[۲]۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد ماجد کے پاس شیخ محدثؒ کے مکتوبات کا جو مجموعہ تھا اس میں غالباً زیادہ مکاتیب تھے[۳]۔

صحیفة المودة حقیقت میں ایک مثنوی تھی جس میں بقول شیخ ــــ
"شہر آشوب عالم محبت است۔ خالی از

---

[۱] مطبوعہ نسخہ میں تین رسائل ایسے ہیں جن کا ذکر فہرس التوالیف میں نہیں ہے۔
[۲] نمبر ۱۳۸۹۔ [۳] تذکرہ۔ ص ۱۰۔

سلامتے وملامتے نیست وکسے کہ مطلع باشد براحوال جماعہ مکتوب الیہم۔ واندکہ درضمن بیان موانی آں چہ نکتہا وظرافتہا رعایت کردہ شدہ است"

یہ خطوط سب دوستوں کے نام تھے۔ اس مثنوی کا کوئی نسخہ اب دستیاب نہیں ہوتا۔

باب شانزدہم (۱۶)

اشعار

شیخ محدثؒ کو شعروسخن کا ذوق خاندانی ورثہ میں ملا تھا۔ ان کے والد شیخ سیف الدینؒ ان کے چچا شیخ رزق اللہ مشتاقی، ان کے جدامجد شیخ فیروزؒ شعروشاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ موخرالذکر کے متعلق شیخ محدث نے لکھا ہے۔

"معنی علویت وشعر وظرافت درخانۂ ما ازوے پیدا شد"

شیخ محدثؒ کے ذکر میں نظام الدین بخشی لکھتے ہیں :۔

"زبان شعر دارد"

معارج الولایت میں لکھا ہے :۔

"درشعر نیز ربطے تمام داشت ..... ازمنظومات او ہرجنس ازبحروزن گفتے وحق تخلص خودرا نہادے، چنانکہ درکتب ورسائل ایشاں اشعار ایشاں مکتوبست"

شیخ کے دیوان کا کوئی نسخہ نظر سے نہیں گزرا صبح گلشن کے مرتب نواب علی حسن خاں کا بیان ہے :

"دیوانش مشتمل براںواع نظم کہ اکثرش قصائد نعتیہ است ازنظر گذشت"

ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں شیخ کے دیوان کا نسخہ نہیں ملتا۔ کتب خانہ آصفیہ میں ایک مختصر منظوم رسالہ تصوف سے متعلق ضرور ملتا ہے لیکن وہ غالباً دیوان سے علیحدہ چیز ہے۔

شیخ عبدالحق ؒ نے ایک بیاض حسن الاشعار فی جمع الاشعار کے نام سے جمع کی تھی اس کے متعلق فہرس التوالیف میں لکھتے ہیں:۔

"چند غزل و قصائد و قطعہا و رباعیات کہ بجہت شرم و حیا ستر و اخفار آں لازم است نامرتب در بیاضہا افتادہ بود و بہ نسبت بے حیائی کہ لازمۂ طریقۂ شاعری است نوشتہ شدہ و در دیباچۂ رسالہ جزوے از نثر در عذر کم گوئی کہ متضمن معنی قباحت فہمی است ذکر کردہ شدہ"[1]

اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ ایام طالب علمی میں ایک مثنوی آداب المطالعۃ والمناظرہ لکھی تھی۔ وہ بھی نایاب ہے صحیفۃ المودۃ میں دوستوں کے نام خطوط تھے۔ اس کا بھی اب پتہ نہیں ملتا۔

ان حالات میں شیخ محدث ؒ کے شاعرانہ کمالات کے متعلق تفصیلی بحث ممکن نہیں۔ اُن کی تصانیف میں اشعار کثرت سے ملتے ہیں، اور غالباً بیشتر ان ہی کے ہیں لیکن یقین کے ساتھ ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال جن اشعار کے متعلق یقین ہے کہ وہ شیخ محدث ؒ ہی کے ہیں، ان کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے کلام میں درد، تاثیر، علو معانی، استادانہ پختگی اور شیرینی سب کچھ ہے۔

---

[1] فہرست کتب۔ جلد اول۔ ص ۳۲۶۔
یہ رسالہ نظر سے نہیں گزرا۔ فہرست میں جن دیگر رسالوں کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے، اُن میں چند موضوع ہیں۔ اور کچھ کی نسبت غلط ہے۔ ممکن ہے کہ اس رسالہ کے متعلق بھی غلط فہمی ہوئی ہو۔

(۱) اشعار جو تصانیف میں ملتے ہیں

دوش از کثرت اغیار بجاتم دادند | رہ بسوئے حرم وحدتِ ذاتم دادند
حقی از گوشہ دہلی نہ نہم پا بیرون | خود گرفتیم کہ ملکِ گجراتم دادند

حقی کجا و صحبت کس کز خیالِ دوست | دارد بخود چو مردم دیوانہ عالمے

حقا بیانِ شوق بپایاں نمی رسد | کوتاہ ساز قصۂ دور و دراز را

عجب زاطوار خود پسندانست | طور ما طور درد مندانست
ہیچ چیزے چو درد مندی نیست | کہ درو بوئے خود پسندی نیست

(المکاتیب ص ۲۹۹)

حقی تو ز تاریخ و حکایات مگوئی | در راہ تتبع روایات مپوئی
در زاویہ فقر نشستی کارے | جز ذکر خدائے نفی و اثبات مجوئی
حقی زپئے قصہ و افسانہ شدی | چوں مردم روزگار فرزانہ شدی
درویش ترا ز ذکر شاہاں چہ غرض | مفتون سخن گشتی و دیوانہ شدی
مقصود اہل ذوق ز ذکر گذشتگاں | تنبیہ عبرت است چہ مسکیں چہ بادشاہ

(ذکر ملوک)

مخدوم عارف زماں مشتاقی | وے گفت بوقت نقل مشتاق حقم
حقی چو بتاریخ وفاتش نگریست | نوک قلمش ہماں سخن کرد رقم
۹۸۹

صد شکر کہ از تشنگی غم رستم | چوں قطرہ بدریائے کرم پیوستم
بر کشتی توفیق ازل بنشستم | وز زمزم قدس چہرۂ دل شستم

(جذب القلوب)

ایں نامہ کہ پایۂ ترقی آمد | شایستہ اقبال و ترقی آمد
جنبیدن خامہ وقت تسوید حروف | در دست دل شکستہ رحمی آمد

(احوال ائمہ اثنا عشر)

اے آنکہ ترا طالع مسعود بود | دانی کہ مرا از توچہ مقصود بود
یک فاتحہ از بہر من خستہ بخواں | تا عاقبت کار تو محمود بود

(سفر السعادت)

مرا از دم خاندان کرم | چو جنبید ایں کلک مشکیں رقم
زصاحب دلے کز دم آگاہ بود | دم ہمتے نیز ہمراہ بود
زنی گر ز تاریخ ایں نامہ دم | بر آر از دم خاندان کرم
۱۰۱۸ھ

رفت بر بوئے سر زلف تو حقی بچمن | ورنہ کے بوئے نسیم سحری بود غرض

بہر جورے کہ آں مہ می کند از جا مرو حقی | کہ دلدار مرا شاید کہ مقصود امتحاں باشد

(شرح فتوح الغیب)

(۲) اشعار از صبح گلشن

ز دیدہ تیز نگاہش گزشت و در دل خورد | بلائے دیدہ نگہ کن کہ بر دل افتادہ است
شہید عشق بپندار خفتہ در خاک ست | کہ چشم بستہ و برباد قاتل افتادہ است

بر رخش زلف پر شکن بیند — سنبل افتادہ بر سمن بیند
در گرفت از رخش بگل آتش — آتش افتادہ در چمن بیند
تن او در درون پیراہن — ہمچو جاں در درون تن بیند

آں ترک مردم کش نگو بہر تماشا می رود — شہرے ہمہ شد صید او اکنوں بصحرا می رود
در دیدن آں عشوہ گر طاقت کجا دارد بشر — سویش ملک بیند اگر او نیز از جا می رود

قامتش در جلوہ آمد طاقتم بر باد رفت — نرگسش در خواب رفت و فتنہ را بیدار کرد
حال حقی بر تو کے ظاہر شود زیرا کہ وے — حالتے دارد کہ نتواند بخود اظہار کرد

شب فراق کہ از ہجر یار می گریم — بہانہ درد کنم زار زار می گریم
بہر کجا کہ بود ملتے روم آنجا — بدیں بہانہ ز ہجر نگار می گریم

چناں در غیرتم از تو کہ گر چشمت ترا بیند
پریشاں گردم و خواہم کہ آں چشم تو من باشم

آخر بہ دور تو شکرستاں شود جہاں — ریزد بدیں صفت چو شکر از دہان تو
خوش داری اے رقیب بحقی گمان وصل — یا رب ہمیشہ راست بود ایں گمان تو

رنگ حناست بر کف پائے مبارکت
یا خون عاشق ست کہ پامال کردۂ

در خواب ہمیشہ با خیال تو خوشم   در بیدارم بخط و خال تو خوشم

القصہ چہ در خواب چہ در بیداری   اے مردم دیدہ با جمال تو خوشم [1]

[1] صبح گلشن ص ۱۴۰

فہرست تصانیف شیخ محدث رح

بترتیب حروف تہجی

نمبر	نام کتاب	فن و موضوع	زبان	کیفیت
۱	اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث	ذاتی حالات	عربی	غیر مطبوعہ
۲	اجوبۃ اثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر	اعمال	عربی	غیر مطبوعہ
۳	احوال ائمہ اثنا عشر خلاصہ اولاد سید البشر	سیر	فارسی	غیر مطبوعہ
۴	اخبار الاخیار فی احوال الابرار	سیر و تذکرہ	فارسی	مطبوعہ اُردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا
۵	آداب الصالحین	اخلاق	فارسی	مطبوعہ اردو ترجمہ از نواب قطب الدین دہلوی
۶	آداب اللباس	اخلاق	فارسی	مطبوعہ۔ اُردو ترجمہ
۷	آداب المطالعہ والمناظرہ (مثنوی)	اخلاق	فارسی	غیر مطبوعہ
۸	اسماء الاستاذین رح	ذاتی حالات	عربی	غیر مطبوعہ
۹	اسماء الرجال الرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ	حدیث	عربی	غیر مطبوعہ
۱۰	اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ	حدیث	فارسی	مطبوعہ
۱۱	افکار الصافیہ فی ترجمہ کتاب الکافیہ	نحو	فارسی	غیر مطبوعہ
۱۲	انتخاب المثنوی المولوی المعنوی	تصوف	فارسی	غیر مطبوعہ
۱۳	انوار الجلیہ فی احوال مشایخ الشاذلیہ	سیر و تذکرہ	فارسی	غیر مطبوعہ

نمبر	نام کتاب	فن موضوع	زبان	کیفیت
۱۴	بناء المرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع	علم حکمت	عربی	غیر مطبوعہ
۱۵	تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف	تصوف	عربی	غیر مطبوعہ
۱۶	تحقیق الاشارۃ الی تعمیم البشارۃ		عربی	غیر مطبوعہ
۱۷	ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین	حدیث	فارسی	غیر مطبوعہ
۱۸	ترجمہ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر	فارسی	مطبوعہ
۱۹	ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات	اعمال	فارسی	غیر مطبوعہ
۲۰	تسلیۃ المصاب لنیل الاجر والثواب	اخلاق	فارسی	غیر مطبوعہ
۲۱	تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی	تفسیر	عربی	غیر مطبوعہ
۲۲	تکمیل الایمان وتقویت الایقان	عقائد	فارسی	مطبوعہ۔ اردو ترجمہ شائع ہو چکا
۲۳	تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف	تصوف	عربی	غیر مطبوعہ۔
۲۴	توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب والاوراد۔	تصوف	مخلوط	مطبوعہ اردو ترجمہ شائع ہو چکا
۲۵	جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ	حدیث	مخلوط	غیر مطبوعہ۔
۲۶	جذب القلوب الی دیار المحبوب	تاریخ	فارسی	مطبوعہ اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا
۲۷	جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین	حدیث	عربی	غیر مطبوعہ۔
۲۸	جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندیؒ	تصوف	فارسی	غیر مطبوعہ ضمیمہ میں شائع کیا جا رہا ہے
۲۹	حاشیۃ الفوائد الضیائیہ	نحو	عربی	غیر مطبوعہ۔

نمبر	نام کتاب	فن و موضوع	زبان	کیفیت
۳۰	حسن الاشعار فی جمع الاشعار (دیوان	شعر	فارسی	غیر مطبوعہ و نایاب
۳۱	درۃ البہیہ فی اختصار الرسالۃ الشمسیہ	منطق	عربی	غیر مطبوعہ
۳۲	درۃ الفریدفی قواعد التجوید	قرأت	عربی	غیر مطبوعہ
۳۳	ذکر ملوک (تاریخ سلاطین ہند	تاریخ	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۴	رسالہ شب برات	حدیث	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۵	رسالہ صلوٰۃ الاسرار	تصوف	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۶	رسالہ عقد انامل	اعمال	فارسی	غیر مطبوعہ
۳۷	رسالہ نورانیہ سلطانیہ	تاریخ	عربی فارسی مخلوط	غیر مطبوعہ
۳۸	رسالہ اقسام حدیث	حدیث	عربی	غیر مطبوعہ
۳۹	رسالہ وجودیہ	تصوف	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۴۰	رسالہ وظائف	اعمال	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۴۱	زاد المتقین	سیر و تذکرہ	فارسی	غیر مطبوعہ
۴۲	زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر و تذکرہ	عربی	مطبوعہ عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا۔
۴۳	شرح سفر السعادت		فارسی	مطبوعہ
۴۴	شرح شمسیہ	منطق	عربی	غیر مطبوعہ
۴۵	شرح صدر در تفسیر آیت نور	تفسیر	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۴۶	شرح فتوح الغیب	تصوف	فارسی	مطبوعہ
۴۷	صحیفۃ المودۃ	مکاتبات	فارسی	
۴۸	فتح المنان فی تائید مذہب النعمان	فقہ	عربی	غیر مطبوعہ
۴۹	فصول الخطب	خطبات	عربی فارسی	

نمبر	نام کتاب	فن و موضوع	زبان	کیفیت
۵۰	فہرس التوالیف (تالیف قلب الالیف)	ذاتی	فارسی عربی	مطبوعہ
۵۱	لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح	حدیث	عربی	غیر مطبوعہ
۵۲	ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ	حدیث	عربی	مطبوعہ
۵۳	مدارج النبوۃ -	سیر	فارسی	مطبوعہ
۵۴	مرج البحرین	تصوف	فارسی	مطبوعہ، اُردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے
۵۵	مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ	اعمال	عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۵۶	مطلع الانوار البہیہ فی الحلیۃ النبویہ		عربی فارسی	غیر مطبوعہ
۵۷	نکات الحق والحقیقت	تصوف	فارسی	مطبوعہ
۵۸	نکات العشق والمحبت	تصوف	فارسی	غیر مطبوعہ
۵۹	وصیت نامہ	ذاتی	فارسی	غیر مطبوعہ
۶۰	ہدایت الناسک الی طریق المناسک		فارسی عربی	غیر مطبوعہ

حصہ سوم

شیخ محدثؒ اور اُن کے مُعاصرین

باب اوّل(۱)

حضرت مجدّد الف ثانیؒ

حضرت شیخ احمدؒ سرہندیؒ المعروف بہ مجدد الف ثانی اس عہد کے سب سے زیادہ مشہور و معروف بزرگ تھے۔ شیخ محدثؒ اور شیخ احمدؒ میں بڑی محبت اور مودت تھی۔ دونوں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چیں تھے اور دونوں کی زندگی کا مقصد احیاء ملت اور ترویج سنت و شریعت تھا۔

عارضی طور پر شیخ محدثؒ کو مجدد صاحبؒ کے نظریات سے کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے مجدد صاحب کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا جو ضمیمہ کے طور پر اس کتاب میں شامل ہے۔ اختلاف کی نوعیت کا اندازہ اس رسالہ کے مطالعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ بعد کو جب شیخ مجددؒ نے اپنے خیالات کی وضاحت کی اور ان کے متعلق سب شبہات دور ہو گئے تو شیخ محدثؒ کی رائے بھی بدل گئی۔ ان کا اختلاف نیک نیتی اور تحفظ شرع و سنت پر مبنی تھا۔ چنانچہ شکوک و شبہات رفع ہو جانے کے بعد انہوں نے انتہائی وسعت قلب کے ساتھ حضرت مجددؒ کے کارناموں کا اعتراف کیا۔

اکثر مورخین اور تذکرہ نگاروں نے اس اختلاف کی صحیح نوعیت کو نہیں سمجھا ہے، اور انہوں نے جانبداری سے کام لے کر تائید یا تردید میں بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ بعض بزرگوں نے تو اس سلسلہ میں صدق و دیانت ہی کو فراموش کر دیا ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں اس اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وجہ ایں نقار آنست کہ حضرت شیخ را در تقلید مذہب تعصب بسیار بود و مجدد را در اتباع سنت و رد بدعات طریقت و شریعت صلابت تمام بایں رہ گزر اتفاق میان ہر دو صورت نمی بست [۱]"

رسالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد نواب صاحب کے اس بیان کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اس اختلاف کو مجدد صاحبؒ کی شان میں توہین سمجھ کر طرح طرح کی تاویلات کی ہیں۔ یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں۔ یہ اختلاف عارضی تھا اور بہت جلد دور ہو گیا [۲] جب جہانگیر نے حضرت مجدد صاحبؒ کو گوالیار کے قلعہ میں بھیجا تو شیخ محدثؒ نے ہمدردی کا ایک خط لکھا جس کا مجدد صاحبؒ نے یہ جواب دیا :-

"الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ مخدوما مکرما۔ در ورود مصائب ہرچند تحمل اذی است امید کرامتہا است بہترین امتحہ ایں نشاء حزن واندوہ است وگوارا ترین نعم ایں مائدہ الم ومصیبت ایں شکرپارہا بداروئے تلخ غلاف رقیق فرمودہ اند وبایں حیلہ راہ ابتلاء انمودہ سعادتمنداں نظر بر حلاوت آنہا انداختہ وآں تلخی را در رنگ شکری خائید ومرارت را بر عکس صفرا شیریں می یابند۔ چرا شیریں نیابند کہ افعال محبوب ہمہ شیریں اند۔ علتے کہ از تلخ یابد کہ بحاسولئے گرفتار است۔ دولتمنداں در ایلام محبوب آں قدر حلاوت ولذت می یابند کہ در انعام او متصور نباشد ہرچند ہر دو از محبوب اند لیکن در ایلام نفس محب را مدخلے نیست ودر انعام قیام بمراد نفس است ۔

هنيئا لارباب النعيم نعيمها

اللهم لا تحرمنا اجرهم ولا تفتنا

---

[۱] اتحاف ص ۳۰۵۔

[۲] اخبار الاخیار کے اخیر میں کچھ لوگوں نے شیخ مجددؒ کا ذکر بڑھا دیا ہے (مطبع مجتبائی ۱۳۰۹ھ) جو بالکل بے محل ہے۔ اس میں شیخ عبدالحق کا ایک خط خواجہ حسام الدین کے نام نقل کیا گیا ہے جس میں شیخ محدثؒ نے میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنی اعلیٰ رائے کا اظہار کیا ہے۔ اور نیز اپنے اختلاف کے دور ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔

بعدہم وجود شریف ایشاں دریں غربت اسلام اہل اسلام را مغتنم است۔ سلمکم اللہ سبحانہ وابقاکم والسلام"[1]

شیخ مجددؒ شیخ محدثؒ کے احباب اور متعارف لوگوں سے بھی خصوصیت برتتے تھے اور ان کا کوئی کام کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ مرزا داراب بن عبدالرحیم خاں خاناں کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

"ثانیاً سفارش شیخ اسماعیل می نماید از آشنایان معارف آگاہی حاجی عبدالحق است"[2]

شیخ نورالحقؒ کے نام ایک طویل مکتوب پڑھنے کے قابل ہے۔ اس میں اخوی اعزی کہہ کر شیخ نورالحق کو مخاطب کیا ہے۔[3]

شیخ مجددؒ کے ان سب مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن میں اور شیخ محدثؒ میں بے حد خلوص اور یگانگت کے تعلقات تھے یہی نہیں بلکہ مجدد صاحبؒ ان کے وجود کو اس دور میں ایک نعمت سمجھتے تھے، اور ان کی روحانی صلاحیتوں کے معترف تھے۔

---

[1] مکتوبات جلد ثانی مکتوب ۲۹ ص ۴۶ - مجموعہ مکتوبات میں ایک اور خط (م ۱۱۵ جلد اول ص ۱۳۵-۱۳۶) بھی شیخ محدث کے نام ہے۔

[2] مکتوبات جلد اول ص ۲۶۸ - م ۲۲۹

[3] خط کا عنوان ہے : "در کشف سر گرفتاری حضرت یعقوب بحضرت یوسف" (م ۱۰۰ ج ۳ ص ۱۶۶)

باب دوم (۲)

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ

حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھیؒ کے برادر زادے، داماد اور خلیفہ تھے۔ قادریہ سلسلہ کی نشرواشاعت کے لیے انہوں نے مسلسل اور ان تھک کوششیں کی تھیں۔ ارشاد و تلقین میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ جن میں تحفۂ قادریہ، نغمات داودی، مونس جاں، زعفران زار، گلدستۂ باغ ارم وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شعر بھی کہتے تھے۔ غربتی تخلص تھا۔ ملا عبدالقادر ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"در چابک روئی یگانہ زمانہ و در حالات و مقامات فقر و فنا نشانہ، اگر ذکر موافقان رود نام او وفق، اگر نام سابقان در میان آید ذکر او اسبق" [۱]

شیخ محدثؒ کو اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ شرح فتوح الغیب کے خاتمہ پر اُن کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"اسدالدین شاہ ابوالمعالی کہ شیر بیشۂ جلالت و سرہنگ دیوان قدرت و از واصلان آگاہ و عاشقان درگاہ قادریہ است" [۲]

اخبار الاخیار میں شیخ داؤد کے ذکر میں لکھتے ہیں:

---

[۱] منتخب التواریخ جلد سوم۔ ص ۱۰۲
[۲] شرح فتوح الغیب۔ ص ۴۲۱
[۳] اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۱، ۲۰۲

"اکنوں جانشین شیخ داؤد شیخ ابوالمعالی است کہ بغایت مناست عالی وقت در بنتہائی وارد در ریاضت ومجاہدہ میکشد وقبولی تمام یافتہ حسن مقال وضمیمہ صحت حال ساختہ مناقب حضرت غوث الثقلین رض را در لباس عبارت فارسی درآوردہ" [1]

شیخ محدثؒ ان سے اپنا "احوالِ دروں" بیان فرمایا کرتے تھے اور ان کی روحانی رہنمائی اور دعاؤں کے ملتجی رہتے تھے۔ ایک خط میں انھوں نے نہایت تفصیل سے اپنی قلبی کیفیات کو بیان کیا ہے۔ "نفس بد کیش" نے ان کو دھوکا دیا کہ "تو آہن سردی کوبی ونزاد ریں راہ نصیبے نیست" اور ترغیب دی کہ عوام کی راہ اختیار کر کہ اس میں بے شمار فوائد ہیں۔ اس طرح ان کے اندر ایک عجیب ذہنی اور قلبی کشمکش پیدا ہو گئی۔ جب قلق واضطراب نے کرب وبے چینی کی صورت اختیار کر لی تو انھوں نے شاہ صاحبؒ سے رجوع کیا اور امداد کی التجا ان الفاظ میں کی ——

"بالجملہ اندوہ وتنگ دلی از حد گذشتہ وقت امداد واعانت است، فریاد رسی می باید کرد وردائے اغاثہ کبرٰی کہ منتہی بجناب حضرت غوث الاعظم است می باید پوشید وزرع داؤدی در بر کرد ودر قالب حقیقت عظمٰی غوثیہ درآمد وتصرف کرد وتوجہ بارواح مقدسہ مشائخ سلسلہ نمودہ واستکشاف حال کرد وخبرے گرفت واعلام نمود تا دل بمرکز قرار آید ؎

دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا" [2]

خط کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شیخ محدثؒ سخت قسم کی قلبی تکلیف میں مبتلا تھے۔ اور انہیں شاہ ابوالمعالیؒ کے علاوہ کوئی دوسرا بزرگ نظر نہ آتا تھا جس سے رہنمائی اور امداد کے خواہاں ہوں۔ اسی مکتوب کے آخر میں نہایت غمگیں لہجہ میں یہ شعر لکھا ہے ؎

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۲ [2] کتاب المکاتیب۔ ص ۲۲۷۔

فریاد دل غم زدہ را گر نکنی گوش
پس پیش کہ از دست تو فریاد تواں کرد[1]

شیخ محدثؒ ان کی روحانی صلاحیتوں کے دل سے قائل تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ایسا سنگ دل کون ہو سکتا ہے جو اُن کی صحبت کے اثر سے نرم نہ ہو جائے پھر فرماتے ہیں :-

"ذوق صحبت ایشاں و رنگ حال ایشاں کہ در ظاہر و باطن فقیر نشستہ است
بتقریر گنجائش بیان ندارد"[2]

شیخ محدث نے ان کو اپنا روحانی رہبر بنا لیا تھا۔ ایک مرتبہ کچھ اہم باتیں دریافت کرنے کے لیے شیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سب مشکلات حل کرنے کے بعد کہا کہ اگر تو نے افشائے راز کیا تو

"ترا رسوائے مرد و زن سازیم"

اس کے بعد لاہور میں کچھ عرصہ کے لیے مقید کر دیا[3]۔ اس قید سے شاہ ابوالمعالی کا مقصد اُن کی روحانی تربیت تھی۔ یہ ۱۰۲۵ھ سے قبل کا واقعہ ہے[4]

شاہ ابوالمعالیؒ نے شیخ محدثؒ کو بہت سے مشورے دیے تھے جن پر وہ تمام عمر عامل رہے اور جن کی وجہ سے ان کے علمی کاموں میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی تھی۔ مثلاً فرمایا کہ

"بگفتگوئے خلق و ملامت ایشاں گوش نہ نہند و در کار خود بجد باشید"[5]

شیخ محدثؒ کے تصنیفی کارناموں میں بھی ایک حد تک شاہ ابوالمعالیؒ کے مشورہ اور اصرار کو دخل تھا۔ فتوح الغیب کی شرح انہی کے اصرار پر لکھی گئی تھی[6]۔ مشکوٰۃ کی شرح کے

---

[1] کتاب المکاتیب۔ ص ۳۰۲ [2] ایضاً۔ ص ۳۰۵۔ [3] ایضاً۔ ص ۳۰۲۔
[4] اسی خط میں شیخ لکھتے ہیں کہ شاہ ابوالمعالی نے مشکوٰۃ کی شرح مکمل کرنے کا اصرار کیا تھا۔ شرح مشکوٰۃ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں مکمل ہوئی [5] کتاب المکاتیب۔ ص ۳۰۲ [6] شرح فتوح الغیب۔ ص ۲۱۴۔

سلسلہ میں انہوں نے فرمایا تھا کہ جلد اس کو مکمل کر لو۔

ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ ازاں مستفید شوند[1]

اس کے بعد مشورہ دیا تھا کہ شرح میں جا بجا اشعار درج کیے جائیں تاکہ انداز بیان دلچسپ اور موثر ہو جائے۔

حضرت شاہ ابو المعالیؒ نے شیخ محدثؒ کو ہدایت کی تھی کہ وہ دہلی سے باہر قدم نہ نکالیں وہیں گوشۂ تنہائی میں بیٹھے ہوئے اپنا کام کریں۔ ایک مرتبہ شیخ محدثؒ شاہ صاحب سے ملنے کے لیے لاہور چلے گئے تو ان کو اس سے بھی ناگواری ہوئی اور فرمایا:

"اکنوں بدہلی بروید کہ دہلی در فراق شما بزبان حال می نالد، بروید، بروید"[2]

ایک مرتبہ شاہ ابو المعالی کی علالت کی خبر سن کر شیخ محدثؒ نے عیادت کے لیے لاہور جانے کا ارادہ کیا، لیکن جب شاہ صاحب کی تنبیہ کا خیال آیا تو مجبور ہو کر بیٹھ رہے اور اس مضمون کا ایک عریضہ ارسال خدمت کیا:

"تقضیہ شوق و محبت و مقتضائے عرف و عادت آں بود کہ بشنیدن ایں حال بیتابانہ بملازمت می رسید کہ امروز دوستی برائے خود کہ خیر دنیا و آخرت خواہد جز ذات شریف ایشاں رانمی داند، دل و جان فدائے ایں محبت بلکہ ہر جا کہ نشانے از محبت است باد اما چوں رضاء ایشاں بخلاف ایں حال متعلق شدہ است جرأت نہ توانست"[3]

جب صحت کی اطلاع ملتی ہے تو لکھتے ہیں۔

"حق جل و علا سایۂ عنایت و محبت ایشاں را بر فقرائے ایں سلسلہ پائندہ دارد کہ وسیلہ حل بسے از مشکلات و سبب آسانی دشوار یہا ست"[4]

---

[1] کتاب المکاتیب۔ ص ۳۰۲۔ [2] ایضاً۔ ص ۳۰۳

[3] ایضاً۔ ص ۲۲۳-۲۲۴ [4] ایضاً۔ ص ۲۲۳۔

باب سوم (۳)

شیخ عبداللہ نیازیؒ

میاں عبداللہ نیازیؒ شیخ سلیم چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔ اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ میں شمار کیے جاتے تھے۔ آخری عمر میں سید محمد مہدی جونپوریؒ کے زیر اثر مہدوی ہو گئے تھے۔ بیانہ میں ان کی زندگی کا نقشہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس طرح کھینچا ہے:

"بیانہ میں شہر سے باہر ایک ویران باغ تھا۔ وہیں مٹی کا جھونپڑا بنا لیا اور مقیم ہو گئے اپنے ہاتھ سے پانی بھرتے مشکے سر پر اٹھا کرلے جاتے۔ پیاسوں کو پلاتے اور نمازیوں کو وضو کرا دیتے۔ بوڑھے آدمیوں کو دیکھتے کہ بھاری بوجھ اٹھائے جا رہے ہیں تو ان سے چھین کر خود اٹھا لیتے اور کوسوں دوڑتے ہوئے ساتھ چلے جاتے [۱]

با سبک روحاں کن آمیزش کہ ماندی چوں زراہ
بازغم بر دوش دل منزل بمنزل می برند

نماز کا وقت آتا تو لکڑہاروں اور سقوں کو جمع کرتے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے کسی پیشہ ور کو دیکھتے کہ عذر معاش سے نماز میں شریک نہیں ہوتا تو اپنی کمائی اس کو دیدیتے اور منت وزاری کے ساتھ کہتے کہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لو وہ پڑھ لیتا تو ایسے خوش ہوتے گویا دنیا جہاں کی بادشاہت اس نے دے دی! روز بروز یہ حالت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ "عشق خالق" اور "خدمت خلق" کے سوا کسی اور بات سے واسطہ نہ رہا۔

دو عالم از اثر شعلہ جانش سوخت | بجز متاع محبت کہ در پناہ منست" [۱]

[۱] تذکرہ۔ ص ۲۴۲-۲۴۳ (کلکتہ ایڈیشن)

کتاب المکاتیب میں ایک خط "رعایۃ الانصاف والاعتدال فی اعتقاد الصوفیہ من ارباب الاحوال" میاں عبداللہ نیازی کے نام ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محدثؒ کے ان سے مخلصانہ مراسم تھے اور وہ میاں عبداللہ کے متعلق بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ لکھتے ہیں :-

"مکتوب مرغوب نصیحت اسلوب رسید و بمطالعہ آں مشرف شد و از نصائح آں فوائد کتاب مراۃ الصفا کہ مصحوب مکتوب ارسال داشتہ بودند بہرہ مند و مستفید گشت و بر نعمت پروردگار کریم جل جلالہٗ وظیفہ شکر گزاری بجا آورد کہ بارے دریں روزگار جماعہ ہستند کہ بقول و فعل تحریص و ترغیب بر متابعت سنت سید الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ و علیہم می نمایند و از مبتدعات و مستحدثات اجتناب نمودہ دیگراں را نیز منع و نہی می فرمایند"[1]

شیخ نیازی نے اپنے خط میں صوفیہ کے متعلق بعض خیالات کا اظہار کیا تھا۔ شیخ محدثؒ کو ان خیالات سے اختلاف تھا۔ اس خط میں اُنھوں نے اپنے مخصوص انداز میں ان تمام اعتراضات پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ صوفیہ صافی کون ہیں؟ اُن کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف کی کیا اہمیت ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تصوف صرف وہ ہے جو "موافق کتاب اللہ و سنت رسول اللہ" ہو۔ باقی سب گمراہی ہے۔ مشائخ کا تصوف ایسا ہی تھا جو لوگ کتاب و سنت پر عامل نہیں وہ صوفی نہیں۔ ان کو "حشویہ" یا "باطنیہ" کہنا چاہیے اور اُن کے عمل کو صوفیہ صافی کا عمل سمجھ کر حقیقی تصوف کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے حقیقی صوفیہ کا مرتبہ بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

"اصل عنوان صوفیہ مرتبۂ عظیم و مقامے رفیع و مسلک طریق مستقیم است"[2]

---

[1] کتاب المکاتیب والرسائل ۔ ص ۴۷۔ [2] ایضاً ۔ ص ۵۱

باب چہارم (۴)

نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید

نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید، دورِ مغلیہ کے مشہور اکابر و اعیانِ سلطنت میں سے تھے۔ اکبر کے عہد میں وہ بخشی کے عہدے پر مامور تھے لیکن بقول مصنف اقبال نامہ جہانگیری "بخشی بود وزیر نشاں" جہانگیر کے عہد میں اُن کی دیانت، راست بازی اور محنت کی بہت قدر کی گئی اور (ان) کو گجرات کا والی مقرر کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ان کو پنجاب بھیج دیا گیا اور وہیں اُنھوں نے ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں وصال فرمایا[۱] اور دہلی میں سپردِ خاک کیے گئے۔[۲]

شیخ فرید کو اللہ تعالیٰ نے ایک حساس قلب اور بیدار مغز عطا فرمایا تھا۔ علماء و مشائخ سے ان کو گہری عقیدت تھی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:۔

"شیخ فرید بخاری کہ از اعاظم امرائے آں زماں بود جامع بود در میان نجابت و صلاح و اعتقادِ مشائخ صوفیہ"[۳]

وہ مذہبی شعار کو رواج دینے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ اسی تگ و دو میں اُن کا وقت صرف ہوتا تھا، انہیں کوئی لگن تھی تو یہی، کوئی مصروفیت تھی تو یہی۔ اُن کے زمانے کے علماء و مشائخ نے اس جذبے کو سمجھ لیا تھا، اور وہ پوری طرح اس کی قدر کرتے تھے۔ اکبری دور میں جب سنت و شریعت سے بے تعلقی بڑھی اور محلات شاہی فتنہ و فساد کا مرکز بنے تو حالات

---

[۱] جہانگیر کو جب ان کی وفات کا علم ہوا تو "ازیں خبر ناخوش خاطر آزردگی تمام بہم رسانید" تزک جہانگیری ص۱۵۸
[۲] ملاحظہ ہو، واقعات دار الحکومت دہلی۔ جلد سوم [۳] انفاس العارفین۔

کی اصلاح کے لیے علماء و مشایخ کی نظر انتخاب ان ہی پر پڑی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنی انقلابی تحریک میں اُن سے دست راست کا کام لیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے نقشبندیہ سلسلہ کی ترویج میں اُن کی ہمدردیوں سے فائدہ اٹھایا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے احیاء سنت و شریعت کے لیے اُن ہی کی حمیت دینی کو متحرک کیا۔

مشایخ کی نظر میں شیخ فرید کی جو قدر و منزلت تھی اس کا کچھ اندازہ خواجہ باقی باللہؒ کے مکتوبات سے ہو سکتا ہے۔ حضرت خواجہ ان کو قبلہ گاہی سلامت کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ ایک بار اپنی مجلس میں فرمانے لگے:

"شیخ را برما حقہا است و بہ وسیلہ وجود ایشاں دریں راہ کشایشہا دیدہ ایم"[1]	ہم پر شیخ کے بہت حق ہیں اور ان کے وجود کی برکت سے ہم نے بڑی فتوحات اور کشایش دیکھی ہیں۔

مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں ان کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر لکھتے ہیں:

گر بر تن من زبان شود ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نتواں کرد[2]

شیخ فرید کے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ شیخ محدثؒ خود ان کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ کتاب المکاتیب والرسائل میں مندرجہ ذیل سات خطوط شیخ فرید کے نام ہیں:-

(۱) تحصیل المطلوب بانتظار المحبوب و رعایۃ الاعتدال فی العلم والحال (ص ۲-۸۰)
(۲) تقسیم الایام علی اربعۃ اقسام (ص ۸۳-۸۴)
(۳) تنبیہ الغافلین بغناء الدنیا وارباہا واغترار الجاہلین بزخارفہا واسبابہا (ص ۸۴-۹۱)
(۴) تجدید الذکر فی بیان حقیقۃ الشکر (ص ۹۹-۱۰۲)

---

[1] کلمات طیبات۔ ص ۸۲ [2] مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

(۵) تسبیب الخیر لدفع الغیر و دوام الالتجاء بالخوف والرجاء (ص ۱۱-۱۰۸)

(۶) کشف استار الظلم عن لسان الحال والقال والقلم (۱۱-۱۱۵)

(۷) التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ (ص ۱۶۰-۱۶۶)

ان مکتوبات کا ایک ایک لفظ پر معنی ہے۔ شیخ محدثؒ اور شیخ فرید کے باہمی تعلقات کی نوعیت اور اس زمانہ کی مذہبی اور سماجی حالات پر بڑی مفید اور دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔ اگر ان خطوط کے مطالعہ کے وقت یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ یہ زیادہ تر عہد اکبری میں لکھے گئے ہیں تو ان کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے۔

پہلے خط میں شیخ محدثؒ تین ہدایتیں کرتے ہیں:

(۱) طلب صادق پیدا کرو۔

(۲) پاداش عمل کا خیال رکھو۔

(۳) ظاہر و باطن میں کامل امتزاج پیدا کرو۔

"طلب صادق" کی وضاحت اس طرح کرنے کے بعد ـــــ

"طلب بر جانِ طالب چناں غالب آید و استیلا یابد کہ ہیچ مقصودے و ہیچ آرزوے ازاں مانع نیاید و غلبۂ شوق و تعطش بآں سرحد رسد کہ اگر عقلائے عالم حکم کنند کہ وصول بدیں مطلوب محال است و حصول ایں مقصود متعذر، ایں سخن در گوش اصلا راہ نیابد"[1]

فرماتے ہیں کہ بیکار بیٹھنے کی گنجائش نہیں۔ جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ یہ خیال نہ کرو یہ چھوٹا سا کام ہے۔ اللہ نے ہر کام کا اجر مقرر کیا ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ پھر ظاہر و باطن کے امتزاج پر نہایت ہی پُرتاثیر گفتگو کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن[2]

---

[1] کتاب المکاتیب۔ ص ۲۷ [2] ایضاً۔ ص ۶۹۔

ایک خط میں ارشاد ہوتاہے کہ دین کے دو بازو ہیں۔ التعظیم لامراللہ اور الشفقۃ علی خلق اللہ۔ دونوں کی وضاحت کرنے کے بعد فرماتے ہیں —

"امامقام التعظیم لامراللہ عالی تروشان ومرتبہ وسے دراعلاء کلمۂ اسلام وتشئید وتائید امر دین وملت بالاتر از آنست و بحقیقت ہیچ کارے کہ باعث قبول وسفید روئی مرد در بارگاہ عزت و درگاہ نبوت تواند شد، بالاتر ازاں نیست کہ در تقویت دین وملت وترویج وتائید سنت کوشد و دراں بذل وجود نماید و در سواد آں لشکر اگرچہ تن تنہا باشد بیفزاید"[۱]

شیخ محدث امراء سے دین کے جس بازو کو قوی کرنے کی اُمید رکھتے تھے اس کو نہایت عمدگی اور صفائی سے اس جملہ میں بیان کردیا ہے۔ وہ امراء کو اعلاء کلمہ حق کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے شیخ فرید نے اس سلسلہ میں جس خلوص اور انہماک کا ثبوت دیا اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو شیخ محدث نے ان کی عیادت کے لیے لکھا ہے۔

"مقصود وغرض دعا بود وشکرانہ وجود شریف وصحت وسلامت ذات بابرکات از عارضہ ضعف کہ عنصر لطیف طاری شدہ بود، الحمد للہ کہ بطالع فقراء و درویشاں و توجہ محباں کدورت غبار وحشت از چہرہ مقصود زود بصفا مبدل شد، وجود شریف ایشاں غنیمت است وبقاء ذات بابرکات محض حکمت وعین مصلحت"[۲]

ایک خط میں اُن کے متعلق فرماتے ہیں :-

"حق نعمتے از آنحضرت بر ذمہ فقراء وقت ثابت شدہ است"[۳]

آگے ارشاد ہوتا ہے :

"گاہے گاہے ایں خس ریزہ راکہ آں از قلم نامند بر دست ایں حقیر جریاں می دہند وانچہ لائق روزگار اصحاب وموافق حال ایں فقیر بود حرفے سر می زند"[۴]

---

[۱] کتاب المکاتیب - ص ۱۶۱
[۲] کتاب المکاتیب - ص ۱۱۱۔
[۳] ایضاً ص ۱۰۲
[۴] ایضاً ص ۱۰۲

اس کے بعد خاموشی سے لکھتے ہیں۔

"اگر در اثنائے آں حرف آشنا سرزد زہے سعادت وقبول اما بشرط ستر وکتمان

تا سخن در پردہ بماند وقدم از جادہ ادب بیروں نیفتد" [1]

شیخ محدثؒ کا یہ جملہ حقیقت میں اُن کے خطوط کا مفہوم سمجھنے کے لیے کلید کا کام دیتا ہے۔ وہ "ستر وکتمان" کے قائل تھے۔ "در پردہ" بات کرتے تھے۔ غیر ضروری ہنگامہ آرائی انہیں پسند نہ تھی جو مقصد پیش نظر تھا وہ خاموشی اور احتیاط سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مجھے خط لکھتے ہوئے بڑی سراسیمگی اور پریشانی ہوتی ہے۔ وجہ یہ بتاتے ہیں:

"املا وانشائے مکاتیب خصوصاً وقتے کہ مکتوب الیہ در غایت عزت ورفعت درجہ وکاتب در نہایت ناکسی وخواری افتد ایں جا قلم زن سراسیمہ وحیران بود وقلم از وے سراسیمہ تر وحیران تر" [2]

پھر فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ جناب والا میں مدح وستائش کی تمنا بالکل نہیں ہے۔

---

[1] کتاب المکاتیب۔ ص ۱۰۲ [2] ایضاً ص ۱۱۳۔

باب (۵) پنجم

عبدالرحیم خانخاناں

بیرم خاں کے فرزند عبدالرحیم خاں خاناں[1] (۹۶۴-۱۰۳۶ھ) کا نام مغلیہ عہد کی تاریخ میں علم و فضل، اور شجاعت و شہامت دونوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ عرفی اسے مخاطب کرکے کہتا ہے ؎

اے داشتہ در سایۂ ہم تیغ و قلم را!

وہ اپنے زمانہ کا جید عالم تھا۔ دنیا کی بہت سی زبانوں پر پوری قدرت رکھتا تھا۔ مآثر الامراء میں لکھا ہے :-

"خانخاناں در قابلیت و استعداد یکتائے روزگار بود و اد عربی و فارسی و ترکی و ہندی رواں داشت۔ شعر خوب می فہمید و می گفت۔ رحیم تخلص می کرد۔ گویند کہ باکثر زبانہا کہ در عالم رائج است حرف می زد"[2]

مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ خانخاناں اس درجہ کا سخن سنج تھا کہ اگر وہ شاعری میں پڑتا تو عرفی اور نظیری کا ہمسر ہوتا[3]

شجاعت و تہور کا یہ عالم تھا کہ دکن (جو بہت سے مغل سپہ سالاروں کی شہرت کا مدفن تھا) ہمیشہ اس کی شہامت و بہادری کے افسانوں سے گونجتا رہا۔ محمد غوثی نے

---

[1] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو، مآثر رحیمی، عبدالباقی نہاوندی، نیز مآثر الامراء۔ حصہ دوم
[2] مآثر الامراء۔ جلد دوم۔ ص ۷۰۹۔
[3] شعر العجم

اس کے اخلاق، معنوی فقر، فصاحت و بلاغت بخشش وکرم اور حافظہ کی بڑی تعریف کی ہے[1] اس کو صوفیہ اور مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے کا بہت شوق تھا اور ان سے بڑی عقیدت کے تعلقات رکھتا تھا۔ مجدد صاحبؒ کے مجموعہ مکتوبات میں متعدد مکتوبات اس کے نام کے ہیں

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بھی نواب خاں خاناں سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ اکبری عہد میں جن امرا نے اپنے دینی احساس وشعور کو بیدار رکھا تھا، اُن میں نواب خان خاناں بھی تھے۔ اور صرف یہی ایک بات شیخ محدثؒ کی نظر میں اُن کی عزت اور عظمت قائم کرنے کے لیے کافی تھی۔ کتاب المکاتیب میں مندرجہ ذیل پانچ خطوط شیخ نے ان کے نام لکھے ہیں

(۱) اختیار التخلی لانتظار التجلی (ص ۷۰-۷۳)

(۲) تذکیر اولی الاحلام بان لذات الدنیا کلھا آلام و رفع التعب والعنا بالجمع بین الفقر والغنا۔ (ص ۷۷-۸۰)

(۳) سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ص ۹۱-۹۴)

(۴) صدق التعطش والدوام فی طلب المقصد والمرام (ص ۹۶-۹۸)

(۵) اتحاف الاحبہ ببیان حدیث المحبۃ (ص ۱۰۲-۱۰۶)

ان خطوط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خان خاناں کو صرف بزرگوں کی صحبت ہی سے دلچسپی نہ تھی بلکہ سلوک ومعرفت کی وادیوں کی سیر کرنے کا بھی شوق تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ مشائخ سے مراسلت رکھتا تھا۔ شیخ محدثؒ نے اپنے مکتوبات میں بعض باتیں اُس کی روحانی تربیت کے لیے لکھی ہیں۔ بعض باتوں کا مقصد احیاء شریعت وسنت کے لیے اس کی حمیت دینی کو جوش دلانا ہے۔ ان مکتوبات کا ایک ایک حرف جذبے اور تاثیر سے ڈوبا ہوا ہے۔

مکتوب اول میں "عمل بیہم" کی تلقین اس طرح کرتے ہیں کہ

"در تمام سال ماہے و در ماہے ہفتہ و در ہفتہ روزے و در روزے ساعتے"[2]

---

[1] گلزار ابرار۔ ص ۶۲۶-۶۲۷ [2] کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص ۷۲۔

انسان اپنے کام میں مشغول رہے۔ ایک لمحہ کی کوتاہی بعض اوقات مہلک ثابت ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ "حصول یقین" کے انتظار میں عمل کو ٹالتے رہتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔؎۱

"شیخ ذکر اللہ بالخیر می فرمود، در اول حال اختیار عمل را مشروط بحصول یقین نباید داشت و بہماں قدر تصدیق کہ حاصل است اگرچہ اعتقاداً و تقلیداً باشد شروع در عمل باید کرد، تاہم از صفا معاملت و نورانیت عمل رفتہ رفتہ حجاب ریب از جمال شاہد غیب برافتد و نور یقین جلوہ گر آید راضی شدن بنقصان و تسویف و تاخیر سعی در ازالہ و علاج آں مقصد را دور تر اندازد و علت بُعد و حجاب را مستقر و متمکن سازد و ختم و طبع و زیں کشد نعوذ باللہ منہا، یقین است کہ صاحب فطرت سلیم ہرگز از جادہ سلامت و طریق استقامت بدر نیفتد........ یکے از محققان گفتہ است کہ فطرت سلیمہ مجبول است بر اختیار دین اسلام" ؎۲

شیخ ذکر اللہ بالخیر فرماتے تھے کہ ابتدائے حال میں عمل کو حصول یقین کے ساتھ مشروط نہیں کرنا چاہیے۔ اسی تصدیق پر جو حاصل ہے۔ (اگرچہ وہ اعتقاداً اور تقلیداً ہی کیوں نہ ہو) عمل شروع کر دینا چاہیے تاکہ معاملہ کی صفائی اور عمل کی نورانیت کی وجہ سے شک وشبہ کا حجاب شاہد غیب کے جمال سے رفتہ رفتہ اٹھ جائے اور یقین کا نور جلوہ گر ہو۔ نقصان پر راضی ہو جانے تسویف اور ازالہ وعلاج میں تاخیر کرنے سے مقصد دور تر ہو جاتا ہے۔ حجاب اور دوری کی علت مستقل اور مضبوط کر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے نعوذ باللہ منہا۔ یقین ہے کہ فطرت سلیم رکھنے والا شخص ہرگز سلامتی کی راہ اور استقامت کے طریقے سے نہیں ہٹیگا...... ایک محقق نے کہا ہے کہ فطرت سلیمہ دین اسلام قبول کرنے پر مجبور ہے۔

دوسرے مکتوب میں شیخ محدث "آداب سحر گاہی" کی تلقین اس طرح فرماتے ہیں :-

؎۱ یہاں حضرت شیخ کے خیالات شاہ کلیم اللہ دہلوی سے بہت ملتے ہیں۔ شاہ کلیم اللہ صاحب اپنے خلفاء کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ اس انتظار میں نہ رہیں کہ غیر مسلم پہلے مسلمان ہو جائیں پھر اُن کو ذکر بتایا جائے ذکر پہلے بتا دیا جائے وہ خود ان کو ربقۂ اسلام میں کھینچ لیگا" ملاحظہ ہو "مشائخ چشت" باب اول شاہ کلیم اللہ دہلوی کے کتاب المکاتیب۔ ص ۹۳۔

مشائخ گفتہ اند کہ دریں عالم انچہ از لذتہائے بہشت نمونہ گذاشتہ اند ذوق تملق و مناجات وقت سحر است" [1]

ایک اور خط میں ارشاد ہوتا ہے :

"پیرِ ما و پیرِ عالمیاں حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانیؒ می فرماید کہ نیم شب برخیز وضو تازہ بساز دو رکعت نماز بگذارد بہ سجدہ رد" [2]

ایک جگہ "فقیرِ صابر" اور "غنیِ شاکر" کا دلچسپ موازنہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

آنرا کہ سوزش فقر در ساز دو غناش از دائرہ بیروں انداز د فقرش مبارکباد وآنرا کہ غنا براہ اعتدال بردد با عروس توفیق ہم آغوشی دہد غناش گوارا باد ..... غنی باید کہ فقیر را از خود بہتر داند و فقیر نیز خطبۂ فضل غنا بلند تر از پایہ حال خود خواند تا در جانبین عجب و تکبر راہ نیابد" [3]

ایک مکتوب میں ترویج دین کی اہمیت کو اس طرح بیان فرما کر

"اعظم امور دریں باب ارشاد و ہدایت است و تجدید و ترویج احکام سنت، بالا تر ازیں کارے کہ مثمر سعادت ابدی و دولت سرمدی گردد نیست" [4]

سعدی کا یہ شعر

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است   زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است

کچھ اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ نشتر کا کام کرتا ہے۔

---

[1] کتاب المکاتیب ۔ ص ۹۳۔
[2] کتاب المکاتیب ۔ ص ۸۸۔
[3] کتاب المکاتیب ۔ ص ۸۰
[4] کتاب المکاتیب ۔ ص ۱۰۵

باب ششم (۶)

فیضی

شیخ مبارک کا بیٹا، ابوالفضل کا بڑا بھائی، دربارِ اکبری کا مشہور شاعر فیضی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنے عہد کا مشہور و معروف شاعر اور ممتاز عالم تھا۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کا فاضل تھا۔ قرآن شریف کی تفسیر بے نقط سواطع الالہام کے نام سے لکھی تھی جس کے متعلق غلام علی آزاد بلگرامی کا خیال ہے کہ

"برہان فضیلت شیخ فیضی ..... است کہ دریں ہزار سال پیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شد" [۱]

محمد حسین آزاد نے صحیح لکھا ہے کہ انشا پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے [۲]۔ اس کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف اہلِ زبان کو بھی کرنا پڑا تھا۔ مولانا شبلی کا خیال ہے:۔

فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کیے جن کو اہلِ زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا۔ خسرو اور فیضی" [۳]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور فیضی میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ حجاز کو روانہ ہونے سے قبل وہ فتح پور سیکری میں اُن کی صحبت میں رہے تھے۔ لیکن بعد کو جب فیضی کے عقائد

---

[۱] مآثر الکرام۔ ص ۱۹۹۔ لیکن بدایونی نے اس تفسیر کے متعلق لکھا ہے کہ "برائے شستن بدنامی کہ تا روز جزا بصد آب دریا شستہ نگردد، در عین حالت مستی و جنابت می نوشت" (منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۲۹۹

[۲] دربار اکبری۔ ص ۳۷۱

[۳] شعر العجم۔ حصہ سوم۔ ص ۲۷۔

میں بے راہ روی پیدا ہوئی تو شیخ نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ جب شیخ حجاز سے واپس آئے تو فیضی نے ایک خط میں شوقِ ملاقات کا اظہار کیا، اور لکھا ــــ

اگر بال و پرے می داشتم ہر روز بر بام آں حجرہ می نشستم و دانہ چین نکات محبت می شدم“ [1]

بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ محدث نے فیضی سے ملنا پسند نہ کیا اور

”مکاتیب عذر آمیز نوشت و انقطاع را بہانہ ساخت“ [2]

فیضی کو شیخ محدث سے جو والہانہ عقیدت اور محبت تھی اس کا اندازہ فیضی کے مکتوبات لگایا جا سکتا ہے۔ یہ سب مکتوبات اپنی جگہ بے حد اہم ہیں اس لیے ضمیمہ میں شامل کر دیے گئے۔

جس زمانہ میں فیضی اپنی تفسیر سواطع الالہام میں مصروف تھا، اس کی تمنا یہ تھی ـــ

”بزودی بخدمت میفرستد، کہ انوار نظر دوستاں را تاثیرے دیگر است“

شیخ کا مکتوب گرامی عرصہ تک نہ پہنچا تو لکھا ــــ

”مدتے است کہ آنجانب نسیمے نورزیدہ، سوانح بخیر باد۔ در پناہ حق باشند“

ایک خط میں لکھتا ہے :

”محبت پناہا! دریں ماہ رمضان آوازہ مقدم گرامی بسیار بود، چنانچہ خدام سلالۃ الاصفیاء شیخ موسیٰ بفقیر فرمودند و بجد بودند، یا رب چہ صورت دارد فی الواقع وقوعے پیدا خواہد کرد یا محض حرف و صوتے است باعلام حقیقت حال“

فیضی کا یہ معمول تھا کہ جو تصنیف مکمل ہوتی، شیخ کی خدمت میں روانہ کرتا اور ان کی رائے معلوم کرنے کا متمنی رہتا۔ یہاں فیضی کی شیخ محدث سے عقیدت و ارادت پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ تمام مکتوبات جو لطیفہ فیضی میں شیخ کے نام ہیں یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔

---

[1] منتخب التواریخ۔ ج ۳۔ ص ۱۱۶-۱۱۷۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۱۶۔

فیضی کی شیخ محدث سے یہ ذاتی عقیدت ان کے اس زخم کو مندمل نہ کرسکی جو فیضی کی دینی بے راہ روی سے ان کے حساس قلب پر لگا تھا۔ چنانچہ فہرس التوالیف میں فیضی کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"دریں جزو زماں زبان بشاعری کشادہ و داد سخن وری دادہ است فیضی اگرچہ کہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رصانت سخن ممتاز روزگار بود، ولیکن حیف کہ بہ جہت وقوع و ہبوط در ہاویہ کفر و ضلالت رقم انکار و ادبار بر ناصیۂ احوال خود کشیدہ، زبان اہل دین و ملت جناب نبوت را از بردن نام وے و نام جماعت مشوم وے باک است، تاب اللہ علیہم ان کانوا مؤمنین" [۱]

شیخ محدث نے اس طرح غصہ کے لہجہ میں کسی معاصر کی گمراہی اور بے راہ روی کی شکایت نہیں کی۔ یہ تلخ نوائی شدت احساس کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے [۲]

شیخ کے مجموعہ مکاتیب میں ایک خط

"تثبیت القدم علی الاصطبار بترک صحبۃ الاضداد والاغیار"

فیضی کے نام ہے۔ اس خط میں شیخ محدث نے دو طبقوں کی حالت کا موازنہ کیا ہے۔ ایک طبقہ ہے جس کو عیش و عشرت، سیر و تفریح کا شوق ہے جس کا تمام وقت "ہوائے باغ و سیر صحرا" میں گزرتا ہے۔ دوسرا طبقہ ہے کہ "با وحشت اُنس گرفتہ" ان کے دل میں کسی اور چیز کی لگن ہے۔ وہ سیر و تفریح سے دور اپنا وقت گزارتے ہیں۔ یہ فرق دکھانے کے بعد شیخ محدث فیضی کے سامنے ایک ایسا شعر پڑھتے ہیں جس کو سن کر فیضی کو یقیناً پسینہ

---

[۱] فہرس التوالیف (قلمی)

[۲] ملا عبدالقادر بدایونی اس کے متعلق لکھتے ہیں :
"درو اوی عناد و عداوت با اہل اسلام و طعن در اصل اصول دین و اہانت و مذمت صحابہ کرام و تابعین و سلف و خلف متقدمین و متاخرین و مشائخ و اموات و احیاء و بے ادبی و بے تحاشی ۔۔۔ ہمہ یہود و نصاریٰ و ہنود و مجوس بر و ہزار شرف داشتند"
منتخب التواریخ جلد سوم ص ۲۹۹ - ۳۰۰

آگیا ہوگا ؎

تو داغِ جگر را چہ شناسی کہ نبود ست
جز از مے گلرنگ بدامانِ تو داغے!

آگے چل کر شیخ لکھتے ہیں کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص غم خواری اور ہمدردی کرنے والا نہیں تو بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے راستے پر چلنے لگوں، لیکن پھر غیب سے یہ ندا سنائی دیتی ہے ــــ

"از صعوبت ایں راہ مترس کہ بسیاراں بایں راہ رفتہ اند و بمنزل مقصود رسیدہ"

فرماتے ہیں :-

"ہیچ کس را ..... نیابم کہ ... حرف آشنا گوید و ہیمتے بخشد و دلداری دہد، اینجا نفس گوید کہ تو راہ گم کردہ و درکار خود غلط خوردہ راہ ہماں است کہ عامہ خلائق بداں سو میروند کار ہماں کہ ایشاں میکنند، اینجا حیرتے و توقفے بلکہ تذبذبے و ترددے راہ یابد و قدم ہمت از رفتاری کہ دارد باز ماند و بروش اہل عالم نگراں گردد و نزدیک است کہ رفتار خود را بگذارد و بہماں راہ رود کہ دیگراں می روند باز ندائے از غیب در رسد یا ہم از باطن سالک پیدا شود، واللہ اعلم، کہ ہاں حکایت نفس مشنو و بلابریب دیو از راہ مرو و باز نگر کہ منزل نزدیک است" ؎

؎ المکاتیب والرسائل ـ ص ۹۸ - ۹۹۔

بابؑ ہفتم

مُلّا عبدالقادر بدایونی

ملا عبدالقادر بدایونی عہد اکبری کے مشہور مؤرخ تھے۔ عربی فارسی اور سنسکرت کے فاضل تھے۔ اکبر نے ان کو تصنیف و تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور کیا تھا لحن داؤدی رکھتے تھے اس لیے ابتدائی زمانہ میں شاہی امام کی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ اکبر کے مذہبی افکار سے شدید اختلاف تھا۔ اپنی کتاب منتخب التواریخ میں اس کی دینی گمراہیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور ان درباری امراء اور شعراء کی شدید مذمت کی ہے جنھوں نے اکبر کے خیالات کی تائید کی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جن دنوں فتح پور سیکری میں شیخ فیضی اور مرزا نظام الدین احمد بخشی کے پاس مقیم تھے ملا صاحب اکثر ان کی مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔۔۔ خود لکھتے ہیں۔۔۔

"پیوستہ از فوائد صحبتش محظوظ بودم" [۱]

شیخ محدثؒ جب حجاز سے واپس آئے تو بدایونی نے دہلی میں ان سے ملاقات کی یہ ملاقات سرسری سی ہوئی تھی اس لیے کہ بدایونی اس وقت لشکر کے ہمراہ لاہور جا رہے تھے۔ بدایونی کو اس کا بڑا افسوس رہا اور لاہور سے شیخ محدثؒ کے نام ایک خط میں لکھا

"در وقتیکہ ملازماں ایشاں بدہلی تشریف آوردند مخلص خود را ساعتے تعلیف مشرف

---

[۱] منتخب التواریخ - جلد ۳ - ص ۱۱۳ -

ساختند آں ملاقات جز تعطش و اشوق نیفزود و چنداں چیز ناگفتہ و ناشنیدہ ماند کہ چگویند" [1]

اسی خط میں لکھتے ہیں :

"ایں فقیر را بعین الیقین معلوم شدہ است کہ در ذات ایشاں معنی محبت وحقیقت آشنائی تمکن یافتہ است" [2]

شیخ محدثؒ اور ملا بدایونی میں محبت و یگانگت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ دونوں ایک ہی خانوادے سے منسلک تھے۔ حضرت مخدوم شیخ حامدؒ[3] کے فرزند سجادہ نشین شیخ موسیٰؒ سے شیخ محدث بیعت تھے۔ اور شیخ داؤدؒ[4] مرید و خلیفہ شیخ حامدؒ سے ملا عبدالقادر بدایونی نسبت رکھتے تھے۔

ملت کی پریشاں حالی کے جس احساس نے شیخ عبدالحقؒ کے قلب و جگر کو گرمایا تھا اسی جذبہ نے ملا عبدالقادر کو بھی بے چین کر دیا تھا۔ شیخ محدثؒ نے اپنے ماحول پر حزم و احتیاط[5] کے ساتھ تنقید کی، ملا عبدالقادر نے بے پردہ اور بے باکانہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"بعض خوش اعتقاد بزرگوں کا خیال ہے کہ ملا عبدالنبی اور مخدوم الملک کی نسبت ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں جو کچھ لکھا ہے اس کو ملا صاحب کی نکتہ چیں طبیعت کی بے اعتدالیوں اور معاصرت کے تعصب پر محمول کرنا چاہیے۔ لیکن ان بزرگوں کو معلوم نہیں کہ ملا بدایونی کے علاوہ اس

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۱۱۴ [2] ایضاً

[3] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۰ - ۲۰۱۔

[4] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۰۱ - ۲۰۲۔ منتخب التواریخ۔ جلد سوم ص ۲۸-۲۹

[5] خود شیخ محدثؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

"اما ترسم کہ سخن مبالغہ گفتہ نشود و از حیطۂ احتیاط کہ روش ایں فقیر است بیروں نیفتم" ص ۳۰۰

تمہد کے دیگر وقائع نگار بھی اس بارے میں متفق ہیں اور گو بدایونی کی طرح
بے پردہ و بے باکانہ لکھنے کو شیوۂ حزم واحتیاط و تہذیب نگارش
کے خلاف سمجھتے ہیں مگر اصلیت کا صاف اقرار کرتے ہیں۔ شاہ عبدالحق
محدث دہلویؒ سے بڑھ کر محتاط اور پردہ پوش راوی کون ہوگا........
شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے (مخدوم الملک کے متعلق) اس سے زیادہ
بدایونی نے کونسی بات لکھی ہے؟ البتہ شاہ صاحب تہذیب نگارش و
طریق احتیاط و عفو پر نظر رکھ کر پردے پردے میں لکھتے ہیں اور بدایونی اپنے
جوش حق گوئی و اضطراب راست بیانی میں کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے“ [1]

---

[1] تذکرہ (مطبوعہ لاہور) ص ۳۵-۳۶۔

باب (۷) ہفتم

مرزا نظام الدین احمد بخشی

مرزا نظام الدین احمد بخشی، مؤلف تاریخ اکبر شاہی یا طبقات اکبری۔ دربار اکبری کے پنج ہزاری امرا میں تھے۔ عرصہ تک گجرات کے بخشی[1] رہے تھے۔ علم و عمل کی بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ارسکن کا خیال ہے کہ وہ اپنے عہد کے بہترین مورخ تھے[2]۔ مذہب کا صحیح احترام ان کے دل میں تھا۔ بدایونی لکھا ہے کہ "جہت یگانگت دینی"[3] مجھے اُن سے بڑی محبت تھی۔ ۲۳ صفر ۱۰۰۳ھ مطابق ۲۸۔ اکتوبر ۱۵۹۴ء کو جب اُن کا انتقال ہوا تو کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ان کے غم میں پُرنم نہ ہوگئی ہو۔ اکبرنامہ میں ہے۔

"شہریار پایہ شناس لختے دل بگرفت واز الٰہی درگاہ آمرزش خواست
آشنا و بیگانہ بافسوس برخاست و راستی بسوگواری نشست"[4]

بدایونی کو تو اُن کی موت کا اتنا صدمہ ہوا کہ "اشک حسرت از دیدہ ریختہ و سنگ نومیدی بر سینہ زدہ"[5]۔

مرزا نظام الدین اور شیخ محدثؒ میں بے حد خلوص اور یگانگت کے تعلقات تھے ابتدائی زمانہ میں شیخ محدثؒ فتح پور سیکری میں ان کے پاس ٹھہرے تھے۔ پھر جب وہ ایک جذبہ کے ماتحت یک لخت حجاز کی طرف چل کھڑے ہوئے تھے تو مرزا ہی نے اُن کی زاد راہ کا انتظام

---

[1] بخشی کے فرائض یہ تھے: فوج کی بھرتی، منصب داروں کے رجسٹر رکھنا۔ تنخواہ کے قواعد کی پابندی کرانا وغیرہ وغیرہ۔ [2] ایلیٹ جلد پنجم۔ ص ۱۷۸۔ [3] منتخب التواریخ ؛ جلد سوم۔ ص ۳۹۷۔

[4] اکبرنامہ ؛ جلد سوم ص ۶۵۵۔ [5] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۳۹۷۔ بدایونی نے نجات الرشید مرزا صاحب ہی کے اصرار پر تصنیف کی تھی۔

کیا تھا اور نہایت خاطر و مدارات سے اُن کو احمد آباد میں اپنے یہاں ٹھہرایا تھا[1]

باب (۹) نہم

میر سیّد طیّب بلگرامیؒ

میر سیّد طیب بلگرامیؒ، میر سید عبدالواحد بلگرامیؒ صاحب سبع سنابل کے فرزند اور سجادہ نشین تھے۔ علم و فضل، زہد و ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ آزاد بلگرامی نے اُن کے متعلق لکھا ہے:

"وے ذات مقدسی است کہ اگر ثقلین بدو ناز کنند می زیبد واگر زمین و زماں برخود بالند می شاید"[2]

سید کرم اللہ پدر سید العارفین میر شاہ لدھاؒ کہا کرتے تھے:

"اگر کسے خواہد ملک را بر روئے زمین بہ بیند میر سید طیب را مشاہدہ کند"[3]

میر طیب درس و تدریس کا مشغلہ رکھتے تھے۔ ہدایہ، تفسیر بیضاوی وغیرہ پر نہایت عالمانہ حاشیے لکھے تھے۔ ان میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ میں بڑی محبت اور مودت تھی۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

"درمیان شیخ عبدالحق دہلویؒ قدس سرہٗ و حضرت میر محبتے و مودتے عظیم بود، شیخ عبدالحق بہ رعایت بزرگی او را شیخ طیب می گفت"[4]

---

[1] گلزار ابرار [2] مآثر الکرام۔ ص ۴۷ [3] ایضاً۔ ص ۴۸۔ [4] ایضاً۔ ص ۴۹۔

ایام پیری میں ایک مرتبہ شیخ محدثؒ درس دے رہے تھے کہ کسی مقام پر رک گئے اور فرمانے لگے کہ اگر میر سید طیب اس وقت موجود ہوتے تو بہ آسانی اس مشکل کو حل کر دیتے۔ اتفاقاً میر سید طیب اسی وقت وہاں آپہنچے، شیخ بہت خوش ہوئے اور وہ مشکل ان کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے اس عبارت کو اس طرح پڑھا کہ مشکل خود بخود حل ہو گئی۔ اس زمانہ میں شیخ نور الحق خلف الصدق شیخ عبد الحقؒ آگرہ میں قاضی تھے۔ شیخ محدثؒ نے میر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ کس راہ سے آئے؟ جب معلوم ہوا کہ آگرہ کی طرف سے آنا ہوا تو فرمایا کہ نور الحق سے تو ملاقات ہوئی ہوگی۔ میر صاحب نے جواب دیا "سفر میں کچھ ایسے موانع پیش آئے کہ ملنے کا موقع نہ ملا۔ شیخ نے فرمایا۔

"ظاہرا ازینکہ او مرتکب قضا شد اعراض بہ عمل آمد"

پھر شیخ نور الحق کی تعریف کی، اور کہا:

"اگرچہ پسر من است اما بجائے پدر، اگرچہ شاگرد من است اما بجائے استاد، اگرچہ مرید من است اما بجائے پیری دانم" [1]

میر سید طیب یہ سن کر اس طرح اٹھے گویا کسی ضرورت کے لیے جاتے ہیں، لیکن اسی وقت آگرہ کے لیے روانہ ہو گئے، اور شیخ نور الحق سے ملاقات کر کے واپس آئے۔ شیخ عبد الحقؒ ان کے اس اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے اور بقول آزاد بلگرامی

"معذرتہا بر زبان آورد" [2]

---

[1] ماثر الکرام ص ۴۹-۵۰۔

باب (۱۰) دہم

محمد غوثی شطاری ؒ

مولانا محمد غوثی ابن حسن ابن موسیٰ شطاری صاحب گلزار ابرار ۹۶۳ھ[1] میں مانڈو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے محمد غوثی حضرت سید محمد غوث گوالیاری شطاری ؒ سے بیعت تھے۔

شیخ محدث ؒ اور مولانا غوثی کے تعلقات کی تفصیل کہیں دستیاب نہیں ہوتی گلزار ابرار میں مولانا غوثی نے ان کو اپنا دوست بتایا ہے[2]۔ اور لکھا ہے کہ جب شیخ حجاز جاتے ہوئے مالوہ میں ٹھہرے تھے تو اُن سے بہت سے فیوض حاصل کیے تھے۔

---

[1] گلزار ابرار۔ ص ۳۰۸ (اردو ترجمہ)
[2] ایضاً ص ۵۹۹ (اردو ترجمہ)

حصہ چہارم

شیخ محدثؒ کی اولاد
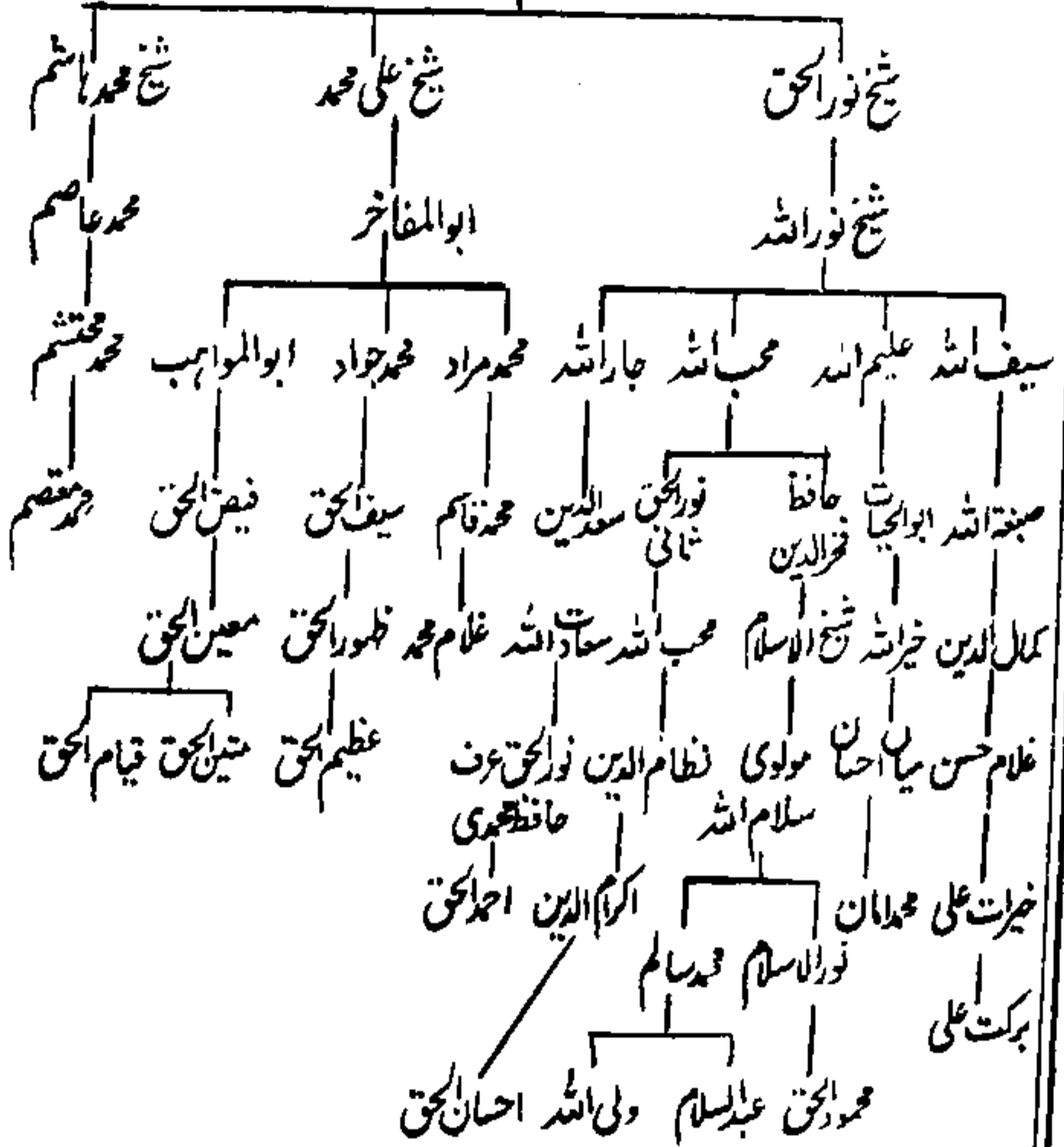
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے تین فرزند تھے۔ شیخ نورالحق، شیخ علی محمد اور شیخ محمد ہاشم۔ اول الذکر کا تفصیلی ذکر آگے آتا ہے۔ شیخ علی محمدؒ جید عالم اور مرتاض بزرگ تھے۔ انہوں نے تین کتابیں تصنیف فرمائی تھیں:۔

(۱) خزائن الدُرر : عربی، فارسی، ترکی لغت

(۲) رسالہ احوال پنج پیران چشت : حالات خواجہ معین الدین چشتیؒ، قطب صاحبؒ

بابا فریدؒ، محبوب الٰہیؒ، چراغ دہلویؒ۔

(۳) نجات المریدین : احوال حضرت غوث الاعظمؒ

یہ تینوں کتابیں اب نایاب ہیں۔ سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید کے دوسرے ایڈیشن میں رسالہ احوال پنج پیران چشت کا حوالہ دیا ہے۔

فرزند سوم محمد ہاشم کے متعلق فہرس التوالیف میں لکھا ہے :

"جوہر طبع او بجودت وسلامت وقوت در علم خصوصاً بعلم شریف حدیث موصوف وممتاز است"

محمد ہاشم کے فرزند محمد عاصم سے شیخ محدثؒ کو بڑی محبت تھی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

"فرزند دلبند بجاں پیوند محمد عاصم را فرستادم کہ چند گاہ دیدہ بجمال وکمال او روشن گرداند" [1]

---

[1] کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۲۲۔

باب اوّل

شیخ نورالحق مشرقی

شیخ محدثؒ کے فرزند اکبر شیخ نورالحق ۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ تعلیم و تربیت باپ ہی کے آغوش میں پائی۔ شرح قرآن السعدین میں لکھتے ہیں کہ میرے باپ ہی نے ا ب ت کی تختی مجھے پڑھائی اور میرے باپ ہی نے مجھے فارغ التحصیل کر دیا۔[1]

شیخ محدث کی حیات میں انہوں نے اکبرآباد کی قضا کو قبول کر لیا تھا۔ شاہجہاں ایام شاہزادگی سے ان کی استعداد اور قابلیت کا معترف تھا۔ جب تخت نشین ہوا تو اصرار کر کے یہ خدمت ان کے سپرد کر دی۔ شیخ نورالحق نے یہ کام نہایت خوبی سے انجام دیا۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

"حق ایں منصب نازک نوعے کہ باید بتقدیم رسانید"[2]

شیخ نورالحقؒ زیادہ عرصہ تک منصب شاہی سے وابستہ نہیں رہے۔ شیخ محدثؒ کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا۔ شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے:

"و پس از رحلت آں جناب نورالحق خلف الصدق ش کہ در علم و فضل شہرہ آفاق بود مدت مدید صدر آرائے مدرسہ استفادہ گشتہ"[3]

---

[1] شرح قرآن السعدین (قلمی) [2] مآثرالکرام ص ۲۰۲

[3] شاہجہاں نامہ (اعمال صالح) ص ۳۸۵۔

شیخ محدثؒ کو اپنے فرزند اکبر سے بے حد محبت اور لگاؤ تھا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں

"از من ہیچ عملے نیامدہ کہ واسطہ وسبب نجات من در عاقبت گردد، الا وجود مسعود آں فرزند دلبند۔ بیت

شنیدم کہ در روز امید و بیم — بداں را بہ نیکاں بخشد کریم

وازینجا ست کہ پسر صالح را از اعمال خیر پدر شمردہ اند" [۱]

رسالہ وصیت میں اپنے متعلقین اور منسلکین کو ہدایت فرماتے ہیں کہ

"فرزند عزیز نور الحق را خلیفہ و جانشین فقیر دانند۔ و با وے تعظیم و تقدیم پیش آیند"

شیخ محدثؒ ان کو اپنا "وجود ثانی" کہا کرتے تھے اور اُن کے علم و فضل کے دل سے معترف تھے۔

شیخ نور الحقؒ اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ بعد کو حضرت عاشق محمد نبیرۂ حضرت خواجہ شاہ نظام الدین نارنولیؒ سے عقیدت پیدا ہو گئی تھی اور ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے تھے۔ فتح العارفین میں لکھا ہے:۔

"ہرگاہ حضرت شاہ عاشق محمدؒ بر مسند ارشاد نشست و خرقہ خلافت از والد بزرگوار دریافت شیخ نور الحق بن حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی ازایشاں استفادہ فیض باطن نمود" [۲]

شیخ عبد الحق دہلویؒ کی توجہ کا مرکز مشکوٰۃ تھی، تو شیخ نور الحقؒ کی کوششوں کا محور صحیح بخاری۔ اُنہوں نے چھ جلدوں میں بخاری کی شرح تیسیر القاری کے نام سے فارسی میں لکھی اور اس کو اورنگ زیب عالمگیر کے نام سے منسوب کیا۔ یہ شرح ۱۲۹۸ھ میں مطبع علوی محمد علی حسن خاں لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔

---

[۱] شرح سفر السعادت۔ ص ۲ [۲] بحوالہ مراۃ الحقائق۔ ص ۱۱۴۔

علم و ادب کا ذوق خاندانی ورثہ تھا مشرقی تخلص کرتے تھے شعر خوب کہتے تھے۔ ان کے شاعرانہ کمالات اور صلاحیتوں کے متعلق شیخ عبدالحق کی یہ رائے دلچسپی سے پڑھی جائیگی:

"وجود فرزند مسعود نور دیدۂ دانش وبینش نورالحق الملقب بمشرقی است کہ شروق نیر فضل و کمال وے در ہر دو طریقۂ دانشوری و سخنوری با وسط السمار استوا و اعتدال نزدیک بسمت الراس رسیدہ است، یقین ہست کہ اگر وے توجہ برگمارد و بر طریقۂ شعرائے زمانہ شب و روز بمشق سخن و فکر شعر روئے آرد خمسۂ نظامی و خسرو را تمتع تواند کرد ولیکن توجہ اشتغال وے بجانب علم و صلاح و نفس الامر غالب آمدہ۔ نمی گذارد کہ بطرف شعر و طریقۂ شعر روئے آرد" [1]

فرحت الناظرین میں لکھا ہے کہ شیخ نورالحق نے ایک مثنوی تحفۃ العراقین لکھی تھی اور ان کا ایک دیوان بھی تھا جو پانچ ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ یہ مثنوی اور دیوان اب دستیاب نہیں ہوتے۔ چند اشعار کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں جن کی بنا پر ان کے کلام کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

؎ از شیوۂ ہمہاں ایں دور خلافت	گویم رمزے اگر بگیری بگزاف
چوں شیشۂ ساعتاند پیوستہ بہم	دلہا ہمہ پر غبار و روہا ہمہ صاف

؎

با آنکہ مشرقی ہمہ تن دیدہ چوں گل است

با ہیچکس چوں چشم حباب آشنا نبود

شیخ نورالحق کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور سے قابل ذکر ہیں [2]:۔

(۱) شرح شمائل ترمذی۔ اس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے [3]۔

---

[1] فہرس التوالیف (قلمی)

[2] نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں "تصانیف فراواں دارد"

[3] نمبر ۵۰۹

(۲) تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں ہے[۱]۔

(۳) حاشیہ علی شرح الجامی۔ قلمی نسخے پٹنہ[۲] اور حیدرآباد[۳] میں ہیں۔

(۴) شرح عضدی۔ — بر عضدی و شرح مطالع و شرح ہدایہ

شرح مطالع — و حکمت و دیگر کتب متداولہ حواشی دارد[۴]

شرح ھدایہ

(۵) شرح قران السعدین[۵]۔ قلمی نسخے برٹش میوزیم[۶] اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس[۷] کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

(۶) رسالہ در بیان رویا۔

(۷) محیی القلوب

(۸) زبدۃ التواریخ[۸]

شیخ نور الحق رح کے علم و فضل اور زہد و اتقا کا دور دور شہرہ تھا۔ سلاطین، علماء و صوفیہ سب اُن کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے ایک باغ کوشک نامی آپ کو عطا کیا تھا[۹]۔ فرحت الناظرین میں لکھا ہے:۔

---

[۱] نمبر ۱۰۲۸ (II) [۲] نمبر ۱۳۰۶ [۳] نمبر ۱۶۴۴۔ جلد دوم (کتب خانہ آصفیہ)

[۴] فرحت الناظرین (قلمی) [۵] نورالعین شرح قرآن السعدین۔ امیر خسرو کی مشہور مثنوی ہے جس میں کیقباد اور بغراخان کی ملاقات کا حال بیان کیا گیا ہے۔ شیخ نورالحق نے اس کی شرح لکھی شیخ محدث نے اس کے مسودہ کو شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمایا تھا۔ اور اس میں اضافے فرمائے تھے۔

[۶] ملاحظہ ہو فہرست مرتبہ ریو، جلد دوم [۷] ملاحظہ ہو معارف: اکتوبر ۱۹۳۶ء ص ۲۸۷-۲۸۸-

[۸] دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید نے ان کے والد ماجد سے تاریخ لکھنے کی درخواست کی تھی شیخ ان دنوں بعض اہم علمی تصانیف میں مصروف تھے، یہ کام اُن کے سپرد کر دیا۔ اس میں نواب مرتضیٰ خاں کا حال تفصیلی درج ہے۔ نیز محمد غوری سے لے کر جہانگیر تک کے حالات نہایت صفائی سے تحریر کیے گئے ہیں۔ قلمی نسخے برٹش میوزیم (ریو، ج ۱) اور کتب خانہ آصفیہ (نمبر ۶۰۱) میں موجود ہے۔

[۹] مرآۃ الحقائق۔ ص ۱۱۴ (یہ باغ اکتیس بیگہ کا تھا اور عرصہ تک شیخ کے خاندان میں رہا۔

"بارہا بہ ملازمت اقدس عالمگیر بادشاہ رسیدہ بعنایات بادشاہانہ ممتاز گردیدہ بود"[1]

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ اُن کا اتنا خیال کرتے تھے کہ ایک مرتبہ شیخ عبدالحق نے عرض کیا کہ مشرقی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو فرمایا ـــــ

"تصدیع نکشد ما بدیدن او می آییم ؎

جذبۂ عشق بحدیست میان من و یار کہ اگر من نروم او بطلب می آید"

شیخ نورالحق نے اپنے عظیم المرتبت باپ کی طرح بیشتر وقت علم حدیث کی تبلیغ و ترویج میں صرف کیا۔ ۹۔شوال ۱۰۷۳ھ کو نوّے سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے باپ کے احاطہ مزار میں سپرد خاک کیے گئے۔

اولاد

شیخ نورالحق کے صرف ایک فرزند شیخ نوراللہ تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔

(۱) سیف اللہ (۲) علیم اللہ (۳) محب اللہ (۴) جاراللہ

شیخ سیف اللہ نے ۱۰۱۹ھ میں شمائل ترمذی کی شرح اشرف الوسائل کے نام سے فارسی میں لکھی تھی[2]۔ فرزند سوم شیخ محب اللہؒ علم و فضل میں ممتاز تھے۔ انھوں نے صحیح مسلم کی شرح منبع العلم[3] کے نام سے لکھی۔

شیخ محب اللہؒ کے دو لڑکے تھے، حافظ فخرالدینؒ اور شیخ نورالحق ثانی۔ موخرالذکر نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی عربی تصنیف ماثبت بالسنۃ کی شرح فارسی میں لکھی تھی۔

---

[1] کتاب المکاتیب۔ ص ۳۰۴۔۳۰۵۔

[2] یہ شرح ۲۔ رجب ۱۰۹۱ھ کو مکمل ہوئی اور اورنگ زیب کو پیش کی گئی۔ لکھتے ہیں: "پس چوں صورت اتمام گرفت، ساختم آں را تحفہٗ درگاہ معلی بادشاہ ظفر قریں سلطان دیں پرور السلطان المعظم ابوالظفر محی الدین محمد عالمگیر غازی لازالت رایات سلطنتہ مقارنۃ لآیات الفتح والظفر"

[3] مراۃ الحقائق میں لکھا ہے: "یہ کتاب کتب خانہ مولوی انوارالحق میں قبل از غدر ۱۸۵۷ء موجود تھی، اس کے بعد سے نہیں ہے"۔ ص ۱۱۵۔

باب (۲) دوم

حافظ محمد فخر الدینؒ اور اُن کی اولاد

شیخ محب اللہؒ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخر الدینؒ حدیث کے جید عالم تھے۔ انہوں نے اپنے باپ کی شرح منبع العلم پر نظر ثانی کی اور اس کو از سر نو ترتیب دیا۔ حصن حصین کی فارسی شرح لکھی، جو مطبع نول کشور سے طبع ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں عین العلم مصنفہ شیخ محمد بن عثمان بن عمر بلخیؒ کو فارسی زبان میں منتقل کیا۔

حافظ فخر الدین کے فرزند ارجمند شیخ الاسلام محمد کو بھی بہت شہرت حاصل ہوئی۔ نادر شاہ کے حملہ تک وہ دہلی میں رہے۔ اور صدر الصدور کی خدمات انجام دیتے رہے انہوں نے صحیح بخاری کی شرح چھ جلدوں میں لکھی تھی جو لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دو تصانیف یہ ہیں:

(۱) کشف الغطاء عما الزم للموتی علی الاحیاء، تجہیز و تکفین سے متعلق ہے اور دو مرتبہ دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

(۲) طرد الاوھام عن اثر الامام الھمام: اثبات مذہب امام ابو حنیفہؒ پر تھی۔

جس زمانہ میں حضرت شیخ الاسلام دہلی میں منصب صدر الصدور کی خدمات انجام دے رہے تھے وہ بڑا ہوش ربا دور تھا۔ دہلی بقول شاہ ولی اللہ دہلویؒ بمنزلہ لعب صبیان تھی۔ سکھوں، مرہٹوں، جاٹوں وغیرہ کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک بوجھ بنا دیا تھا۔ شرح بخاری کے نصف اول کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:۔

تمام شد بحول اللہ و قوتہ ترجمہ نصف صحیح در ہنگام کمال تشتت بال و پریشانی حال از نہب و غارت خانہ در حملہ دیار شہر کہنہ دہلی ..... من آخر جمادی الثانی ۱۲۶۶ھ"

مولانا محمد شیخ الاسلامؒ کے فرزند شیخ سلام اللہ محدث رامپوری اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے کہ وہ فقیہ فاضل، محدث کامل، مفسر متبحر، علامہ عصر محقق اور مدقق تھے[1]۔ صاحب تذکرہ کاملان رامپور کا بیان ہے کہ وہ تمام کتب غیر درسیہ پر مثل کتب درسیہ کے قادر تھے۔ علوم منقول حدیث، رجال، لغت، ادب سب میں کامل تھے، اور عربی زبان میں مطالب علمیہ کو لکھنے میں ید طولیٰ تھا" وہ دہلی کے حالات سے بد دل ہو کر رام پور چلے گئے تھے اور وہاں درس و تدریس کا کام اعلیٰ پیمانے پر شروع کر دیا تھا۔ ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۳ھ میں وصال فرمایا اور بغدادی صاحب کے مزار کے احاطہ میں سپرد خاک کیے گئے۔

شیخ سلام اللہ صاحبؒ نے موطا کی شرح محلی بحل اسرار الموطا کے نام سے دو جلدوں میں لکھی تھی۔ ڈاکٹر زبید احمد صاحب کا خیال ہے کہ محلی، مسوی (شاہ ولی اللہ دہلوی) سے زیادہ جامع ہے۔ مگر مسوی کی ترتیب محلی کی ترتیب سے بہتر ہے[2]۔

محلی کے علاوہ شیخ سلام اللہ صاحبؒ کی تصانیف یہ ہیں:۔

(۱) شرح شمائل ترمذی[3]

(۲) رسالہ مناقب اهل بیت بنام خلاصۃ المناقب[4]

(۳) کمالین حاشیہ تفسیر جلالین[5]

(۴) رسالہ اصول حدیث

شیخ سلام اللہ صاحب کے دو صاحبزادے تھے۔ شیخ نور الاسلام اور محمد سالم

---

[1] حدائق الحنفیہ۔ ص ۴۶۸ [2] معارف، دسمبر ۱۹۴۲ء ص ۴۴۲۔

[3] [4] [5] یہ کتابیں مولوی انوار الحق کے کتب خانہ میں تھیں (مرآۃ الحقائق۔ ص ۱۱۶)

شیخ نورالاسلام علوم عقلیہ ونقلیہ اور علم ریاضی میں کمال رکھتے تھے[1]۔ علم طب سے بھی دلچسپی تھی۔ مولانا غیاث الدین صاحب غیاث اللغات نے طب انہی سے پڑھی تھی۔ شیخ نورالاسلام کچھ عرصہ رام پور میں مفتی بھی رہے تھے۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) رسالہ بحث زمان بنام ایثار الحق (۲) رسالہ بحث مکان

(۳) رسالہ اصول حدیث (۴) رسالہ اسطرلاب

(۵) حاشیہ علی میر زاہد علی الرسالۃ القطبیہ

مولانا حاجی ابوالخیر محمد سالم نے مندرجہ ذیل تصانیف چھوڑی تھیں ۔

(۱) رسالہ نورالایمان (۲) رسالہ اصول الایمان

(۳) لطائف الاسرار (۴) طریق السالم

(۵) رسالہ عذب نہر ترجمہ حزب البحر (۶) رسالہ در بیان جواز سماع

مولانا نورالاسلام اور مولانا محمد سالم کے بعد شیخ محدثؒ کے خاندان کی علمی حیثیت تقریباً ختم ہوگئی۔ حدیث سے وہ والہانہ تعلق جو شیخ محدثؒ سے لے کر مولانا محمد سالم تک خاندان حقی کی خصوصیت تھی بعد کو کسی بزرگ میں نظر نہیں آتی۔ اس خاندان کے دو آخری بزرگوں مولانا انوارالحق حقی مرحوم دہلوی[2] اور مولانا برکت علی حقی مرحوم دہلوی[3]

---

[1] ابجد العلوم ج ۳ ص ۹۲۷ [2] ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی مولانا صہبائی سے، حساب وہندسہ مولوی مشتاق احمد شاگرد مولانا مملوک العلی سے، منطق مفتی صدرالدین خاں سے، علم کلام مولانا حیدر علی فیض آبادی اور شرح وقایہ وہدایہ مولانا عبدالرزاق سے پڑھی۔ ابتدائی زمانہ میں علمی مشاغل تھے اور شیخ محدث کی کتابوں کو جمع کیا تھا۔ غدر کے بعد زندگی بدل گئی اور سرکاری ملازمت میرٹھ میں کرلی۔ شیخ محدث کے مکتوبات کو انہوں نے شائع کیا تھا۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے حالات میں ان کا ایک مختصر رسالہ مسلم یونیورسٹی کے کتبخانہ میں ہے (ذخیرہ سر شاہ سلیمان) اسی رسالہ کے ساتھ میر حسن علاء سجزی صاحب فوائد الفواد کی ایک مختصر لیکن نایاب تصنیف مخ المعنی بھی شامل ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے اس رسالہ کو بہت پسند فرمایا تھا [3] شیخ محدثؒ کے حالات میں انہوں نے مراۃ الحقائق تصنیف کی۔

کو اپنے بزرگوں کی روایات کا بڑا خیال تھا اور انہوں نے شیخ محدث رح کی تصانیف کی حفاظت اور حالات کی اشاعت میں بیش قدر خدمات انجام دیں۔

فہرست تصانیف اولاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح

شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق رح

(۱) تیسیر القاری شرح صحیح البخاری (۲) شرح شمائل ترمذی (۳) تفسیر سورۃ الفاتحہ
(۴) حاشیہ علی شرح الجامی (۵) شرح عضدی (۶) شرح مطالع
(۷) شرح ہدایہ (۸) شرح قران السعدین (۹) زبدۃ التواریخ
(۱۰) رسالہ در بیان رویا (۱۱) محیی القلوب (۱۲) مثنوی تحفۃ العراقین

شیخ علی محمد بن شیخ عبدالحق رح

(۱) خزائن الدرر (۲) رسالہ احوال پنج پیران چشت
(۳) نجات المریدین

شیخ سیف اللہ بن شیخ نوراللہ بن شیخ نورالحق رح

(۱) اشرف الوسائل فی شرح شمائل ترمذی

شیخ محب اللہ بن شیخ نوراللہ رح

(۱) منبع العلم ترجمہ صحیح مسلم

حافظ فخرالدین بن شیخ محب اللہ

(۱) شرح منبع العلم (۲) شرح عین العلم (۳) شرح حصن حصین

شیخ نورالحق ثانی بن شیخ محب اللہ رح

(۴) شرح ماثبت بالسنۃ

شیخ الاسلام بن حافظ فخر الدینؒ

(۱) شرح صحیح بخاری (۲) کشف الغطا عما الزم للموتی علی الاحیاء

(۳) طرد الاوہام عن اثر الامام الہمام

مولانا محمد سلام اللہ محدث بن مولانا شیخ الاسلامؒ

(۱) محلّٰی شرح موطا (۲) رسالہ مناقب اہل بیت بنام خلاصۃ المناقب

(۳) شرح شمائل ترمذی (۴) کمالین حاشیہ تفسیر جلالین

(۵) رسالہ اصول حدیث

مولانا نور الاسلام بن محمد سلام اللہؒ

(۱) رسالہ بحث زمان (۲) بحث مکان

(۳) رسالہ اصول حدیث (۴) رسالہ اسطرلاب

(۵) حاشیہ علی میرزاہد علی الرسالۃ القطبیہ

مولانا محمد سالم بن سلام اللہؒ

(۱) رسالہ نور الایمان (۲) رسالہ اصول الایمان

(۳) لطائف الاسرار (۴) طریق السالم

(۵) رسالہ عذب نہر ترجمہ حزب البحر (۶) رسالہ در بیان جواز سماع

حصہ پنجم
شیخ محدثؒ کی علمی اور دینی خدمات

باب اوّل (۱)

شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی کا ماحول

انسان کی ذہنی اور فکری نشوونما میں ماحول کا بہت بڑا حصّہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق کچھ ماحول سے لیتا اور کچھ اس کو دیتا ہے۔ اس طرح رد و قبول، جذب و انجذاب، تقلید و اجتہاد کی خاموش لیکن طویل کشمکش کے بعد اُس کی شخصیت کا مرکز متعین ہوتا ہے۔ اس بنا پر کسی انسان کو اس کے ماحول سے ہٹا کر سمجھنے کی کوشش کبھی بارآور نہیں ہو سکتی۔ شیخ محدثؒ کے افکار و رجحانات، جذبات و احساسات بڑی حدت تک حالات گردوپیش سے متاثر ہوئے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دینی خدمات کا جائزہ لینے سے قبل ان کے ماحول کو سمجھ لیا جائے۔

مھدوی تحریک

شیخ عبدالحقؒ نے جب آنکھ کھولی تو مھدوی تحریک پورے عروج پر تھی۔ مھدوی تحریک کے بانی سید محمد جونپوریؒ ۱۴ جمادی الاول ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء کو جونپور میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ دل و دماغ کی بڑی خوبیوں کے مالک تھے اس لیے معاصرین نے ان کو "اسد العلماء" کا خطاب دیا تھا۔ درس تدریس میں خاص مہارت تھی۔ اُن کے حلقۂ درس میں شاہ و گدا سب ہی شریک ہوتے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں سید محمد جونپوری معتقدین کی ایک مختصر جماعت کو ساتھ لے کر حجاز چلے گئے، وہاں عرصہ تک ارشاد و تلقین اور درس و تدریس میں مصروف رہے۔ مھدوی تذکروں میں لکھا ہے کہ ۱۴۹۵ء میں جب کہ اُن کی عمر باون سال تھی اُنہوں نے مکہ میں مھدویت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد وہ

گجرات کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور احمد آباد میں مہدوی تحریک کا مرکز قائم کیا۔ وہاں علماء نے
اُن کی شدید مخالفت کی، لیکن جتنی وہ مخالفت کرتے تھے اُتنی ہی اُن کی تحریک ترقی کرتی تھی
مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔ ”عشق کی صداقت اور قلب کی پاکی نے ان کی دعوت و
تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے
اور متعدد سلاطین وقت نے ان سے بیعت کی۔ ان لوگوں کے طور طریق کچھ عجیب عاشقانہ
و والہانہ تھے اور ایسے تھے کہ صحابۂ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ کرتے تھے عشق الٰہی
کی ایک جاں سپار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی فانی الفتوں
کو ایمان و محبت کے رشتہ پر قربان کر دیا تھا۔ اور سب کو چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے
کے رفیق و غمگسار بن گئے تھے۔ امیر و فقیر، اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک ہی حال اور ایک رنگ میں
رہتے اور بجز خلق اللہ کی ہدایت و خدمت اور احکام شرع کے اجراء و قیام کے اور کسی کام
سے واسطہ نہ رکھتے“ [1]

حقیقت یہ ہے کہ سید محمد جونپوری کی تحریک حالات گردوپیش کے خلاف ایک زبردست
بغاوت کا اعلان تھی ـــ مادیت کی وبا ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، شریعت سے انحراف روز
بروز ترقی کر رہا تھا، علماء سو نے دین کی بے حرمتی پر کمر باندھی تھی اور سیدھے سادے انسانوں
کو گمراہ کر رہے تھے۔ صوفیہ نے شریعت و طریقت کی تفریق میں اپنی بے راہ روی کا جواز
تلاش کر لیا تھا، امراء و سلاطین ہنگامہائے ناؤنوش میں مدہوش تھے ـــ اس
صورت حال نے سید محمد کے حساس قلب میں کرب اور بے چینی پیدا کر دی۔ انہوں
نے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ مولانا آزاد اُن کی
تحریک کے متعلق لکھتے ہیں ـــ ”میرا خیال ہے کہ اس کی بنیاد صداقت و حق پرستی
پر تھی یعنی دعوت و تبلیغ حق و احیاء شریعت و قیام فرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر

---

[1] تذکرہ

اُس کا مقصد اعلیٰ تھا اور خود سید محمد اور ان کے پیروؤں کی پہلی جماعت کے اکثر لوگ بڑے ہی پاک نفس اور خدا پرست لوگ تھے"۔ [1]

سلیم شاہ سوری کے عہد میں شیخ علائی، شیخ عبداللہ نیازی وغیرہ نے مہدوی تحریک کی نشر و اشاعت میں بہت کام کیا۔ اکبر کے عہد میں گجرات مہدویوں کا مرکز تھا اور وہاں میاں محمد مصطفےٰ [2] کی مسند ارشاد بچھی ہوئی تھی۔ علماء اُن کے شدید مخالف تھے۔ ۱۵۷۳ء میں جب اکبر گجرات پہنچا تو انہوں نے میاں مصطفےٰ کے قتل کی تجویز پیش کی۔ اکبر نے میاں مصطفےٰ کو پٹن بلوایا اور اُن سے گفتگو کی۔ ان کی باتوں کا دل پر ایسا اثر ہوا کہ خان اعظم کو حکم دیا کہ ان کو فتح پور بھیج دیا جائے۔ وہاں اکبر نے علماء کو جمع کیا اور میاں مصطفےٰ سے مہدویت کے متعلق سوالات کیے۔ [3] بدایونی لکھا ہے

"درصحن دیوان خانہ علماء را طلبیدہ از شیخ مصطفےٰ تحقیق
مسئلہ مہدویت می نمودند و او مجیب بود و مناظرہ بامتداد
کشید"۔ [4]

میاں مصطفےٰ نے گجرات جاتے ہوئے ۱۵۷۵ء میں وصال فرمایا۔ ان کے بعد شمالی ہندوستان میں مہدویت کا اثر کم ہو گیا۔

سید محمد مہدی کی تحریک احیاء سنت اور اماتت بدعت کے لیے وجود میں آئی تھی لیکن یہ اپنے اصلی رنگ میں زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ مہدویت کا تصور، اسلام کے ایک بنیادی اصول ختم نبوت سے ٹکرا گیا۔ اور علماء اسلام مثلاً شیخ علی متقی [5]

---

[1] تذکرہ [2] میاں مصطفےٰ کی ایک تصنیف "جواہر التصدیق" ۱۳۶۰ھ میں جمعیت مہدویہ دائرہ زمستان پور حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔
میاں مصطفےٰ کے حالات زندگی حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اورینٹل کالج میگزین (۱۹۲۳، ۱۹۲۴ء) میں لکھے ہیں (دائرے کے مہدویوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ)

[3] ملاحظہ ہو مجالس میاں مصطفےٰ (مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ ۱۳۶۱ھ)

[4] منتخب التواریخ۔ جلد سوم۔ ص ۵۱ [5] حالات کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ۔

شیخ ابن حجر مکیؒ اور شیخ عبدالحقؒ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے:

"در اعتقاد سید محمد جونپوری ہر کمالیکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داشت و رسید اسید محمد را نیز بود، فرق ہمیں است کہ آنجا باصالۃ بود و اینجا بتبعیۃ و تبعیۃ رسول بجائے رسیدہ کہ ہمچو او شد"

اگر سولھویں اور سترہویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ اس زمانہ کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا اور برقرار رکھنا تھا! ـــــ تصور امام، عقیدۂ مہدویت، نظریہ الفی، دین الٰہی ـــــ یہ سب تحریکیں پیغمبر اسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔ شیخ عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع مقام کی پوری طرح وضاحت کردی اور اس سلسلہ کی ہر ہر گمراہی پر شدت سے تنقید کی۔

علماء کی حالت اس دور میں جو طبقہ سب سے زیادہ ظلمت و گمراہی کا شکار تھا وہ علماء سوء کا تھا۔ اس نے "اجتہاد" اور "بدعت حسنہ" کے دلفریب عنوان سے صدہا گمراہیوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:ـ

"اکثر علماء این وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت" ۲	اس زمانہ کے بیشتر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔

حاجی ابراہیم سرہندی نے گجرات سے بادشاہ کے لیے کچھ تحائف بھیجے تھے جن میں سے ایک تحفہ یہ تھا ـــــ

۱ "در زمان خود اعظم فقہاء و اعلم علمائے مکہ معظمہ بود و در ابتدائے حال اُستاذ شیخ (علی متقیؒ) بود" (اخبار الاخیار۔ ص۔ ۲۵۰)

۲ مکتوبات مجدد الف ثانی۔ مکتوب ۵۴۔ دفتر دوم حصہ ہفتم

"ایک جعلی عبارت شیخ ابن عربی قدس سرہٗ کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب سے نامانوس حروف میں نقل کرکے بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ "صاحب زماں" کے پاس بہت سی عورتیں ہونگی اور وہ بغیر داڑھی کے (ریش تراش) ہوگا" [۱]

یہ علما جس باطنی فسق و فجور میں مبتلا تھے اس کا اندازہ مخدوم الملک کے اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ صرف گھر کے صندوقوں میں ہی نہیں بلکہ خاندانی قبروں میں بھی چاندی سونے کی اینٹیں ہی مدفون تھیں لیکن اس کے باوجود عمر بھر کبھی زکوٰۃ ادا نہ کی۔ حیلہ یہ نکال لیا تھا کہ ہر سال کے آخر میں اپنا تمام خزانہ بیوی کے نام ہبہ کر دیتے تھے اور سال ختم ہونے پر وہ اُن کو واپس کر دیتی تھی ملا بدایونی نے لکھا ہے :-

"و غیر ازیں نیز حیلہ ہائے دیگر کہ حیل بنو اسرائیل پیش آں شرمندہ است و چنیں خست و رزالت و خباثت و جہالت و مکاری و ستمگاری او کہ بہ مشائخ و فقراء دیار خصوصاً بہ ائمہ مساجد و اہل استحقاق پنجاب نمودہ بود، یک یک بہ ظہور پیوست" [۲]

حُبِ جاہ و زر نے اِن علماء کے ضمیر کی آواز کو اس قدر مردہ کر دیا تھا کہ وہ بادشاہ کی خوشنودی مزاج کی خاطر ہر قسم کے غیر شرعی فتوے دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے تھے اکبر کو سجدہ کرنے کا فتویٰ قاضی خاں بدخشانی نے دیا تو ملا عالم کابلی کو اس کا افسوس ہوا کہ یہ اجتہادی فضیلت اس کو کیوں نہ میسر آئی! داڑھی منڈوانے کی حدیث شیخ امان پانی پتیؒ کے بھتیجے نے نکالی۔ فریضہ حج کے اسقاط کا فتویٰ مخدوم الملک کے ذہن رسا کا نتیجہ تھا۔

علماء سو کی ان اجتہادی سرگرمیوں نے مذہب کی روح کو مردہ کر دیا اور شریعت

---

[۱] منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۷۸ [۲] منتخب التواریخ۔

سنت سے بے اعتنائی عام ہوگئی۔ مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں صدر جہاں کو لکھتے ہیں:

"معلوم شریف است کہ در قرن سابق ہر فسادے کہ پیدا شد از شومی علماء سو بظہور آمد" ۱؎

صوفیہ خام

اس زمانہ میں گمراہی کا دوسرا زبردست منبع صوفیہ خام تھے۔ انہوں نے "شریعت" کو "طریقت" سے علیحدہ کر کر تصوف کی شکل کو مسخ کر دیا تھا مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"متصوفان خام و ملحدان بے سرانجام	بہت سے کچے متصوفہ اور بے سروسامان
..... خیال می کنند کہ خواص مکلف	ملحدوں کا خیال ہے کہ خواص صرف
بمعرفت اند و بس ..... و میگویند	معرفت الٰہی کے مکلف ہیں ..... اور
کہ مقصود از اتیان و شریعت حصول	کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے مقصود
معرفت است و چوں معرفت میسر	تو حصول معرفت ہی پس جب معرفت
شد تکلیفات شرعیہ ساقط گشت و	حاصل ہوگئی تو احکام شرعیہ ساقط ہوگئے
ایں آیہ کریمہ "واعبد ربك حتى	اور آیہ کریمہ کو شہادت میں پیش کرتے
یاتیك الیقین" بستشہد می آرند یعنی	ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عبادت کی
انتہائے عبادت تا حصول معرفت حق	انتہا حصول معرفت پر ہے۔
تعالیٰ است" ۲؎	

بہت سے ایسے مجاہدات رائج ہوگئے تھے جن کو شریعت و سنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وحدت وجود کی گفتگو بر سر عام ہوتی تھی۔ اور عبد و معبود کے درمیان سب فرق بے معنی قرار دیا جاتا تھا مجدد صاحب نے ان حالات میں فرمایا تھا۔

۱؎ مکتوبات ص ۱۹۵ جلد اول ۲؎ مکتوبات ص ۲۵۸ دفتر اول۔

"ریاضات و مجاہدات کہ باوجود لئے تقلید سنت اختیار کنند معتبر نیست" م ۲۲۱ دفتر اول

"احوال و مواجید کہ بر اسباب نامشروعہ مترتب شوند نزد فقیر از قبیل استدراجات است" م ۲۶۶ - دفتر اول

"زنہار بترہات صوفیہ مفتون نگردی و غیر حق را جل سلطانہ حق ندانی" م ۲۷۲

"رقص و سرود" اب تصوف کی جان تھا۔ الحاد و زندقے کو چھپانے کے لئے "طریقت" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ مشایخ متقدمین کی روایات بھلائی جا چکی تھیں۔ اور تصوف جو کبھی احیاء سنت، تزکیہ نفس اور تجلیہ باطن کا دوسرا نام تھا، اب سراسر ظلمت اور بدعت کے مترادف ہو گیا تھا۔

دربار اکبری

ابتدائی زمانہ میں اکبر مذہب کا سختی سے پابند تھا۔ شریعت کا پورا پورا احترام کرتا تھا۔ پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھتا تھا اور اس کی تلقین کرتا تھا۔ بدایونی نے لکھا ہے:

"ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در دربار می گفتند" [1]

لیکن اس کا یہ شغف زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ اور علماء سوء کی کج بحثی اور حب زر و جاہ نے اس کو مذہب ہی سے برگشتہ کر دیا۔ مجدد صاحبؒ نے صحیح لکھا تھا کہ ——

"در قرن ماضی ہر بلائے کہ بر سر آمد از شومی ایں جماعۃ بود، بادشاہاں را ایشاں از راہ می بردند" [2]

ہوا یہ کہ ۱۵۷۵ء میں اکبر نے ایک عبادت خانہ بنوایا جس میں علماء اسلام کو مختلف دینی مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کی دعوت دی۔ علماء نے عبادت خانہ کو دنگل میں تبدیل کر دیا اور بقول بدایونی

"بد نفسیہا از یں جماعت ظاہر شد" [3] بہت کچھ بیہودگیاں اس گروہ سے ظاہر ہوئیں

[1] منتخب التواریخ۔ ص ۲۰۳ [2] مکتوبات مجدد الف ثانیؒ م ۴۷ دفتر اول حصہ دوم ص ۷۰ [3] منتخب التواریخ

بحث اس انداز میں ہوتی کہ علماء کی گردن کی رگیں پھول آتیں اور شور و غل ہونے لگتا۔ اکبر نہایت سنجیدگی کے ساتھ مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا۔ جب اُس نے علماء کی یہ حالت دیکھی تو اس کو سخت مایوسی ہوئی اور اس نے ملا عبدالقادر کو حکم دیا کہ آئندہ جو عالم بھی نامعقول حرکت کرے اُس کو دربار سے اُٹھا دیا جائے۔ اکبر کے اس حکم کے بعد علماء سوء کا شور و غل تو غالباً کم ہو گیا ہو گا لیکن ان کی فطرت کب بدل سکتی تھی۔ ایک عالم اگر ایک فعل کو حرام کہتا تو دوسرا کسی نہ کسی حیلہ کر اس کو جائز ثابت کر دکھاتا۔ اکبر کے ذہن پر اس صورت حال کا بہت بُرا اثر پڑا[1]۔ اور

علماء عہد خویش را کہ بہتر از غزالی و رازی	اپنے زمانہ کے وہ علماء جن کو غزالی اور رازی
تصور نمودہ بودند، رکاکتہائے ایشاں را	سے بہتر تصور کرتا تھا، جب ان کا چھچھورہ
دیدہ، قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف	پن دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کو
را نیز منکر شدند"[2]	قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا

شیخ عبدالنبی جن سے کبھی اکبر کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان کے جوتے خود اُٹھاتا تھا، ایک مرتبہ عبادت خانہ میں بحث و مباحثہ کر رہے تھے کہ اکبر نے اُن کے منہ پر چانٹا مارا۔

علماء کے جھگڑوں سے تنگ آ کر ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ جاری کیا گیا جسے ملا مبارک ناگوری نے مرتب کیا تھا۔ اس محضر نامہ میں اعلان کیا گیا کہ

"مرتبہ سلطان عادل عنداللہ زیادہ از مرتبۂ مجتہد است"

---

[1] اکبر کا یہ قول ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے:
"کاشکے از خوانندگاں رسمی علوم چندیں اختلاف بگوش نرسیدے از فراواں گرگونگی تفاسیر و احادیث بہ شگفت زار نیفتا دمے" (ص ۲۲۱)
(کاش کہ میں رسمی علوم کے ماہرین سے اس قدر اختلافات نہ سنتا اور تفاسیر و احادیث کے اختلافات مجھے حیرانی میں نہ ڈالتے۔

[2] منتخب التواریخ

اور اکبر کو حق اجتہاد دیا گیا۔ بظاہر یہ مسودہ بالکل معصوم معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں ایک اہم دینی اور فقہی مسئلہ اُلجھا ہوا ہے ـــــ اجتہاد کا حق کیا ایک ایسے بادشاہ کو دیا جا سکتا ہے جو علم دین سے پوری طرح واقفیت نہ رکھتا ہو ـــــ ؟

اس کے بعد اکبر نے مسجد میں خطبہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ فیضی نے خطبہ میں یہ اشعار لکھے :

خداوندے کہ مارا خسروی داد　　دل دانا و بازوے قوی داد

بعدل و داد مارا رہنموں کرد　　بجز عدل از خیال ما بروں کرد

بود وصفش از حد فہم برتر　　تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

ابھی خطبہ کے یہ اشعار بھی پوری طرح نہ پڑھنے پایا تھا کہ اکبر پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ منبر سے اُتر آیا

عبادت خانے کے دروازے اب ہر مذہب اور ملت کے لیے کھول دیے گئے اور طرح طرح کے مباحث پر گفتگو ہونے لگی۔ اکبر ان میں شرکت کرتا تھا۔ علمار اسلام سے اس کو پہلے ہی نفرت ہو چکی تھی۔ جب غیر مذاہب کے لوگوں نے اس کے دل و دماغ میں اسلام کے متعلق شبہات پیدا کیے تو کوئی طبقہ علمار کا دربار میں ایسا نہ تھا جو اُن کو رفع کر سکتا۔ جو مسلمان عالم دربار میں موجود تھے اُنھوں نے بادشاہ کی ہمزبانی میں ہی اپنی فلاح کا راز پایا۔ اور اس کی ہر بدعت کو جائز قرار دے دیا نتیجہ یہ ہوا کہ دربار اکبری بدعات کا مرکز بن گیا اور اسلام سے بادشاہ کا تعلق روز بروز کم ہوتا چلا گیا۔

جب اسلام کی ہر ہر بات عقل کی ترازو میں تولی جانے لگی تو ملامت و تنقید کا سب سے پہلا نشانہ مجتہدین و ائمہ بنے۔ ملا عبدالقادر نے لکھا ہے :

"اگر در عین بحث سخن مجتہدین را　　اگر کسی بحث و مباحثہ کے درمیان ائمہ

می آوردند می گفت فلاں حلوائی و فلاں کفش دوز، وفلاں چرم گر برما حجت می آرید"[1]	مجتہدین کی کوئی بات پیش کی جاتی تو (ابو الفضل) اس کے جواب میں کہتا فلاں حلوائی فلاں کفش دوز اور فلاں چمڑے والے کے قول سے تم مجھ پر حجت قائم کرتے ہو۔

اس کے بعد دربار میں کھلم کھلا فقہی مسائل اور شعار اسلامی کا مذاق اُڑایا گیا۔ معراج کو خلاف عقل ثابت کرنے کے لیے اکبر بیٹھے بیٹھے یکایک ایک ٹانگ پر کھڑا ہو گیا اور کہا ـــــ

"ایں معنی را عقل چہ گونہ قبول کند کہ شخصے دریک لحظہ با گرانی جسم از خواب بآسماں رود"[2]

ملا عبدالقادر بدایونی نے دربار اکبری کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اسلام کے متعلق اکبر کے جن خیالات کو بیان کیا ہے، ان کو موجودہ زمانہ کے بعض مورخین قابل اعتماد نہیں سمجھتے، بلکہ اُن پر دروغ گوئی کا الزام لگاتے ہیں[2]۔ تاریخی شواہد اس الزام کی تائید نہیں کرتے۔ بدایونی نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تصدیق مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبدالحقؒ، میر عبدالاولؒ اور دیگر علماء و مشائخ کی زبان ہی سے نہیں بلکہ زندگیوں سے ہوتی ہے۔ اگر ملا بدایونی کی پیش کی ہوئی تصویر غلط ہے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی برہمی کا مطلب کیا تھا؟ وہ اپنے مکتوبات میں "غربت اسلام" کا نوحہ کیوں کرتے ہیں؟ اُن کو کس دربار میں احداث وبدعات کا دریا اُمنڈتا ہوا نظر آرہا تھا؟ وہ کیوں

---

[1] منتخب التواریخ۔ جلد دوم ص ۳۱۷۔ [2] اسی طرح ایک کوشش مکھن لال رائے چودہری نے اپنی کتاب "دین الٰہی" میں کی ہے۔ (ص ۲۶۸-۲۷۵) حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنے کسی نکتہ خیال کی تائید پر تلا ہوا ہوتا ہے تو صدق و دیانت کا دامن اکثر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اگر ملا نے اکبر کی بُرائی میں مبالغہ کیا ہے تو کیا ابو الفضل نے اس کی تعریف میں مبالغہ نہیں کیا؟ لیکن ابوالفضل کے بیانات

امراء و اعیان کو دین و مذہب کی حفاظت کے لیے ترغیب دے رہے تھے؟ —— پھر سب ہی سوالات تھوڑے تھوڑے فرق سے شیخ محدثؒ اور اس عہد کے دیگر علماء و مشائخ کے متعلق بھی پیدا ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر ملا بدایونی کی پیش کی ہوئی تصویر میں حق و صداقت نہیں تو پھر اس عہد کا بیشتر مذہبی لٹریچر بے معنی ہے۔ اور یہ سب علماء و مشائخ ایک فرضی ابتری اور انتشار کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔

مجدد صاحب ایک خط میں خان اعظم کو لکھتے ہیں

در سلطنت پیشیں عنادے بدین مصطفوی مفہوم می شد"[1]

اس اجمال کی تفسیر ان کے مکتوبات کی تین جلدوں میں ملتی ہے جن میں ایک ایک گمراہی کا پتہ دیا گیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تصانیف کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ملا عبدالقادر کے بیانات کی پوری طرح تصدیق ہو جائیگی۔ شیخ محدثؒ نے اپنے مخصوص انداز میں وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو ملا بدایونی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ شیخ نورالحق بالکل صفائی سے لکھتے ہیں کہ ۹۸۶ھ (یعنی ۱۵۷۸ء) میں بادشاہ نے مذہب کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

دربار اکبری میں جن بدعات اور غیر شرعی حرکات کا ارتکاب ہوتا تھا اور علماء و فقہاء اسلام کے متعلق جس رائے کا اظہار ہوتا تھا اُن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں مندرجہ ذیل فہرست پر سرسری نظر ڈال لی جائے تو مجملاً ماحول کا اندازہ ہو جائیگا۔

(۱) ملت اسلام ہمہ نامعقول و حادث	تمام مذہب اسلام نامعقول اور اس کے
و واضع آں فقراء عرباں بودند کہ جملہ	ایجاد کرنے والے اور بنانے والے عرب کے
مفسداں و قطاع الطریق و آں دو	وہ چند مفلس بدوقزاق ہائے جو سب کے
ہیبت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی بطریق	سب مفسد اور راہزن تھے۔ اور شاہنامہ

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی۔ مکتوب ۶۵ دفتر اول حصہ دوم ص ۴۵۔

نقل آوردہ تمسک می ساختند؎	کے وہ دو شعر جن کو فردوسی نے بیان کیا ہے بطور سند پیش کیے جاتے تھے۔
زشیر شتر خوردن و سوسمار	
عرب را بجائے رسید است کار	
کہ ملک عجم را کنند آرزو	
تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو[1]	
(۲) در ہر رکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقائد اسلامیہ چہ در اصول و چہ فروع مثلاً نبوت و کلام و رویت و تکلیف و تکوین و حشر و نشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر و استہزار آوردہ"[2]	ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے، مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، دیدار الٰہی، انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر و نشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کیے جانے لگے۔
(۳) و تواتر قرآن و ثبوت کلامیت آں و بقائے روح بعد از اضمحلال بدن و ثواب و عقاب را (غیر از تناسخ) محال شمردند"[3]	قرآن کے تواتر اور قرآن کے کلام خدا ہونے کو اور بدن کے فنا ہونے کے بعد روح کے باقی رہنے، نیز ثواب و عقاب کو محال سمجھتا تھا، البتہ تناسخ کے طور پر عذاب و ثواب کا قائل تھا۔
(۴) بدبختے چند از ہندواں و مسلمانان ہندو مزاج قدح صریح بر نبوت می کردند"[4]	چند ہندو اور چند ہندو مزاج مسلمان آنحضرت کی نبوت پر صراحتاً اعتراض کرتے تھے۔

---

[1] منتخب التواریخ ص۳۰۹ [2] ایضاً ص۳۱۶ [3] ایضاً ص۲۷۳ [4] ایضاً ص۳۱۵

(۵) "در دیوان خانہ ہیچ کس یارلئے آں نداشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کنند" [1]

دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کرسکے

(۶) "عبادت آفتاب را روزے چہار وقت کہ سحر و شام و نیم روز و نیم شب باشد لازم گرفتند" [2]

آفتاب کی عبادت دن میں چار وقت یعنی صبح و شام، دوپہر، آدھی رات میں لازمی طور پر کرتے تھے۔

(۷) "قشقہ کشیدند" [3]

وہ قشقہ بھی لگاتے تھے۔

(۸) برغم اسلام خنزیر و کلب از نجس بودن باز ماند، درون حرم و زیر قصر نگہداشتہ ہر صباح نظر براں عبادت می شمردند" [4]

اسلام کے توڑ پر سُور اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دیا گیا، اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور رکھے گئے، صبح سویرے اس کے دیکھنے کو بادشاہ عبادت خیال کرتا تھا

(۹) "عربی خواندن و دانستن آں عیب شد و فقہ و تفسیر و حدیث و خوانندہ آں مطعون و مردود" [5]

عربی پڑھنا، عربی جاننا عیب قرار دیا گیا اور فقہ و تفسیر و حدیث کے پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔

(۱۰) نام احمد و محمد و مصطفیٰ و امثال آں بہ جہت کافراں بیرونی و زنان اندرونی گراں می آمد" [6]

احمد، محمد اور مصطفیٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں کی خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے اس شخص پر گراں گزرنے لگے۔

---

[1] منتخب التواریخ۔ ص ۲۱۵۔ وغیرہ
[2] تا [6] منتخب التواریخ

دربار کا یہ ماحول عوام کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوا۔ اور اعتقاد و عمل کے گوشہ گوشہ میں شکوک و شبہات کا زہر سرایت کر گیا۔ شیخ محدث ؒ نے ان حالات میں اپنے فرائض کو محسوس کیا اور اپنے مخصوص انداز میں ماحول کی اصلاح میں منہمک ہو گئے۔

باب (۲) دوم

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ترویج علوم حدیث

اسلامی ہند کی فضائے علم وادب جن روشن اور تابناک ستاروں سے مزین ہے اُن میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ انہوں نے نصف صدی سے زیادہ درس وتدریس اور ارشاد وتلقین کا ہنگامہ گرم رکھا اور اُن کا قلم عمر بھر قرآن وحدیث کے اسرار وحکم کی کشف وتحقیق میں گہرافشانی کرتا رہا۔ شرح سفر السعادت میں ایک جملہ جو انہوں نے دوسروں کے لیے لکھا ہے، خود اُن پر صادق آتا ہے ——

"بہ تجدید وترویج علم جامے تازہ بر چہرۂ دین وملت افزودند" [۱]

اُن کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ ترویج علوم حدیث سے متعلق ہے۔ داراشکوہ نے بجا طور پر اُن کو "امام محدثانِ وقت" کہا ہے۔ خافی خاں لکھتا ہے:

درکمالات صوری ومعنوی، وتحصیل علوم عقلی ونقلی خصوص
تفسیر وحدیث در تمام ہندوستان ثانی نداشت" [۳]

اس سلسلہ میں شیخ عبدالحقؒ کی خدمات مختصراً مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ایک ایسے دور میں جب کہ علم حدیث شمالی ہندوستان میں تقریباً ختم ہو چکا تھا انہوں نے اپنی مسلسل اور پرخلوص جدوجہد سے اس کو ازسرِ نو زندہ کیا۔

---

[۱] شرح سفر السعادت۔ ص ۵۔ [۲] سکینۃ الاولیاء (قلمی) [۳] منتخب اللباب۔ ص ۵۵۱

(۲) کتب احادیث کو اپنے زمانے کے نصاب و منہاج کا ایک لازمی جزو بنا دیا۔ خود انہوں نے اپنے مدرسہ میں کتب احادیث کے باقاعدہ درس کی ابتدا کی، اُن کے بیٹے اور پوتوں نے اپنے مدرسہ کی اس خصوصیت کو برقرار رکھا۔

(۳) فارسی زبان میں کتب احادیث کے منتقل کرنے کی باقاعدہ کوشش کی اور اس طرح علوم دینی کے وہ خزانے جو عوام کی دسترس سے باہر تھے، ہر کہ و مہ کے لیے کھل گئے۔ مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ عبدالحق محدث جس دور علم و تعلیم کے بانی ہوئے اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ علم حدیث کے متعلق فارسی زبان میں جو ملک کی عام زبان تھی تصنیف و تالیف کی بنیاد ڈالی گئی" لے

عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے میں شیخ محدثؒ کو بڑی مہارت تھی۔ نواب صدیق حسن خاں کا خیال ہے:

"در ترجمہ عربی بفارسی یکے از افراد ایں امت است مثل او دریں کار دبار خصوصاً دریں روزگار احدے معلوم نیست" ۲ے

(۴) شیخ محدثؒ نے مشکوٰۃ پر خاص توجہ کی۔ ان کو مشکوٰۃ سے وہی تعلق تھا جو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو موطا امام مالک سے تھا۔ انہوں نے مشکوٰۃ کی شرح عوام و علماء کی ضروریات کے پیش نظر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھی تھی۔ اسی طرح شاہ ولی اللہؒ نے موطا کی شرح (مصفٰے اور مسوّیٰ) فارسی اور عربی میں لکھی۔

(۵) مشکوٰۃ کو دیگر کتب احادیث پر ترجیح دینے کے اسباب یہ تھے (۱) مشکوٰۃ میں صحاح کی حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ (۲) مشکوٰۃ کی ترتیب بہت اعلیٰ ہے (۳) جامعیت کے اعتبار سے مشکوٰۃ کی خاص اہمیت ہے (۴) مشکوٰۃ میں صرف صحابی کا نام اور

لے تذکرہ ۲ے

کتاب کا ذکر ہے مکمل سلسلہ اسناد بیان نہیں کیا گیا۔ اس طرح بندیوں کے لیے اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ پڑھنے والے کی توجہ حدیث کے مضمون پر مرتکز ہو جاتی ہے اور وہ اسناد کے الجھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ (۵) مشکوٰۃ پر شافعیت کا رنگ زیادہ اُجاگر محسوس ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحق نے اپنی شرح لکھ کر اس کو حنفیت کا رنگ دے دیا۔

(۶) علم حدیث کی ترقی کے لیے ضروری تھا کہ حجاز اور وہاں کے محدثین سے براہِ راست تعلق پیدا کیا جائے۔ شیخ عبدالحق نے علم حدیث حجاز میں حاصل کیا۔ اُن کے بعد ہندوستان میں محدث بننے کے لیے حجاز میں قیام اور علماء حجاز سے استفادہ ضروری سمجھا جانے لگا۔

ہندوستان میں علم حدیث کے سلسلہ میں بیشتر روایات شیخ محدث ہی نے قائم کیں۔ ان روایات پر شاہ ولی اللہ دہلوی نے نہ صرف پوری طرح عمل کیا بلکہ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

(۷) شیخ عبدالحق دہلوی اور اُن کے خاندان نے حدیث کی مختلف کتابوں کی جو خدمت کی ہے اس کی تفصیل یہ ہے :۔

صحیح بخاری	تیسیر القاری شیخ نورالحق (۲) شرح صحیح بخاری شیخ الاسلام محدث
صحیح مسلم	(۱) منبع العلم۔ شیخ محب اللہ (۲) شرح منبع العلم۔ شیخ فخرالدین
موطا	محلی شرح الموطا مولانا سلام اللہ
مشکوٰۃ	(۱) اشعۃ اللمعات۔ شیخ عبدالحق (۲) لمعات التنقیح۔ شیخ عبدالحق

کتب	فن
(۳) جامع البرکات، منتخب شرح المشکوٰۃ۔ شیخ عبدالحق ؒ (۴) اسماء الرجال والروایات المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ } شیخ عبدالحق ؒ	[illegible]
(۱) شرح شمائل ترمذی۔ مولانا سلام اللہ ؒ (۲) اشرف الوسائل فی شرح شمائل ترمذی۔ شیخ سیف اللہ ؒ	ترمذی
(۱) رسالہ اصول حدیث۔ مولانا سلام اللہ ؒ (۲) رسالہ اصول حدیث۔ مولانا نورالاسلام ؒ	اصول حدیث

باب سوم

علوم دینی کے احیاء کی جدوجہد

گیارہویں صدی ہجری میں علماء ہند کی توجہ زیادہ تر فلسفہ اور علم کلام کی جانب تھی قرآن وحدیث کو اس زمانہ کے نصاب میں ایک ثانوی حیثیت دی گئی تھی بلکہ ملا بدایونی کا بیان تو یہ ہے کہ

"فقہ وتفسیر وحدیث وخوانندہ آن مطعون ومردود ونجوم وحکمت وطب ومسائل وشعر وتاریخ وافسانہ رائج ومعروض"[1]

قرآن وحدیث سے رجوع کیا جاتا تھا تو حیلہ بازی کے جواز کے لیے تفسیر لکھی جاتی تھی تو تاویلات کا ایک طوفان برپا کرنے کے لیے۔ ان حالات میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اگر ایک طرف قرآن وحدیث کو تمام علوم دینی کی اساس وبنیاد قرار دینے کے لیے جدوجہد کی تو دوسری طرف بے معنی تاویلات اور مفسدانہ تفاسیر کا دروازہ بند کر دیا فرماتے ہیں :-

"…. وضع کردن تاویلات اہل زیغ[2] وضلال وطعن ملاحدہ - وزنادقہ ونیز از رعایت

---

[1] منتخب التواریخ جلد دوم ص ۳۰۶ - ۳۰۷

[2] حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوب ۲۸۶ دفتر اول میں لکھتے ہیں: "اے سعادت مند! ہم پر اور تم پر ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو کتاب وسنت کے مطابق اس طور پر کہ علماء اہل حق نے کتاب وسنت سے سمجھا اور اخذ کیا ہے صحیح کریں، کیونکہ ہمارا تمہارا سمجھنا اگر ان حضرات کی رائے کے مطابق نہ ہو تو قابل اعتبار نہیں اس لیے کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے خیالات کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہی رکھتا ہے اور وہیں سے ان کو اخذ کرتا ہے"

حقوق کتاب اللہ ترک تکلم دراں تفسیر آں از پیش نفس خود بے سند و نقل از سلف و
موافقت شرع شریف چنانکہ بعضے از جاہلان بوالفضول ایں روزگار کنند و آں را
تفسیر نام کنند و زراند کہ من فسر القرآن برائہ فقد کفر ۲

احیاء علوم الدین کے لیے شیخ محدثؒ کی مساعی کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) شیخ عبد الحقؒ نے اپنے عہد کے اس نصاب تعلیم کے خلاف آواز بلند کی جس
میں فلسفہ و منطق کو غیر ضروری اہمیت دے دی گئی تھی۔
دہلی میں علوم فلسفہ کی گرم بازاری میں شیخ عبد اللہ طلبنی اور شیخ عزیز اللہ طلبنی
سنبھلی کا کافی حصہ تھا۔ سلطان سکندر لودی کے عہد میں یہ دونوں ملتان سے آکر دہلی
اور سنبھل میں مقیم ہو گئے تھے۔ ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے:
"دانشمندان کبار در زمان سلطان سکندر شیخ عبد اللہ طلبنی در دہلی و شیخ
عزیز اللہ طلبنی در سنبھل بودند ایں ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ
علم معقول را دراں دیار رواج دادند و قبل ازیں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف
از علم منطق و کلام در ہند شائع نبودہ" ۳

شیخ محدثؒ نے اس ماحول میں اعلان کیا کہ علم صرف وہ ہے:
"کہ موجب بقا و تقویت دین و ملت است" ۴

ایک مکتوب میں وہ یہ شعر پڑھ کر
علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث ہر کہ خواند غیر ایں گردد خبیث
کتاب اللہ، احادیث، اور علوم صرف و نحو کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں اور
فرماتے ہیں کہ معاشی سہولتوں کے لیے زراعت، تجارت، معماری وغیرہ کی طرف توجہ

---

۱ یہاں غالباً شیخ کا اشارہ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کی طرف ہے۔
۲ مدارج النبوۃ ص ۲۴۹ ۳ منتخب التواریخ ۴ المکاتیب و الرسائل۔ ص ۵۳۔

کرنی چاہیے۔

(۲) شیخ محدث نے نصاب کی جس اہم تبدیلی کی طرف اپنے معاصرین کو توجہ دلائی تھی، سب سے پہلے خود اس کو عملی جامہ پہنایا، اور علوم دینیہ کی تعلیم کو اپنے دارالعلوم کے منہاج میں مرکزی حیثیت دے دی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی سے قبل شمالی ہندوستان کے جن مدارس میں کتب حدیث وفقہ کے درس کا ذکر ملتا ہے، اس کو شیخ محدث کی مساعی جمیلہ کا اثر سمجھنا چاہیے۔

(۳) شیخ محدث نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ "علم فلسفہ" اور "علم دین" کا مقابلہ کیا ہے۔ عقل کے حدود سمجھائے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ

"خوض در فلسفیات واشتغال بداں حرام دانند و از غلو در مباحثات و دلائل کلامیہ اجتناب نماید و در تفصیل قیل وقال اہل بحث و جدل در نیفتد" [1]

فلسفہ "ورطۂ حیرت" میں ڈال دیتا ہے اور زندگی کے کسی مسئلہ کو حل نہیں کرتا۔ عقل کا مقام اور کام تو یہ ہے۔

"عقل بمثابہ چراغیست کہ بداں راہ چاہ بدانند و کار چراغ آں بود کہ راہے نمودہ اند و نشانہا دادہ بداں بہ بیند و براثر نشانہا بروند، نہ آنکہ راہ از خود پیدا کند و اختراع نماید، ایں کار ہرگز از چراغ نیاید، راہ ہمانست کہ قرار دادہ اند و نشانہائے آں نمودہ دیگر نمی شود" [2]

بیسویں صدی کا مفکر اقبال بھی عقل کو "چراغ راہ" بتاتا ہے:

خرد سے راہ رو روشن بصر ہے | خرد کیا ہے چراغ رہ گزر ہے
درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا | چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور | چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

[1] مرج البحرین۔ ص ۱۷ [2] ایضاً۔ ص ۲۰

فلسفہ اور علم کلام کی طرف شیخ محدث ؒ کا یہ رویہ عہد اکبری کی عقلیت پسندی کے خلاف ان کے شدید ردعمل کو ظاہر کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ عقل "پائے چوبیں" ہے۔ اس سے زندگی کی مسافت طے نہیں کی جا سکتی۔ اس میں انتشار و تخریب کی قوتیں تو ہیں، لیکن تعمیر و تشکیل کی صلاحیتیں بالکل نہیں۔ انسانی زندگی کی عمارت شبہات پر نہیں بنائی جا سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان عقل کے حدود متعین کرے۔

باب (۴) چہارم
فقہ و حدیث میں تطبیق

شیخ عبدالحق دہلوی کی علمی خدمات کا ایک اہم اور شاندار پہلو یہ ہے کہ انہوں نے تقریباً نصف صدی تک فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش کی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس سلسلہ میں اُن کی خدمات کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ مثلاً نواب صدیق حسن خاں اُن کا تعارف اس طرح کرانے کے بعد کہ

"فقیہ حنفی و علامہ دین حنفی ست اما بہ محدث مشہور است"

لکھتے ہیں ــــ

"دستگاہش در فقہ بیشتر از مہارت در علوم سنت سنیہ ست ولہذا جانب داری اہل رائے جانب او گرفتہ معہذا جا بجا حمایت سنت صحیحہ نیز نمودہ طالب علم را باید کہ در تصانیف وے خذ ما صفا و دع ما کدر پیش نظر دارد و زلات تقلید او را بر محامل نیک فرود آرد از سوء ظن در حق چنیں بزرگواراں خود را دور گرداند" [1]

نواب صاحب کی یہ رائے انصاف و دیانت سے بہت دور ہے اور اُن کے خیالات کے تشدد کو ظاہر کرتی ہے۔

اس مسئلہ پر شیخ محدث کے افکار و رجحانات کا خلاصہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ابجد العلوم / حنود الابرار - ص ۱۱۲ -

(۱) فقہ اسلامی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھی جانی چاہیے، اس لیے کہ اس کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے اور وہ ایک ایسی روح کی پیداوار ہے جس پر اسلامی رنگ چڑھ چکا تھا۔

(۲) فقہ حنفی پر یہ اعتراض درست نہیں کہ وہ محض قیاس اور رائے کا نام ہے اس کی بنیاد محکم طور پر حدیث پر ہے۔

(۳) مشکوٰۃ کا گہرا مطالعہ فقہ حنفی کی برتری کو ثابت کرتا ہے۔

(۴) فقہ حنفی کو دیگر مذاہب پر ترجیح دینے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ انصاف سے بہت قریب معلوم ہوتی ہے "او رفہم زود تر درآید"

(۵) ایک ایسے دور میں جب کہ مسلمانوں کا سماجی نظام نہایت تیزی سے انحطاط پذیر ہو رہا تھا، جب "اجتہاد" گمراہی پھیلانے کا دوسرا نام تھا، جب علماء کی حیلہ بازیوں نے بنی اسرائیل کی حیلہ باز فطرت کو شرما دیا تھا، اگر کوئی راہ عافیت کی ہو سکتی تھی تو وہ تقلید کی تھی اس لیے کہ ــــ

مضمحل گردد چو تقویم حیات ملت از تقلید می گیرد ثبات
راہ آبا رو کہ ایں جمعیت است معنی تقلید ضبط ملت است
اجتہاد اندر زمان انحطاط قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہاد عالمان کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

باب پنجم (۵)

فقہ و تصوف میں ارتباط

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پیر و مرشد شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی ہدایت تھی:

"فقیہ صوفی باش نہ صوفی فقیہ، یعنی اول عمل شریعت و فقاہت را بدست آرد

و داد آں بدہ، پس ازاں بذروہ حقیقت برآ" [۱]

شیخ محدثؒ نے اپنی ساری عمر اسی اصول کی تبلیغ و اشاعت میں گزار دی۔ انہوں نے عالمانہ دلائل کے ساتھ اپنی دو کتابوں تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف اور مرج البحرین میں یہ ثابت کیا ہے کہ فقہ اور تصوف کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان میں تضاد کا خیال غلط و گمراہ کن ہے۔ "فقہ و تصوف، شریعت و طریقت، ظاہر و باطن، صورت و معنی، عقل و عشق" کا امتزاج ہی مرج البحرین ہو سکتا ہے۔ فقیہ کو تصوف اور صوفی کو فقہ سے واقف ہونا لازمی ہے۔ فرماتے ہیں:

"..... پس تصوف بہ فقہ محتاج است و فقہ از تصوف مستغنی، اگرچہ تصوف اعلیٰ وارفع است از فقہ در مرتبہ ولیکن فقہ اسلم و اعم است در مصلحت و ازینجا گفتہ اند کہ کن فقیہا صوفیا ولا تکن صوفیا فقیہا یعنی اول داد فقاہت و عمل شریعت و حفظ ظاہر بدہ، بعد ازاں بمقام تصوف و اتصاف بحقیقت و تصفیہ باطن عروج کن زیرا کہ ایں اکمل و اتم و اسلم" [۲]

---

[۱] مرج البحرین ۔ ص ۷۶ [۲] ایضاً ص ۸۷

باب (۶) ششم

حقیقی تصوف کی حمایت

حجۃ الاسلام علامہ ابن قیمؒ نے اعلام میں لکھا ہے:-

"لابد من امرین، احدھما اعظم من الآخر وھو النصیحۃ للہ و لرسولہ وکتابہ وتنزیھہ عن الاقوال الباطلۃ المناقضۃ، والثانی معرفۃ ائمۃ الاسلام ومقادیرھم وحقوقھم ومراتبھم، وان فضلھم لا یوجب قبول کل ما قالوا ولا یوجب اطراح اقوالھم"

یعنی صحیح راہ حق واعتدال کی یہ ہے کہ دو اصل ہیں، اور دونوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ایک یہ کہ ہر حال میں کتاب وسنت اور نصوص شرعیہ کو مقدم رکھنا چاہیے اور اسی پر حکم وعمل کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ تمام ائمہ اسلام اور علما حق سے حسن ظن اور محبت و ارادت رکھنی چاہیے۔ اور اُن کے مراتب وحقوق کی رعایت سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیے

تصوف کے معاملہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مسلک بالکل یہی تھا۔ وہ ائمہ اسلام، صوفیہ صافی اور علما حق کی انتہائی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ شریعت وسنت کو سب پر مقدم جانتے تھے۔ اور اس معاملہ میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت جائز نہیں سمجھتے تھے۔

اس ضمن میں اُن کی خدمات اور عقائد کا نچوڑ یہ ہے:

لہ ماخوذ از تذکرہ۔ ص ۲۴۔

(۱) حقیقی تصوف اسلام کی روح اور ایمان کی جان ہے۔ اس کی اساس و بنیاد شریعت و سنت ہے۔ مسخ شدہ تصوف کا رد و انکار جس قدر ضروری ہے حقیقی تصوف کی حمایت اسی قدر لازمی ہے۔ شیخ عبداللہ نیازیؒ کو اس سلسلہ میں انہوں نے تفصیل سے اپنے خیالات سے آگاہ کیا ہے[1]

(۲) صوفیہ صافی، اسلام کی دینی تاریخ میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔

"اصل عنوان صوفیہ مرتبتے عظیم و مقامے رفیع و مسلک طریق مستقیم است"[2]

وہ "مقتبسان انوار سنت[3]" اور "مکاشفان سر حقیقت[4]" ہیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہر وہ قرآن و حدیث کے بعد سب سے زیادہ عزت و احترام کے قابل ہے۔ اس لیے کہ اس کا ایک ایک حرف اس ذہن کی پیداوار ہے جس پر قرآن و حدیث کا رنگ خوب رچ چکا تھا۔ فرماتے ہیں:

"اگرچہ علم تفسیر و حدیث بالذات برہمہ مقدم است، اما در حقیقت تصوف تفسیر کتاب خدا و شرح سنت رسول و مداول و نتیجہ آنہاست"[5]

(۳) شریعت و طریقت میں فرق کرنا گمراہی کی دلیل ہے۔ جو لوگ شریعت پر عامل نہیں وہ صوفیہ کہلانے کے مستحق نہیں۔ انہیں باطنیہ یا حشویہ کہنا چاہیے[5]۔ بزرگوں سے اُن کی نسبت صحیح نہیں۔ فرماتے ہیں۔

"حاشا للہ کہ ایشاں را با پیراں نسبتے دپیراں را با ایشاں عنایتے باشد، پیراں اہل حق اند و از ارباب صدق، از اہل بطلان و کذب کے راضی شوند"[6]

شیخ محدثؒ کا اعتقاد تھا کہ کل حقیقۃ ردتہا شریعۃ فھی زندقہ[7]۔ وحقیقت شریعت

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب المکاتیب والرسائل
[2] کتاب المکاتیب۔ ص ۵۱
[3] مرج البحرین۔ ص ۴۰
[4] ایضاً۔ ص ۴۰
[5] شرح فتوح الغیب۔ ص ۴۲۰
[5] کتاب المکاتیب۔ ص ۵۱
[6] کتاب المکاتیب۔ ص ۴۲

کو رد کرے ورنہ فتنہ ہے۔ انہوں نے خواجہ جنید بغدادیؒ کے اس قول پر اپنے فکر کی عمارت تعمیر کی تھی :

"بنائے طریقت ما بر کتاب وسنت است. وہر چہ مخالف کتاب وسنت ہست

وخارج ازآنست مردود وباطل است"۔ [1]

(۴) شیخ محدثؒ کے زمانہ میں صوفیہ ومشائخ اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کی طرف سے بے توجہی برت رہے تھے۔ اور مشائخ متقدمین کا سارا نظام اصلاح و تربیت بے روح وبے جان ہو چکا تھا۔ فرماتے ہیں :-

"ایں نوع تربیت دریں زمان منعدم شدہ وانقطاع پذیرفتہ است"

اس لیے شیخ محدثؒ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ ہم عصر مشائخ کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے کہ مریدوں کی باطنی اصلاح کو اپنی زندگی کا سب سے اہم کام سمجھ کر انجام دے۔

(۵) شیخ محدثؒ کا ابتدائی زمانہ جس ماحول میں گزرا تھا اس پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا۔ ان کے والد ماجد، شیخ امان پانی پتی کے مرید تھے اور اس مسئلہ پر ایمان رکھتے تھے جب شیخ محدثؒ حجاز سے واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ وحدت الوجود کی مخالفت نہایت شد ومد کے ساتھ کر رہے ہیں شیخ محدثؒ نے ان حالات میں اعتدال کی راہ اختیار کی۔ نہ انہوں نے حضرت محیی الدین ابن عربیؒ کے خیالات کی تردید کی، اور نہ ان کی تصانیف کا درس دیا اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی طرح وہ یہ کہتے تھے کہ شیخ اکبرؒ کی تصانیف میں زہر بھی ہے اور قند بھی جو ان دونوں میں تمیز کر سکے ۔ اُن کی تصانیف ضرور پڑھے۔

(۶) ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصانیف کی طرف سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہی نے توجہ فرمائی اور ان کے ترجمے کر کے

[1] مرج البحرین - ص ۱۰۱

تصوف کے اعلیٰ خیالات کی ترویج و تبلیغ میں معاون ہوئے۔

باب (۷) ہفتم

عہدِ اکبری اور شیخ محدثؒ

معارج الولایت میں شیخ محدثؒ کے متعلق لکھا ہے:

"در دفع زندقہ والحاد میکوشید"

کسی معاصر تذکرے میں اس اجمال کی تفصیل درج نہیں لیکن شیخؒ کی تصانیف کا ایک ایک صفحہ اس بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ شیخ کے بعض نظریات و ارشادات کا مطالعہ اکبری عہد کے پس منظر میں کیا جائے۔

(۱) علم حدیث میں شیخ کے انہماک کا بڑا سبب یہ تھا کہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ بدعت و گمراہی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے خلاف اگر کوئی دیوار کھڑی کی جا سکتی ہے تو وہ صرف علوم حدیث کی۔ اُن کے ایک مشہور معاصر میر عبدالاولؒ نے لکھا تھا:

"جہت حفظ امن و عافیت و دفع مرض فتنہ اشتغال بہ علوم حدیث واجب دید

و ضرر سموم حوادث را بایں تریاق فاروق مندفع گردانید"

اور خود ان کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اسی کے ماتحت انہوں نے حدیث کے خزانوں کو عوام کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔

(۲) مدارج النبوۃ کی تصنیف سے شیخ کا مقصد یہ تھا کہ عہد اکبر کے فتنوں کا سدِ باب کیا جائے۔ فرماتے ہیں:-

چون از فساد زمان انحرافے درمزاج وقت بعضے درویشان مغرور ایں روزگار راہ یافتہ واز تیرگی آئینہ استعداد و تنگی حوصلہ ادراک پایۂ ارفع ومقام اقدس محمدی را ہیچ کس بدرک و دریافت آں راہ نیست نشناختہ وتقصیرے در اداۓ حق نمودہ واز جادۂ دین وصراط مستقیم بر افتادہ بودند، لازم حق مسلمانی آں نمود کہ احوال وصفات قدسیہ ..... نگارش نماید وایں بے خبراں را از حقیقت حال آگاہ گرداند وغافلاں را از خواب غفلت بیدار سازد و طالباں را بر راہ آرد" لہ

(۳) عہد اکبری کا ایک زبردست فتنہ نظریہ الفی تھا۔ یہ خیال عوام میں پھیلایا جا رہا تھا کہ اسلام کی مدت صرف ہزار سال تھی۔ اس مدت کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ احکام اسلامی اور شریعت اسلامی کے اتباع کی ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں :-

چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ ہزار سال از زمان بعثت پیغمبر اسلام علیہ السلام کہ مدت بقائے ایں دین بود تمام شد وہیچ مانعے برائے اظہار و دواعی خفیہ کہ در دل داشتند نماند" ؎۲	بادشاہ نے یہ خیال پکا یا کہ آنحضرت صلعم کے دین کی مدت کل ایک ہزار سال تھی جو پوری ہو گئی۔ بادشاہ کے دل میں اس کے بعد ان منصوبوں کے اظہار و اعلان میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی جو انہوں نے اپنے دل میں گانٹھے تھے۔

شیخ محدث نے نہایت شد ومد اور قوت واستقلال کے ساتھ اس غلط نظریہ کی تردید کی۔ اور بتایا کہ احکام اسلامی ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے ہیں۔ ان کے لیے زمان ومکان کی پابندیاں بے معنی ہیں۔ فرماتے ہیں ——

لہ مدارج النبوۃ۔ ص ۳۔ ؎۲ منتخب التواریخ۔ ص ۳۰۱۔

"از خصائص کاملہ ایں خیر الامم آنست کہ شریعت کمل است از جمیع شرائع متقدمہ وایں عیاں است کہ محتاج نیست بہ بیان وواضح است کہ خفا نیست دراں وچوں آنحضرت مبعوث است برائے تتمیم مکارم اخلاق ومحامد افعال لاجرم دین وشریعت او اتم واکمل ادیان شرائع باشد"[۱]

اس کے بعد شریعت محمدی کا دوسری شریعتوں سے مقابلہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں فطرت انسانی کو ملحوظ رکھ کر توسط واعتدال کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ اور یہی اس شریعت کے ابدی ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) مدارج النبوۃ میں ایک باب "حقوق آنحضرت" پر ہے۔ اس میں لکھتے ہیں

"پس ایمان بہ محمدؐ واجب ومتعین است وتمام نمی شود حقیقۃ ایمان وصحیح نمی شد اسلام وحصول نمی پذیرد مگر با یمان بہ محمدؐ وشہادت برسالت دے"[۲]

اس اعلان سے بھی ایک زبردست گمراہی کا سد باب مقصود تھا۔ اکبری دور میں بہت سے لوگ اس گمراہی میں مبتلا کیے گئے تھے کہ ایمان کی تکمیل صرف وحدانیت پر اعتقاد رکھنے سے ہوجاتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور شریعت مذہب اور ایمان کے لازمی جزو نہیں۔ ایک موقع پر نہایت سختی کے ساتھ اس خیال کی تردید اس طرح کرتے ہیں ــــ

"بعض کوتاہ بیناں کہ شہود حق را از وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفارق میدانند وبہرہ رختہ دے واقف نمی شوند وایں معنی در رسالہ جدا آوردہ، بعضے از مدعیاں را شرح تر ازیں گفتہ ایم"[۳]

(۵) شیخ محدثؒ کے زمانہ میں ایک عام روش یہ تھی کہ ہر کس وناکس مذہبی معاملات میں دخل دینے کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ دربار میں نازک ترین مذہبی مسائل پر بحث

---

[۱] مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۰۱ [۲] ایضاً۔ ج ۱ ص ۳۲۶ [۳] ایضاً جلد اول ص ۳۴۱

ہوتی تھی[1] ۔ وہ امرا اور امراء سے عوام میں پہنچتی تھی اور ہزاروں فتنوں اور گمراہیوں کے دروازے کھل جاتے تھے ۔ ان حالات میں شیخ نے مشورہ دیا کہ :

"واز نصیحت عامہ است تکلم بر قدر عقول ایشاں کردن و ذکر دقائق و حقائق و کشف و اسرار نمودن و اظہار اقوال علماء و اختلافات ایشاں بر غیر علماء نیز ہمیں حکم دارد ۔ ۔ ۔ واما نصیحت خواص مسلمانان اکثر مراد بخواص امراء و سلاطین داشتہ اند کہ حاکمند بر خلق چنانکہ در روایت دیگر آمدہ کہ ائمۃ المسلمین طاعت ایشاں است در حق نصر و معونت ایشاں و امر کردن و تذکیر نمودن ایشاں بداں بر احسن وجہ و اوفق و اصلح آں و تنبیہ بر آنچہ غافل شوند از امور مسلمانان و پوشیدہ باشد از ایشاں و ترک خروج بر ایشاں و عدم اغراء مردم و افساد قلوب بر ایشاں و ترغیب بر آنچہ صلاح حال رعیت و انتظام مہام خلق دراں باشد"[2]

(۶) باقاعدہ نبوت کا دعویٰ ممکن ہے اکبر نے نہ کیا ہو لیکن اس نے جو حیثیت اختیار کر لی تھی وہ نبوت سے کم نہ تھی ۔ ملا بدایونی نے لکھا ہے :

"ایں ہمہ باعث دعویٰ نبوت شد اما	یہی باتیں دعویٰ نبوت کا سبب ہوئیں
بہ لفظ نبوت"[3]	لیکن نبوت کے لفظ کے ساتھ نہیں ۔

ان حالات میں نبوت اور سلطنت کے متعلق ایک عام بدگمانی اور غلط فہمی پیدا ہو جانا

---

[1] شیخ نور الحق دہلوی ؒ نے زبدۃ التواریخ میں اکبری عہد کے مذہبی انتشار کا اصلی سبب ان ہی درباری جلسوں کو قرار دیا ہے ۔ لکھتے ہیں ۔۔۔ "۹۶۸ھ میں بادشاہ نے مذہب کو خیرباد کہہ دیا تھا ۔ اس گمراہی کا سبب دربار میں ہر فرقے ، مذہب ، رجحان اور طریقے کے علماء اور فلاسفہ کا جمع ہونا تھا ۔ چونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ بادشاہ نے قدیم تاریخ رسم و رواج اور مذاہب کے متعلق اس نے تفصیل سے سُنا اس لیے وہ متحیر رہ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ عوام کو جب ان مباحث کا علم ہوا تو ان میں بہت سی غلط فہمیاں ہو گئیں اور انہوں نے بادشاہ کے مقاصد کو غلط سمجھنا شروع کر دیا" Elliot & Dowson Vol VI p 189-191

[2] مدارج النبوت ۔ ص ۳۳۹ ۔

[3] منتخب التواریخ ۔ ص ۲۸۷ ۔

لازمی امر تھا۔ شیخ محدثؒ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں نبوت و سلطنت کے فرق کو واضح کیا۔[۱] مرج البحرین میں ارشاد ہوتا ہے:

"..... چہ دراں زماں وچہ بعد ازاں چندیں عقلا و حکما و امرا و سلاطین کہ کوس حکمت و سلطنت ایشاں بفلک برمی رفت چرا بزور عقل و دانش مانع از ظہور دینؒ ملت اسلام نیامدند، واگر بعضے ازایشاں بغرور نفس و غلبۂ ہوا ایں ہوس کردند و با خود خیال محال بربستند و قواعد و قوامین اختراع نمودند چرا آں قواعد و قوانین بعد ازایشاں باقی نماند و رواج نیافت ازینجا معلوم شد کہ نبوت دیگراست و سلطنت دیگر" [۲]

(۷) اکبر نے جتنے غیر اسلامی رواج اور رسومات قبول کر لیے تھے اُن سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ شیخ محدثؒ ایمان کی بحث کرتے ہوئے اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

"دریں جا قسمے دیگراست کہ باوجود تصدیق و اقرار چیزے کنند کہ شارع آں را امارت و علامت کفر ساختہ مثل سجدۂ صنم و شد زنار و امثال آں، پس مرتکب ایں امور نیز بحکم شرع کافر ست اگرچہ فرضاً تصدیق و اقرار داشتہ باشد" [۳]

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:-

"اورا (یعنی خداوند عز شانہٗ را) جز بنامے کہ برلسان شرع خود بدا خواندہ نتواں خواند.. .... باید دانست کہ منع از تسمیہ است نہ توصیف... انچہ مخصوص بزبان کافراں است نباید خواند کہ درانجا بیم کفر بود" [۴]

(۸) شیخ محدثؒ کی تصانیف کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُنھوں نے

---

[۱] "ایں سخن (یعنی فرق نبوت و سلطنت) در رسالۂ دیگر کہ درباب اثبات نبوت نوشتہ شود گویم" (مرج البحرین۔ ص ۲۷)

[۲] مرج البحرین۔ ص ۲۷۔ [۳] اشعۃ اللمعات۔ جلد اول۔ ص ۴۰۔ [۴] تکمیل الایمان۔ ص ۱۱

بھی ہر اس گمراہی کی نشان دہی کی ہے جس کے خلاف مجدد صاحبؒ نے آواز اٹھائی تھی
حقیقت یہ ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، لیکن مختلف انداز میں۔ مجدد صاحبؒ
کے یہاں انقلابی جوش، سخت گیری اور "برہم زن" کے نعرے ہیں۔ تو شیخ محدثؒ کے
یہاں ایمان کی حرارت، بدعت سے سخت نفرت اور احیاء سنت کا غیر معمولی جذبہ ہے۔ مجدد صاحبؒ
کی طرح شیخ محدثؒ کی چوٹ پر بات نہیں کہتے لیکن کہتے وہی ہیں جو مجدد صاحبؒ نے
کہا ہے۔

(۹) شیخ محدثؒ نے عہد اکبری کے بعض مشہور اعیان و امرائے سلطنت کو اماتت بدعت
اور احیائے سنت پر آمادہ کیا۔ عبدالرحیم خان خاناں اور نواب مرتضیٰ خاں المعروف بہ شیخ
فرید کے نام اُن کے مکتوبات ان کے جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملت
کی پریشاں حالی نے اُن کے قلب و جگر پر بہت گہرا اثر کیا تھا اور وہ اپنے مخصوص انداز
میں امراء کی غیرت دینی کو جوش دلاتے تھے۔ ان کے خطوط میں ایک بے چین اور
مضطرب قلب کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔

باب ہشتم (۸)

شیخ محدثؒ کا انداز تلاش و تحقیق

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی تصانیف کا مواد بڑی تلاش اور تحقیق سے جمع کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی ایسے موضوع پر قلم نہیں اُٹھایا جس کا گہری نظر سے مطالعہ نہ کیا ہو اور جس کا ہر ہر پہلو پوری طرح پر اُن کے سامنے نہ ہو۔ تلاش و تحقیق کا یہ جذبہ بہت حد تک اُن کی "محدثانہ تربیت" کی پیداوار تھا۔ علم حدیث کے سلسلہ میں انہوں نے بڑی تلاش، تحقیق اور کاوش کی تھی۔ فن اسماء الرجال، اصول اسناد وغیرہ کے مطالعہ نے اُن کے تحقیقی رجحان کو بہت ابھار دیا تھا۔ اور وہ کبھی اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے جب تک پوری طرح ہر ہر مسئلہ کی تحقیق نہ کرلیں۔ اُن کی تصانیف شاہد ہیں کہ وہ جب کسی موضوع پر کام کرتے تھے تو اُن کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ متعلقہ لٹریچر اُن کے پاس موجود ہو۔ سفرالسعادت کی شرح جب لکھتے ہیں تو حدیث، اسماء الرجال، تاریخ و سیر کی بے شمار کتابیں پیش نظر رکھتے ہیں اور ان سے برابر استفادہ کرتے جاتے ہیں۔ جس دیانت داری اور احتیاط سے وہ اپنے ماخذ کو استعمال کرتے تھے، اس کا اندازہ ان جملوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"در تصحیح نقل و حوالہ باصل مہما امکن تقصیر از خود راضی نشدہ و مہمل نگذاشتہ یارب بہ سہو و نسیان در جائے وقوع یافتہ باشد و در روایت احادیث و نقل مسائل از طریقۂ احتیاط و دائرہ دیانت بیروں نیامدہ و قطعاً براہ خیانت و مسائلہ

نرفتہ وباین وسیلہ اُمیدوار است کہ بسمت قبول درگاہ ورضائے حضرت اللہ موسوم گردوان شاءاللہ تعالیٰ"[۱]

مدارج النبوۃ میں حضور سرور کائنات کی مکمل تصویر پیش کرنے کے لیے جو کاوش اُنھوں نے کی ہے اس کا اندازہ صرف اس کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جہاں اُن کی نظر نہ پہنچی ہو اور جس پر انھوں نے محققانہ روشنی نہ ڈالی ہو۔ اخبار الاخیار میں جب علماء و صوفیہ کا احوال لکھتے ہیں تو ہندوستان کے قرون وسطیٰ کے سارے مذہبی لٹریچر کو حقیقت میں کھنگال ڈالتے ہیں جس بزرگ کا حال لکھتے ہیں اس کی تصانیف کا پہلے مطالعہ کر لیتے ہیں بعض اوقات کچھ اقتباسات بھی درج کرتے ہیں جو مصنف کے رجحان، اور طرز تحریر کو سمجھنے میں بے حد معاون ہوتے ہیں۔ اخبار الاخیار کی یہ خصوصیت کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ اس میں ہر بزرگ کو اس کے صحیح "سماجی مقام" پر جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کشف و کرامات کے قصوں سے شیخ محدثؒ نے کلیتہً پرہیز کیا ہے۔

شیخ محدثؒ کا یہ انداز تلاش و تحقیق اُن کے مکتوبات اور رسائل میں بھی جلوہ گر ہے۔ جس موضوع پر گفتگو کی ہے تلاش و تحقیق کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ مسئلہ سماع پر لکھتے ہیں تو اس طرح کہ شاید ہی کسی ہندی عالم کے قلم سے ایسی جامع چیز اس موضوع پر نکلی ہو۔

شیخ محدثؒ کو اپنے تحقیقی کام میں جس چیز سے سب سے زیادہ مدد ملی وہ اُن کا حافظہ تھا۔ جس چیز کو ایک مرتبہ دیکھ لیا وہ نقش کالحجر ہو گئی۔ حد یہ ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کو اپنے دودھ کا چھٹنا اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات

"فقیر را حالت انفطام خود کہ مدت عمر دو سال یا دو نیم خواہد بود آنچنان در خاطر است کہ گویا حکایت دی روز است"

---

[۱] شرح سفر السعادت ص ۵۰۴۔

باب نہم (۹)

شیخ محدثؒ کا طرزِ نگارش

شیخ عبدالحقؒ کا طرزِ نگارش ان کی شخصیت اور علمی خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔ اُن کی عبارت میں ایک عالمانہ وقار ہوتا ہے، وہ اپنے مضمون کی مناسبت سے زبان کا انتخاب کرتے ہیں۔ اُن کا زیادہ زور مواد کے فراہم کرنے پر ہوتا ہے لیکن طرزِ تحریر کو بھی وہ کبھی نظرانداز نہیں کرتے۔ جو کچھ لکھتے ہیں اس کی ترتیب اور صفائی قابلِ داد ہوتی ہے عربی کے الفاظ وہ کثرت سے استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا استعمال پڑھنے والے پر گراں نہیں گزرتا۔ ان کے عربی الفاظ، عبارت کی فارسیت کو ختم نہیں کرتے بلکہ اس کے زور اور وقار کو بڑھا دیتے ہیں۔

شیخ کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے میں کمال حاصل تھا۔ اُن کے ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ زبان اور خیال دونوں کو اس خوبی سے منتقل کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے۔

شیخ محدثؒ نے ہزاروں صفحات لکھے ہیں، اور ان ہزاروں صفحات پر ان کا طرزِ نگارش پختگی اور یکسانیت میں حیرت انگیز ہے۔ ان کی کسی تصنیف میں طرزِ تحریر کا سقم نکالنا محال ہے۔

شیخ محدثؒ کا ایک اور کمال یہ ہے کہ وہ کم از کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کر دیتے ہیں۔ تطویلِ بیان جو بسیار نویسی کا ایک حد تک لازمی نتیجہ ہے اُن کے یہاں

مثل نہیں پائی جاتی۔ اخبار الاخیار اُن کے اس اعجاز کی تصویر ہے۔ بعض لوگوں کی زندگی کا مکمل نقشہ اُنھوں نے چند الفاظ میں پیش کر دیا ہے۔

شیخ محدثؒ کا عقیدہ تھا کہ بغیر ذوق کے کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ فرماتے ہیں:

"بے ذوق چہ نویسد کہ رونق سخن در ذوق است"[۱]

یہ چیز ان کی تصانیف سے بھی ظاہر ہے۔ اُن کے مضامین میں "آمد" کی ایک عجیب شان نمایاں ہے اور یہ آمد ذوقِ سخن کا نتیجہ ہے لیکن اُن کے بعض مکتوبات اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہاں شیخ نے عمداً عبارت کو مشکل بنایا ہے اور "ستر و کتمان" سے کام لیا ہے۔

---

[۱] [illegible] ص ۲۱۴۔

تَعلِیقات

شیخ علی متقیؒ

شیخ علی بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خان المتقی القادری الشاذلی الچشتیؒ ۸۸۵ھ میں برہان پور میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد نے سات آٹھ سال کی عمر میں شاہ باجن چشتیؒ کا مرید کرادیا جب سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ عبد الحکیم بن شیخ باجنؒ سے خرقہ پہنا۔ پھر ملتان چلے گئے اور وہاں شیخ حسام الدین متقیؒ کی خدمت میں راہ سلوک طے کی اور تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا درس لیا۔ ملتان میں دو برس قیام کے بعد حرمین شریفین کی راہ لی، اور وہاں کے علماء حدیث کے سامنے زانوئے ادب طے کیا اور علوم دینیہ پر کامل عبور حاصل کیا۔ شیخ ابو الحسن بکریؒ سے خصوصاً استفادہ کیا۔ ان کی علمی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی اور عالم اسلامی سے طلبا ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، وہیں شیخ علی متقیؒ نے شاذلیہ سلسلہ میں شیخ محمد بن محمد بن السخاویؒ سے اور مدنیہ سلسلہ میں حضرت شیخ قطب الوقت نور الدین علی الحسن الشاذلیؒ سے بیعت کی۔ اور عرصہ تک مجاہدات وریاضات میں مشغول رہے

علم حدیث سے شیخ متقیؒ کو عشق تھا۔ آخری دم تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی کی مشہور کتاب جمع الجوامع پر نظر ثانی فرمائی اور مکرر احادیث کو علیحدہ کر کر اس کا انتخاب مرتب کیا جس سے جمع الجوامع کی افادیت میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ شیخ ابو الحسن بکریؒ فرمایا کرتے تھے:

للسیوطی منۃ علی العالمین وللمتقی منۃ علیہ

یعنی سیوطیؒ نے تمام عالم پر احسان کیا ہے اور متقیؒ نے سیوطیؒ پر

شیخ عبد الحق محدثؒ نے لکھا ہے:

"تصانیف و توالیف ئے از صغیر و کبیر و عربی و فارسی از صد متجاوز است"
اوران کی دو کتابوں (۱) رسالہ تبیین الطریق (۲) حکم کبیر کا ذکر کیا ہے۔ شیخ متقیؒ کی مندرجہ ذیل کتابیں دستیاب ہوتی ہیں :-

(۱) شئون المنزلات (قلمی نسخہ انڈیا آفس ۱۱۵۲)
(۲) کنز العمال (قلمی نسخہ بانکی پور ۳۲۷ و آصفیہ ۶۶۰)
(۳) منہج العمال (قلمی نسخہ بانکی پور و آصفیہ)
(۴) الاکمال المنہج العمال (قلمی نسخہ ترکی)
(۵) منتخب کنز العمال (مطبوعہ مصر، برحاشیہ مسند امام حنبلؒ)
(۶) الفصول شرح جامع الاصول (قلمی نسخہ بانکی پور
(۷) شمائل النبی (قلمی نسخہ علی گڈھ)
(۸) البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان (قلمی نسخہ دہلی، آصفیہ)
(۹) العنوان فی سلوک النسوان (قلمی نسخہ مصر)
(۱۰) البرہان الجلی فی معرفۃ الولی (قلمی نسخہ برلن)
(۱۱) المواہب العلیہ فی الجمع بین الحکم القرآنیہ والحدیثیہ (قلمی نسخہ مصر)
(۱۲) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم (قلمی نسخ رامپور، علی گڈھ، آصفیہ)
(۱۳) تبویب شرح الحکم العطائیہ المسمیٰ بالتنبیہ (قلمی نسخ انڈیا آفس، بنگال وغیرہ)
(۱۴) زاد الطالبین (بانکی پور)
(۱۵) اسرار العارفین (بانکی پور)
(۱۶) نعم المعیار والمقیاس لمعرفۃ مراتب الناس
(۱۷) نعم الجواد۔ (آصفیہ)
(نظم الدرر۔ (آصفیہ و بنگال)

شیخ علی متقیؒ نے ۹۷۵ھ میں مکہ معظمہ میں وصال فرمایا۔ "متابعۃ نبی" اور "شیخ مکہ"
۹۷۵ھ ۹۷۵ھ
سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شیخ علی متقیؒ کا حال مندرجہ ذیل کتب میں ملتا ہے:

(۱) زاد المتقین: شیخ عبدالحق محدثؒ

(۲) اخبار الاخیار: شیخ محدثؒ۔ ص ۲۶۱-۲۴۹

(۳) اشعۃ اللمعات: جلد ثالث ص ۳۱۶-۳۱۷۔

(۴) گلزار ابرار: محمد غوثی ص ۴۰۲-۴۰۳

(۵) مآثر الکرام: آزاد بلگرامی ص ۱۹۲-۱۹۳

(۶) سفینۃ الاولیاء: دارا شکوہ ص ۱۹۱-۱۹۲

(۷) ابجد العلوم: نواب صدیق حسن ص ۸۹۵

(۸) سبحۃ المرجان: آزاد بلگرامی ص ۴۳۔

مکتوب شیخ عبدالحق رح

بنام

حضرت مجدد الف ثانی رح

شیخ محدث رح کا یہ طویل مکتوب مولانا غلام معین الدین عبداللہ نے اپنی تالیف معارج الولایت میں نقل کیا ہے۔ معارج الولایت کا ایک نسخہ خاکسار کے پاس ہے، جس کا سنہ کتابت ۱۲۸۸ھ ہے۔ معارج الولایت ۱۰۹۴ھ کی تصنیف ہے اور بعض اعتبار سے بیحد اہم ہے۔ مؤلف نے بعض اہم مکتوبات اور فتاویٰ اس میں تمام و کمال نقل کر دیئے ہیں جو اب کسی دوسری جگہ دستیاب نہیں ہوتے۔ مثلاً مجدد صاحب کے بعض خیالات پر علمائے ہند نے جو فتویٰ دیا تھا وہ اس کتاب میں مکمل درج ہے۔

یہ مکتوب شیخ مجدد رح اور شیخ محدث رح کے تعلقات کو سمجھنے میں بے حد مدد دیتا ہے۔ شیخ محدث رح نے مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے اُن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جس شخص نے مجدد صاحب پر یہ اعتراض کیے ہیں اس کو اُن سے جو محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔

"ایں مقدار کہ مرا بشما نسبت محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد سید الاولین والآخرین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، ھداۃ طریق الحق ومحیی علوم الدین، اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا و

ارزقنا اجتنابہا ایہا الشیخ العالم الفاضل العارف الذی اجتباہ الیہ وخصہ بفضلہ واعطاہ من المعارف مالم یعط غیرہ من العارفین کما ھو تحرفوا فی نفسہ واللہ اعلم بالمتقین فان خصہ اللہ بالاجتباء فنحن نرجوان یھدینا الیہ کما یھدی المتقین، قال انہ تبارک وتعالیٰ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب والعاقبۃ بالخیر۔

دردِ دل دارم بسے از خوئے آں زیبا نگار　　فرصتے یا رب کہ دل راپیش وے خالی کنم

سالہا است کہ بعضے از کلمات ومکالمات کہ در مکتوب شریف مذکور است، واز قبیل موہمات ومہمات است می خواہد کہ استفسار کند، واستکشاف نماید میسر نشد خواہ ملاحظہ خاطر اشرف کہ در غایۂ نزاکت است، وخواہ بجہت گفت وگوی مریداں ایشاں کہ در نقل اقوال وذکر حکایات بیصرفہ وبے احتیاط۔

تفصیل این حکایات آنکہ ایشاں بعد از آنکہ در خدمت خواجہ محمد باقی[1] افتادند واز صحبت شریف ایشاں استفادہ این نسبت کردند، ورو بترقی نہادند در حیات وبعد از وفات ایشاں از حالات وکمالات خود خبر دادن گرفتند، زیادہ از حد حصر وقیاس، چنانکہ وچندانکہ مردم حیراں شدند وچہ جائے حیرت است واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ وچوں در ضمن تنقیص وتخطیہ بزرگانے کہ اتفاق بر بزرگی ایشاں مثل سید الطائفہ جنید بغدادی[2] وسلطان العارفین بایزید بسطامی[3] وامثال ایشاں بودند گفتہ اند ایں بیچارہا حقیقت کار در نیافتہ وباصل نرسیدہ، وگرفتار ظل ماندہ اند، وامثال آں وادعائے آنکہ آنچہ ایشاں را دادہ اند ہیچ کس را ندادہ اند موجب

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو، زبدۃ المقامات (مطبوعہ نول کشور) نیز کلمات طیبات (ملفوظات خواجہ باقی باللہ)

[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو نفحات الانس (مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۴ھ) ص ۵۲-۵۴

[3] ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۸-۳۹۔

وحشت مردم شد بیش از غوغا ہمردم بر سر آں بود کہ از ایشاں بخواجہ کہ پیر و مربی ایشاں بودند تقصیرہا در رعایت ادب مریدے و حق نعمت شناسی سر بر زد، اگرچہ باین اصطلاح این قوم ممکن است کہ مریدے در کمال از پیر درگذرد، ولیکن در رعایت ادب و بندگی و نیازمندی و فروتنی و حق شناسی باقیست، شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کہ در کشف تحقیقات معاملات و وقائع آیتے بود، و معلوم می شود کہ دریں باب از پیراں خو د گذرانیدہ است، می گوید کہ اگر سر من باسماں ساید ہنوز خاک آستانہ شیخ عبدالرحمن اسفرائنی و شیخ علی بالا باشد۔ بیت

بلند مرتبہ زیں خاک آستاں شدہ ام

غبار کوئے توام گر بر آسماں شدہ ام

دیگے ازاں کہ بسے خطرناک از رعایت مقام ادب دور است آن است کہ در باب حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ گفتہ اند کہ کثرت ظہور کرامات از ایشاں ازاں جہت بود کہ نزول ایشاں ناقص بود، و آنکہ در بعضے مکتوبات نوشتہ اند کہ کارم کہ حکمت پیدا کردن من آنست کہ تا کمال ابراہیمی و محمدی یکجا جمع شود، اشد و اعظم است از ہمہ و آں شخص کہ در ترکیب وجود من بقیہ از طینت آنحضرت جوہریست یا خمیر مایہ ایست کہ وجود حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازاں ترکیب یافتہ است، چنانچہ نخل از بقیہ طینت آدم است و جائے دیگر گفتہ اند کہ متابعۃ پنج مرتبہ است، وہمہ مراتب مارا حاصل است و گفتہ اند کہ ہمہ کمالات محمدی بے تفاوۃ در ذات من حاصل، لیکن بہ تبع و طفیل است، مردے ثقہ از ایشاں شنید، آں شخص گفت کہ ازاینجا مزیت شما لازم می آید، جواب دادند کہ آنجا بالاصالۃ است، و ایں جا بطفیل، دیگے از یاراں ایشاں گفت کہ مقام خود را فوق مقام انبیاء دانم، و ایں توجیہ کہ موجب اثبات و تصحیح آں باشد کردہ اند، و در جائے تجلی محمدی و احمدی گفتہ اند و دورہ الف با مجدد الف گفتہ اند، و امثال ایں

کلمات در مکتوبات ایشان مذکور است و این ہمہ را می گذرانیدم تا نوبت این مکتوب رسید،
کہ باعث نفرت و وحشت گردید، گفتہ اند ہم مرید اللہ ام و ہم مراد اللہ و سلسلہ ارادت
من بے واسطہ باللہ تعالیٰ متعلق است، و ید من نائب ید اللہ است، سبحانہ، اگرچہ
ارادۃ من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بواسطہ کثرت است، در طریقہ نقشبندیہ
بہ بست و یک واسطہ در میان است، و در طریقہ قادریہ بہ بست و پنج، و در طریقہ چشتیہ
بہ بست و ہفت، و ارادۃ تاکید و سائط نمی کند، پس من ہم مرید رسول اللہ ام و ہم ہمہ پیس
رواد بر خوان این دولت ہر چند طفیلی ام، ناخواندہ نیامدہ ام، و ہر چند تابع ام، اما از اصالت
بے بہرہ نیم، ہر چند امتم اما شریک دولتم، نہ شرکتے کہ از و دعوٰئے ہمسری خیزد، کہ آں
کفر است، بلکہ شرکت خادم است با مخدوم تا نطلبیدہ اند، بر سفرہ اہل دولت حاضر
نیامدہ ام، و تا نخواستہ دست بایں دولت دراز نکردہ ام، ہر چند اویسیم اما مربی حاضر و
ناظر دارم، و ہر چند در طریقہ نقشبندیہ پیر من عبد الباقی است اما متکفل تربیت من اللہ
باقی است، من بفضل تربیت یافتہ ام، و براہ اجتبا رفتہ سلسلہ من سلسلہ رحمانیست کہ
من عبد الرحمٰن ام، چہ رب من رحمان است، و مربی من ارحم الراحمین است و طریقہ
من سبحانی است، کہ از راہ تنزیہ رفتہ ام، و از اسم و صفت جز ذات اقدس نخواستہ
ام، این سبحانے نہ آں سبحانیست کہ بسطامی بآں قائل گشتہ کہ آنرا ازیں مساس نیست
و آں از دائرہ نفس برآمدہ و ایں از ماورائے نفس و آفاق است، و آں تشبیہے است کہ
لباس تنزیہی است کرکردی از دامن تشبیہ بوے نرسیدہ، و آں از سر چشمہ سکر جوش زدہ
و از عین صحو برآمدہ ارحم الراحمین در حق من اسباب تربیت را غیر از معدات نداشتہ
است، و علۃ فاعلی در تربیت من غیر از فضل خود را نساختہ، از کمال کرم و اہتمام د
غیرتے کہ وے سبحانہ و تعالیٰ و تقدس در حق من دارد، تجویز نہ فرماید کہ فعل دیگرے را
در حق مدخلے باشد، یا من بدیگرے دریں باب متوجہ گردم، مربانی الٰہی ام جلشانہ د

مجتبیٰ فضل وکرم لاتناہی وتعالیٰ وتقدس انتہیٰ سبحان اللہ ولہ العظمۃ والکبریاء، ایں چہ سخناں وایں چہ کلمات است وایں چہ سلطنت وسطوات وایں خطبہ خوانی وثناگستری نفس است، اللہ اکبر درویشی شکستگی وخاکساری وادب وتواضع وکم زدنی نفس است حضرت خواجہ محمد پارسا[1] رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ درآخر رسالہ قدسیہ بایں رباعی وصیت کردہ اند۔ رباعی:

اندر رہ حق جملہ ادب باید بود　　تاجان باقی است درطلب باید بود

درہردم گر ہزار دریا بکشی　　کم باید بود خشک لب باید بود

وقال بعض العرفاء حقیقۃ الطریقۃ ان یکون مفصلاً وان یکون طالباً للبلایا ومتی ظننت انک وصلت وما ظننت انک ظفرت وما ظفرت وما ظننت انک یحصل لک حال لاحال لک حال۔ سالکاں ایں راہ ومقبولان درگاہ ہمہ ناظر دریں است، نعم از بعض اقطاب فخر ومباہات براہل زماں خود بوقوع آمدہ است واز مقام ومرتبہ خود خبر دادہ اند، وگویند کہ آں بامر پروردگار است نہ بطریق دیگر ونفسانیہ شاہد کہ دریں جائے ازیں قبیل خواہد بود، واللہ اعلم بالصواب، اما نسبت باقران و شرکا گفتہ، نہ نسبت بحضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات و بعضے از کبرائے مشائخ گفتہ اند اما ما رانی الا رسول اللہ وحضرت غوث الثقلین لیس علی منۃ الا للہ ورسولہ ایں درست است، اما آنکہ گوید، درقرب ووصول ما درمقامے رسیدہ ایم کہ ہیچ کس را واسطہ نیست، وہیچ یکے را دخلے نیست نہ رسول و نہ غیر وے را واگر واسطہ بودند وشنا سلوک بودند، وحالانکہ سلوک تمام شد، وقرب درگاہ حاصل گشت، ووصول بحصول پیوست ہیچکس واسطہ نیست، ہمہ منقطع شدہ بلکہ من مربای النبی ام ومجتبای ادیم وفعل دیگرے را درحق من دخلے نیست، و بدیگرے

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو، رشحات (مطبع نول کشور ۱۹۱۲ء)

دریں معنی متوجہ نہ آں دیگر کدام است رسول خدا حاشا وکلا سبحان اللہ ہیچ کس با رسولِ خدا ایں چنیں درمی افتد وگستاخی می کند ومی گوید کہ من ہمسر محمد رسول اللہ ام، در وقتے مرید وے بودم، الآن مرید خدایم بیواسطہ وے در قربے کہ من با خدا دارم دے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را واسطہ نیست، واز خلوتے کہ من با خدا دارم وے بیرونست باید دریافت کہ مضمون ایں سخناں چیست، وازیں جا چہ لازم می آید ہیچ شیخے وعارفے بایں طرز سخن گفتہ و دعوی کردہ است، ہمانا کہ با ولیائے خدا درافتادہ بود بس نبود تا تو بپیغمبر خدا رسید بعد ازاں نمی دانم تا بکجا خواہد کشید، وگفتہ اگرچہ امتم اما شریک دولتم در منقبت وکمالات وفضیلت واگر در تعمق نظر نمایند ایں معنی مفہوم میگردد کہ در وقتے امت تابع بودم کہ درسلوک طریق قرب متابعت وپس روے میکردم، چوں مقرب درگاہ حق شدم، مرید وے تعالی گشتم وشریک او شدم، سبحان اللہ درراہ خدا امت با پیغمبر شریک می باشد، خصوصاً با محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ مہتر وبہتر پیغمبران ست، وعجب کہ وجود شرکت گفتہ بشرکتے کہ ازاں دعوی ہمسری خیزد کہ آں کفراست، دیگر شرکت کدام ست کہ ازاں ہمسری نہ خیزد معنی شرکت وہمسری یکے است، نزدیک بترادف یا مثلاً زمان متساویان اند وآنکہ گفتہ اند بلکہ شرکتہ خادم با مخدوم است یعنی اگرچہ ایں خادم چیزے ازخانہ خود نیاوردہ، وہرچہ دارد از مخدوم دارد، ولیکن ہرچہ مخدوم داشت بوے داد، شریک خود ہیچو خود گردانید، ایں ہرگز بوجود نمی آید، مخدوم بخادم چیزے میدہد کہ مناسب حال وے باشد، ومخدوم خادماں بسیار دارد، بہر کدام بخشش وے میدہد، چنانکہ ذکر آتش درکلام ایشاں بسیار، در بیان ایں معنی واقع شدہ است، واز آتش دادن لازم نمی آید کہ ہرچہ درخانہ داشت داد، بلکہ آنچہ درخور اوست می دہد وخود دریں مطالب علیہ چہ گنجائش ایں تمثیلات وتقریرات مقرر است، دعوئے مساوات با انبیا خصوصاً با سید انبیا صلوات اللہ

وسلامہ علیہم باطل است، و تفرقہ و تفصیل باعتبار خادمی و مخدومی و اصالۃ و فرعۃ نیز باطل است، و عاطل، و کلام دریں مسئلہ نیامد و از زبان بعضے مہدویہ کہ باتفاق فرقہ خلافت اند شنیدہ است کہ در اعتقاد سید محمد جونپوری کہ مبدا و منشاء محل و مقر ضلالت ایشاں است، میگفتند کہ ہر کمالے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داشت در سید محمد نیز بودہ فرق است کہ آنجا باصالۃ بود و ایں جا بہ تبعیت رسول بجائے رسیدہ کہ ہمچو او شدہ، و ایں بعینہ مقول ایشاں است، و چنیں شنیدہ میشود کہ شیعہ نیز در شان ائمہ عشرہ رضی اللہ عنہم می گویند کہ ایشاں تلامیذ اند پیغمبر علیہ السلام بمرتبہ استاد رسیدہ، و بہر تقدیر خادم حق نعمت شناخت و نزد مخدوم جز بہ بندگی و نیاز دم نزد، و دعوی مساوات نہ کرد ع

اے ایاز آں پوستیں را دار پاس

و مثال ایں خادم با ایں مخدوم کہ دم برابری میزند و گستاخی میکند حال آں غلام آن است کہ ہمراہ خواجہ کہ مقرب درگاہ سلطان بود، در مجلس سلطان رفت، پس خواجہ بمجلس قرب نشست و غلام نیز آں جا ایستاد، و چوں خود را در مجلس بادشاہ و خواجہ یکجا دید بنازید و مغرور گشت، و از بیخردی و بیتابی کہ رسم غلاماں است خود را گم کرد و با خواجہ شریک و برابر گرفت، و گفت من ہم بندہ بادشاہ و مقرب اویم، و ندانست کہ ہیچ نکتہ نخست نزدیک سلوک طریق قرب و وصول بوساطت و طفیل خواجہ بہ مجلس بادشاہ رسید، و وے واسطہ بود، الآں قرب و وصول کہ حاصل شدہ است، نیز واسطہ است، و لیکن از غایت غرور و بیخردی و کم فکری وجو وساطۃ از نظر وے ساقط شدہ و در حیطہ کفران نعمت افتادہ، شیخ بو سلامۃ دریں سخن تامل کنید کہ از قول ایشاں کہ انکار کہ حکمت در پیدا کردن من آنست کہ کمال ابراہیمی و محمدی جمع شود، چہ مفہوم میشود و چہ

لہ حالات کے لیے ملاحظہ ہو سیرت امام محمدی مولفہ شاہ میاں عبد الرحمٰن (مطبع ابراہیمیہ حیدر آباد)

لازم می آید، این جا ہمیں جواب بخادمی و مخدومی دادہ اند، این سخن ہیچ فائدہ ندارد جز فرق بہ تبعیت و اصالۃ، امّا دعویٰ ہمسری و برابری از خادم و تابع نامقبول و نامناسب تراست، عجب آنکہ فرمودہ اند کہ برخوان این دولت ہرچند طفیلی ام اما ناخواندہ نیامدہ ام، ہرچند تابعم از اصالۃ بے بہرہ نیم، این چہ معنی دارد، طفیلی خود ہماں کس را گویند کہ ناخواندہ بیاید و تبعیت ضد اصالۃ است، اجتماع ضدین محال، و اگر گویند بوجہے تابعم و بوجہے اصل این معنی و محصلی ندارد مگر آنکہ نخست در وقت سلوک پیر و مرید بودم، اکنوں بعد از وصول بمرتبہ اصالۃ رسیدہ ام و پیرو مرید تو دم، و ہمہ وسائل و وسائط کو بودند ساقط شدند، و از میان بدر رفتند، چنانکہ اسباب تربیت خود بمعدات تشبیہ دادہ، پس از یں محمد رسول اللہ را مریدگی از خاصان درگاہ وے بودم، اکنوں خدایم بیواسطہ و ارادہ من باللہ تعالیٰ قبول وسائط نمی کند، و ارادہ من باللہ تعالیٰ است، پس من ہم مرید محمد رسول اللہ ام باعتبار سابق ہمسرہ ادیم، بحکم حال تعالیٰ اللہ از تصور این معنی و تکلم باین کلام موئے بر بدن اعتقاد و اخلاص مسلمانی می خیزد، و بخدا سوگند بس عظیم است این کلام و بغایت شنیع است، این مرام راہ راست کہ اعتقاد کنند، و بگویند کہ ہمہ مریداں حضرت رسول اللہ اند و رسول اللہ مرید خدا است، و از حق فیض میگیرد و بخلق میرساند معنی نبوت و رسالت این است، و ہیچ کس را بیواسطہ وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راہ نیست، بسوئے خدا و در درگاہ وے جائے نخواہ، در وقت سلوک یا بعد از وصول دیگر سلسلہ در ارادۃ اللہ بے توسط غیر لیست، عجب واقع شدہ است اطلاق سلسلہ در جائے مناسب است کہ بوسائط باشد، ظاہراً سہو قلم است یا بطریق مشاکلۃ است، این سخن طالب علمی است والامر فی ذلک سھل و گفتہ اند ید من نائب یداللہ این فروع و نتیجہ ارادۃ اللہ است، چہ ید مرید نائب پیر

می باشد، اما یلوح می افتد، بقول حق سبحانہ ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله الآیۃ واین بحقیقت وقتی راست آید کہ بروے اثر ما رمیت اذ رمیت و لکن الله رمیٰ، مرتب گردد کہ بیک مشت خاک لشکر را منہدم گرداند، وے حکایۃ زبانی بیش نیست، اکنوں بمعارف وحقائق کہ در تحقیق ایں دعاوی نوشتہ آید، دست زدہ ایں خلجانات وشبہات کنم، ومن الله الاستعانت والتوفیق نوشتہ آید کہ سیر مرادی مریدی امریست کہ بوجدان پیر تعلق دارد، پس حجۃ و برہان بر اثبات گنجائش ندارد، ایں جاکس چہ سخن کند کہ راہ سخن بر بستند لیکن ہر چیز را حجت و برہان باید، ہیچ چیز بے حجت و برہان معقول ومقبول نمی افتد۔ مرادان ومحبوبان خود را در اصطلاح قوم ہماں کساں اند کہ نخست ایشاں را جذب می نماید، و بدرگاہ میکشد، بعد ازاں توفیق سیر دادہ واصل می سازند، کہ معنی مجذوب سالک است، ومریداں را آنکہ ایشاں را بعد از سلوک می کشد، وایشاں را سالک مجذوب میگویند، اما ایں ہم می باشد کہ صاحب سیر مرادی بجائے میرسد کہ در ارادہ او بحق وقرب ووصول بجناب قدس وے الله تعالیٰ وساط حضرت سید المرسلین سلطان محبوبین صلی الله علیہ وآلہ وسلم سقوط می پذیرد، و برمی افتد، و در جمیع کمالات برابر سید المرسلینؑ می باشد، ودعویٰ شرکت وہمسری و برابری میکند، وجامع کمالات ابراہیمی ومحمدی می گردد، وصاحب ایں سیر ہمسرہ محمد رسول الله میگردد، ومی گوید کہ ہم چنانکہ آنحضرت مرید خدا است بیواسطہ من ہم مرید خدایم، بیواسطہ وآنکہ نوشتہ کہ کسے را حق سبحانہ قوۃ قدسیہ دادہ اگر در احوال واوضاع صاحب آں سیر نیک ملاحظہ نماید، وفیوض و برکات علوم ومعارف الٰہی جل شانہ کہ او بآں ممتاز ست، مشاہدہ کند تواند۔ حکم سری مراد او دارد، وہیچ محتاج بدلیل نیست، سخن عجبی این است یعنی شما ایں مقدار ادراک وشعور ندارید کہ اوضاع واحوال دجال وکمال مارا ملاحظہ نمایند، وفیوض و برکات وعلوم ومعارف

ما کہ برآں منفرد و ممتازیم مشاہدہ کنید و سیر مرادی ما حکم کنید، دیگر دلیل چہ حاجت است، ازیں جا آں سخن یاد می آید کہ یکباری از ہمیں یاراں یکے بخدمت ایشاں نوشتہ بود کہ عجب است کہ باوجود عظمت و جلالت و مرتبت کرامات از شما ظاہر نمی شود، در جواب او نوشتند کہ کدام کرامت بالاتر ازیں معارف و حقائق باشد کہ ما بیان کنیم و بر ما وارد میگردد، و دیگر آنرا طاقت بیان آں نیست، معجزہ حضرت رسول اللہ نیز سخن بود کہ بمرتبۂ اعجاز رسیدہ بود، او حکما قلتم مرضی ہذا آمدیم بمقصود کہ در امتیاز شما بہ بیان علوم و معارف نیست، لیکن غایۃ آنچہ ظاہر میگردد ازاں آں ست کہ شما را عالم و فاضل و ماہر و دانشور و سخنداں دانیم، بلکہ عارف و مکاشف ہم گوئیم، اما آنرا از کجا معلوم کنم کہ شما بسیر مرادی بمرتبہ رسیدہ اند کہ وساطت حضرت سید المرسلین و سید کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم در میان شما و خدائے عزوجل نماندہ است تا آنکہ ہمسرو ہم سیر ہیائے آنحضرتؐ شدہ دید، ایں معنی لازم سیر مرادی نیست، و احوال و اوضاع و علوم و معارف متصور ست کہ بیجا خطا واقع شود، عصمت مخصوص انبیا راست صلوٰت اللہ علیہم و خطا در کشف باتفاق اہل کشف جائز است و ملا زمان کہ خطاہا بر شیخ ابن عربی[1] ثابت کردہ اند، از ہمیں عالم است کہ باوجود ایں حقائق و معارف کہ شیخ دارد خطاہا کردہ است، و آنکہ نوشتہ اند کہ خواجہ ما قدس سرہٗ در اوائل حال سیر ایں فقیر را سیر مرادی مقرر فرمودہ اند حضرت خواجہ اثبات شما بسیار میکردند، و کساں واقف اند برآں و بیشتر از ہمہ ایں فقیر اگر آں در قید حیوۃ صوری می بودند، یقین است کہ بایں سخناں راضی نمی شدند و ہیچ کس بایں راضی نخواہد شد، امید داریم کہ شما ہم در باطن راضی نخواہید شد، واللہ اعلم۔ و عبادت در اوائل نشانہائے ایں دریافتہ باشد۔ بعد ازاں حال متغیر شدہ باشد واللہ محول الاحوال ہو

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ Mystical Philosophy of Muhiuddin Ibn ul Arabi, A.E. Affifi

ما یشاء و یثبت، مقصود شما چوں آنست کہ در ابتدائے حال ایں حکم میگرداند در انتہائے خود چہ خواہد بود، مسلم سیر مرادی و مقام ابتدا رشما را حاصل است، اما آنکہ سیر مرادی ایں نتیجہ می آرد کہ با حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایں معاملہ دست داد و ایں چنیں در برابری افتادند کہ ایشاں از میاں ساقط شدند، و واسطہ نماند فسخ است، بازہماں کہ مذکور شد پیش می آید، دیگر رمی شود و نوشتہ اند کہ اجتبا مخصوص نیست بانبیا علیہم السلام و ہمچنیں باش کہ اگرچہ در آیات قرآنی اجتبا بہمہ جا نسبت بانبیا علیہم السلام واقع شدہ است، قولہ تعالیٰ ولکن اللہ یجتبی من رسلہ ما یشاء فاٰمنوا باللہ و رسلہ و بعد از ذکر انبیاء فرمودہ است اجتبٰھم و ھدیٰھم الی صراط مستقیم و حقیقت آنست کہ معنی اجتبا برگزیدن است۔ حق تعالیٰ برمیگزیند۔ انبیاء را بے سابقہ کسب و سلوک و اولیاء را بکسب و ریاضت و اتباع انبیاء، و ایں جا آں اجتبا نیست کہ در انبیاء است۔ و آں این ست بغیر قول حق سبحانہ اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب۔ پس وجہ مباہات نیست مگر عدم توسط چنانکہ ادعا کردہ اند، و بیان آں باید قولکم وصول فیوض مر سالک را بتوسط و حیلولہ خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام تا زمانی است کہ حقیقت سالک بحقیقت محمدی کہ جامع جمیع حقائق است، و آنرا حقیقۃ الحقایق گویند منطبق نگشتہ است، و باں متحد نشدہ، چوں بکمال متابعت ملک محض بفضل اللہ ایں حقیقت را باں حقیقت اتحادی حاصل گشت توسط برخاست چہ توسط و حیلولہ در مغائرہ است، انتہیٰ اتحاد حقیقت سالک با حقیقت محمدی کہ حقیقۃ الحقائق است چہ معنی دارد، چہ صورت ایں سخن از مقام ادب و انصاف دور است، و گستاخی صریح و گزاف فضیح و با قطع نظر از حکم عقل دو چیز دیکے شدن آنہا ہرچند جزو کل و جزی کلی باشند از قبیل محالاتست، لازم می آید کہ حقیقت ہر سالکے کہ بایں مرتبہ و مقام برسد حقیقۃ الحقائق گردد، و ذلک ظاہر البطلان پس اگر از اہل حقیقت کسے ایں اطلاق کردہ باشد و حکم باتحاد بودن معنیش فنا در دغیبۃ از خود در حضور وے خواہد بود

بجہت کمال متابعت وغلبۂ محبت چنانکہ فنا فی الشیخ میگویند، وخود شیخ تمام عالم وپیر جملہ بنی آدم وجہۂ تمام کائنات وقبلۂ موجودات اوست، علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات ہمچنانکہ اتحاد بذات مطلق الٰہی راتفسیر کردہ اند، باستغراق در ہستی حق کذا فی الفقرات چوں اتحاد اعتباری وحکمی بامغائرۃ حقیقی ونفس الامری منافات نخواہد داشت، و منافی وساطت وحیلولہ نخواہد بود وخود تعین وتشخص حقیقت سالک وجزئیہ او باقی است چنانچہ اہل فنا، وتوحیدی گویند۔ بیت

تو او نشوی ولیکن ار جہد کنی جائے برسی کز تو توی برخیزد

یعنی آں توی واوئی کہ بیش از فنا وگم شدن بود در وے بود، بلکہ ہمیں گم شدن فانی گشتن ورروئے قرب وصول بحق است بوساطت وے پس ایں اتحاد وانطباق کہ حاصل گشتہ است، اگرچہ ایں واصل بجہت غلبۂ بیخودی وفنا دریافت ایں وساط نمی تواند کرد، حقیقت محمدی را عارفاں واسطہ میدانند ومی یابند، دروحوادث تمامہ اشیاء وصفات وکمالات از جواہر واعراض کہ وصول بحق وشہود وے نزا از آں جملہ ست، چہ آنہا کہ بآں حقیقت رسیدہ، وور دے فانی گشتہ وحکم اتحاد گرفتہ، وچہ غیر آں بلکہ توسط نسبت لطائف ولی ودریافت آں نسبت اقرب واظہر باشد، وایں سخن دقیق است واللہ الہادی تو لکم آنجا کہ اتحاد است معاملہ شرکت است ایں نیز خالی از غرابتی نیست، چہ شرکت دوئی رامی طلبد، وشریک در امرے دوکس باشند وحقیقۃ اتحاد خود اصلاً بشرکۃ جمع نمی شود یعنی فنا وغیبت نیز کہ اتحاد حکمی است وفانی وغائب از میاں رفت وحکم فنا گرفت، شرکۃ از دے چہ صورت دارد، توسط را گفتند کہ دوئی می طلبید، شرکت ہمچنیں است تو لکم اماچوں سالک تابع والحاقی است وطفیلی از قبیل شرکت خادم بود از مخدوم وایں سخن ہیچ محصلی ندارد، واگر ایں خادم با مخدوم شریک است در جمیع صفات وتمام جہات پس برابری وہمسری محذور لازم وتفاوت اہم خادم ومخدوم

چہ فائدہ دارد، اگر نیست اتحاد چہ معنی دارد۔ ایں سخن خادمے و مخدومے در کلام ایشاں بسیار
واقع شدہ، در اجتماع کمالات ابراہیمی و محمدی نیز گفتہ اند و ایں را گریز گاہ ساختہ اند، اما
فائدہ ندارد۔ و نوشتہ اند کہ مرا در بدایت حال بحضرت کائنات محبت خاص پیدا شدہ کہ در
غلبات آں محبت می گفتم کہ محبت من بحق سبحانہ از آں جہۃ است کہ وے رب محمد است
ایں سخن در ظاہر سعید و باعث تعجب است، اما معنی راست و درست ندارد۔ زیرا کہ
محبت منعم جبلی است۔ و ہمہ نعمتہا بوسیلہ و ساطۃ آں حضرت واصل پس محبت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اقرب و اعلیٰ اسباب محبت حق باشد، و محبت او باعین محبت حق مستلزم او است
و بحساب عقل شق ثانی اظہر است، اگر گویند کہ محبت او از جہۃ انعام محبت صفات است
و سخن در محبت ذاتی میرود، گویم کہ ایں نیز از جہۃ ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل
است، چنانکہ آنحضرت مظہر ذات خاص حق است تعالیٰ و تقدس محبت و انجذاب
بوے موجب محبت، و انجذاب حق خواہد بود، بر ہر تقدیر ایں سخن بسیار خوب و دلربا
است، و اعجبا کا شکے شمارا ہمیں بستہ، رفتہ رفتہ بجائے می کشید کہ در عشق محمدی والہ
و شیدا و فانی و مستہلک می گردانید، کہ مجال سر بالا کردن و دم زدن بایں نوع کلمات
مشعر برابری و یگانگی در حضرت وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمی ماند، چنانکہ در وصف
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آمدہ است، سنگریزہ در دہاں انداختہ و چشم بر جمال آں حضرت
دوختہ می نشست، و رابطہ محبت را نگاہ میداشت و دم نمی زد، و حال اکثر اصحاب
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمچنیں می بود کہ کانوا فی مجلسہ کان علی رؤسہم
الطیر و اشارۃ قول حق سبحانہ یاایھا الذین امنوالا ترفعوا اصواتکم فوق صوت
النبی الآیۃ ہمیں است۔ قولکم تا ایں قسم محبت شود نشود، الحاق و اتحاد بہماں معنی فنا و
غیبۃ و دوام توجہ و حضور و استغراق کہ لازم عشق مفرط و محبت صادق است نمعنی
دیگر قولکم طریقہ جذبہ را چوں کشش از جانب مطلوب است و عنایت الٰہی متکفل حال

طالب است، ناچار قبولی وسائط نمی کند، ودر طریق سلوک چوں انابت از جانب طالب است، در وجود وسائط چاره نبود، ایں عین مدعا است وسخن بے دلیل است' طریقۂ جذبہ ومرادی ومحبوبی چنانکہ سبق بیان رفت، زیادہ براں این است کہ لطف اللہ بندہ خود را پیش از انکہ طلب کند وسلوک نماید جذب می کند، وانجذاب ہم جمالی است کہ بداں سلوک آساں میگردد، واین منافات بوجود وسائط ندارد، بلکہ چوں جذبہ تنہا کار نمی آید وسلوک بے وسائط نمی باشد، لازم آید وجود وسائط چنانکہ مقرر قوم است وخود ہم گفتہ اند کہ در نفس جذبہ ہر چند وسائط در کار نیست، اما تمامی منوط بسلوک است اگر سلوک نباشد، جذبہ ناتمام وابتر است، اگر گویند کہ احتیاج در طریقہ جذبہ بسلوک ووسائط پیش از وصول است بعد از وصول برطرف می شود بخلاف طریقہ سلوک کہ آنجا بعد از وصول نیز واسطہ میماند، چنانکہ گفتہ اند کہ در طریقہ جذبہ اگر توسط متابعت شریعت کہ عبارت از سلوک است وصول بمطلوب می شود بے واسطہ حلول امری خواہد بود۔ گوئیم کہ چہ دلیل است بریں دعوی مفہوم جذبہ در حصول طریقہ وے خود مستفیض ایں نیست چنانکہ معلوم شد۔

مدعا دوم کہ در طریقہ سلوک از وسائط چارہ نبود، ما راکہ قابل بوجود و نور توسطیم مطلقاً دخل دراں نیست ولیکن بطریق بحث ومناظرہ گفتہ می شود کہ چرا آں ہم بعد از وصول بوجود وسائط برطرف نشود، چنانچہ بوجود جذب بعد از سلوک ملک ہم چنیں باید احوال ایشاں کہ خاصیت جذبہ عدم وسائط است وسقوط آنہا است ودر کلام شما نیز اشارہ باں واقع است۔ آنجا کہ گفتہ اند در طریق سلوک از شیوخ ہر کہ درمیان آمدہ است متوسط وحاجب منتہی وسالک است، واے اگر در آخر حال تدارک نماید یعنی وسائط از میان بندارد۔ حاصل آنکہ در طریق جذبہ، ووصول سلوک ہر دو پیش از وصول وسائط در کار است۔ واگر در طریقہ جذبہ بعد از وصول وسائط ساقط میگردد ودر طریق سلوک

می نماید محکم است چرا در ہر دو جا باقی نماند و چرا در ہر دو جا ساقط نگردد۔ سخن در ہیں جا ست
و اگر گویند ایں امر کشفی وجدانی نیست، بحث فائدہ ندارد۔ آں چیز دیگر است، اما شما مقید
باستدلال شدہ، و توجیہ نمودہ کہ چوں در طریقہ جذبہ کشش از جانب مطلوب است،
و عنایت الٰہی متکفل حال طالب است۔ ناچار قبول وسائط نمی کند۔ و در طریق
سلوک چوں انابت از جانب طالب است، از وجود وسائط چارہ نبود، و خود جذب
و سلوک بر ہر دو تقدیر است۔ فرق بتقدیم و تاخیر فائدہ ندارد۔ اگر گویند کہ مدعی و دلیل ہر
دو کشفی است، چنانکہ یکباری از شما شل ایں سخن شنیدہ است، ایں گریز گاہ خوب ست
و بعد ازاں در اثبات عدم توسط و تقدیر آں طرق دیگر بیان کردہ آید۔ اول وصول از
راہ معیت کہ حق را با بندہ است ناچار بے توسط امرے خواہد بود کہ متابعت معیت است
و اگر واسطہ است در سلسلہ ترتیب است، کہ عبارت از سلوک است و گفتہ اند کہ راہ
معیت یکے از طرق جذب است نہ از سلوک انتہیٰ۔

پوشیدہ نماند کہ ہرگاہ راہ معیت یکے از طرق جذبہ باشد کہ قرار یافت کہ در طریق
جذبہ از سلوک چارہ نیست۔ پس در طریق معیت برائے وصول نیز در کار خواہد بود۔ و
از وسائط ناگزیر و کلام در وے ہم چناں خواہد بود، کہ در طریق جذبہ گذشت۔ دیگر مثال
ظل باصل نمودہ اند کہ ایں ہم طریقے است، اگر عنایت الٰہی ظل را با اصل خود میلے
پیدا شود و کششے رو دہد، اگر داں ظل را باآں اصل وصول حاصل شود، ہر آئینہ بے
حیلولہ امرے خواہد بود۔ چوں آں اصل اسمے از اسماء الٰہی است۔ ناچار در میان اسم
و مسمیٰ او حائلے نخواہد بود۔ و وصول ظل ازیں راہ باصل الاصل کہ مسمیٰ آں اسم است
بے وسائط امرے خواہد بود۔ انتہیٰ۔

پوشیدہ نماند، ظاہر آنست کہ ایں نیز از طریق جذبہ خواہد بود۔ چنانکہ در طرق معیت
پس ایں نیز محتاج بسلوک خواہد بود۔ چنانکہ طریق جذبہ ایں جا نیز ہماں کلام است کہ

نجااست۔ دیگر کشش ظل با اصل مسلم واتصال اسمی نیز ہمچنیں، اما وصول ظل الاصل کہ
مسمی آں اسم است، چرا بواسطہ آں اسم نباشد۔ بل الامر کذلک قولکم ایضاً ہر کہ واصل
بذاتست بوصول بے خبری توسط امری درحق او مفقود است۔ وہرگاہ درصورت
وصول بحضرت ذات ممتانہ حیلولہ وحجابیت صفات واجبی مرتفع گردد، حیلولہ و
حجاب غیر ذات چہ گنجائش دارد۔ انتہیٰ

پوشیدہ نماند امرے مقرراست کہ صفات پردہ ذات است، کہ ہرگز نمی افتد،
اگر یک پردہ برخاست، پردہ دیگر نشیند، ذات را جز در پردہ صفات نمی تواں دید، و
شہود گردد دریافت بیکن صاحب شہود ذات را بجہتہ غلبہ انجذاب توجہ تام بسوے او
صفات ملحوظ ومنظور اونمی افتد، وبرہر تقدیر پردہ درمیان است۔ دریابد یا در نیابد۔
وفی الحدیث حجابہ النور ونعم النہی نور یکے از اسماء محمدیست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ و
اگر مراد نور ذات دارند کہ حجاب ذاتست، حجابیت نور محمدی باں مصدق۔ ونور علی
نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء خواہد بود، وباقطع نظر ازاں ایں طرف اورا
بوصول بیچونی نام گردید، اگر از طرف جذبہ درآید، چنانچہ ظاہراست دریں نیز ہماں
کلام می رود کہ در جذبہ گذشت از احتیاج بسلوک واگر طریق جذبہ نیست طریق سلوک
خود واسطہ ثابت است، اول وآخر وظاہراست کہ طریق توجہ الی اللہ وحضور
بادلی است، پہ مشغولان طریق ایں سلسلہ شریفہ رامی باشد ایں کار می کنند تا ملک
حضور وانجذاب باحدیث حق حاصل کنند۔ بعدازاں اگر توفیق سلوک یا بند حکم
مجذوب وسالک خواہد بود۔ وکلام در وے گذشت۔ ودریں مشغولی نفی واسقاط
جہات واعتبارات است۔ بتصفیہ لوح قلب ازنقوش ماسوی اللہ اگر مقصود
بیان ایں نسبت، وذکرایں حالت است، ایں خود ہمہ مشغولاں ایں بجیت رامیسر
علی قدر تفاوت احوالہم۔ چندیں ابتہاج وافتخار وذکر اعتباد شرکۃ واصالۃ ومرادی

مریدی وخادمی ومخدومی چیست۔ پس معلوم شد کہ مقصود چیزے دیگر است، وبیان مقام عالی تر ازاں است، ومقصود آنست کہ بیان کنند کہ خدائے تعالیٰ ما را بفضل خود بجائے رسانیدہ است کہ ہمہ اسباب وسائل وصول در حق ما حکم معدات گرفتہ وسقوط پذیرفتہ است، وحق تعالیٰ از کمال کرم واہتمام وغیرتے کہ در حق من دارد تجویز نمی فرماید، کہ فعل دیگرے را در حق من مدخل باشد، یا من بدیگرے دریں معنی متوجہ گردم، من مرید خدا ام وہمسر رسول۔ اینہا دریں مقصود چہ دخل دارد و چندیں توجیہات ومقدمات غریبہ در اثبات وتقریر آں برانگیختن چہ حاجت ودر حقیقت درصورت مشغول وتوجہ ذات نیز روح محمدی کہ محیط تمام مراتب وجودی وشہودی است وساریست در ذات وصفات واسطہ است اگرچہ مشاہدہ ازاں آگاہ نیست، بر مثال ضوء ورویت اشیاء بالجملہ باہر کسے کہ نورے وہدایتے وادراکے ودریافتے ہست، بواسطہ حقیقت محمدی است۔ بیت

ہر کجا نور است ساطع یا کمالے باہر است
پرتوے از آفتاب آں جمال افتادہ است

قولہم تحقیق ایں مقام آنست کہ توسط سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بدو معنی تواند بود۔ یکے آنکہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حائل وحاجب بود۔ درمیان سالک ودرمیان مطلوب ومعنی دوم آنست کہ سالک بفضل وے وبتوسطے وتبعیت ومتابعت وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمطلوب واصل گردد۔ در طریق سلوک وپیش از رسیدن بحقیقت محمدی توسط بہر دو معنی کائن است بلکہ می انگارم کہ دریں طریق از شیوخ ہر کہ درمیان آمدہ است، متوسط وحاجب شود، سالک آں است واگر در آخر حال جذبہ بتدارک آں نماید معاملہ بے پردہ کے نکشد، زیرا کہ در طریق جذبہ بعد از رسیدن بحقیقت الحقائق توسط بمعنی ثانی است کہ بطفیل وتبعیت است، نہ حیلولہ وحجاب کہ پردہ شہود گردد۔

ومشائخ طریقہ در توسط وعدم توسط آں سرور اختلافہا دارند جمعی توسط رفتہ اند و گروہے بعدم توسط۔ انتہی۔

پوشیدہ نماند کہ در توسط تبعیت وطفیل ہیچ کس را جائے سخن نیست متفق علیہ است وجمہور عرفائے محققین برآنند کہ توسط بمعنی حیلولۃ آنحضرت درمیان سالک ومشہود ومطلوب نیز ثابت است، وہیچ مشہود بے توسط روحانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نیست، وقول مخالف لایعبأ بہ است ناشی از کوتہ نظریست و ایشاں میگویند کہ توسط روحانیت آنحضرت در جمیع مراتب وجودی وشہودی و عیانی ومعانی وتمام عوالم جسمانی وروحانی ثابت است، وایں توسط داخل حجابے نیست کہ ازآں پردہ بر روے شہود نشیند، بلکہ موجب مزید انجلا، وانکشاف است در رنگ حیلولۃ عینک در ابصار عالم ظاہر، مثلاً وجود ادراک وشہود ذات بے پردہ ممکن نیست ؎

در پردہ عیاں باشم وبے پردہ نہاں

ومی گویند کہ حقیقۃ الحقائق بودن آنحضرت واحاطہ باہیات مانند احاطہ ماہیات بجواہر وذوات نیست۔ بلکہ تمام وشامل است مر صفات ومعانی را کہ شہود محمدوماں ومحبوباں ومراداں یکے از آنجملہ است، ومی گویند کہ در وقت ایں شہود کہ در قرب ووصول حاصل است، روح پرفتوح حضرت سید المرسلین محبوب رب العالمین حاضر است، وواسطہ است واز ذات حق مفارق نیست، چہ محب ومحبوب از یکدگر جدا نشوند خصوص ایں چنیں محبوب کہ محبوبیت وے بذات بحت بلا لحاظ جمیع شیون واعتبارات تعلق گرفتہ است، واگرچہ بے ملاحظہ شیون واعتبارات تعلق گرفتہ است واگرچہ بے ملاحظہ شیون واعتبارات ہمہ باشد بلا لحاظہ جمیع شیون واعتبارات بوداز جہت بودن او مظہر جامع قال بعض العارفین ما ارسل الرحمٰن او یرسل من رحمۃٍ

تصعد او تنزل فی ملکوت اللّٰه او ملکہ من کل ما یختص ایشمل الا والمصطفیٰ
عبدہٗ و نبیہ و مختارہ المرسل واسطۃ فیہا واصل لہا لیعلم ھذا کل من
یعقل وایں شامل جمیع مراتب شہود ست، وقال ان روح النبی صلی اللّٰہ علیہ
وآلہ وسلم غایثٌ من نفوس باللّٰہ فی اللّٰہ طالب فی وصفہ صلی اللّٰہ علیہ
وآلہ المحقق المحکوم بالجہل من ادعی معرفۃ اللّٰہ مجردۃ فی نفس الامر عن
نفسہ المحمدی ومیگوید کہ ایں مشاہدہ مجذوب سالک تواند بود، کہ بجہت قصور معرفت
وتمیز یا بجہت غلبے بے خودی، از ادراک، و دریافت آں قاصر و ذاہل باشد۔ اما در نفس الامر
ثابت و دائم است۔ وآں ذہول در حقیقت، از قبیل عدم علم بعلم است۔ چنانچہ در
مواضع گفتہ آید۔ ازیں ہم گذشتم و مسلم داشتم کہ مشایخ طریقت از توسط و عدم توسط آں
سرور اختلاف دارند۔ اما آں گروہ کہ قائل آں بعدم توسط دعوی شرکت ہمسری ہمسرگی
واجتبا، وعدم مدخلیۃ آنحضرت درحق ایشاں وعدم توجہ ایشاں بہ آنجناب چنانکہ
گفتہ اندمی کنند۔ ومشائخ دریں جا ہم اختلاف دارند سخن درآنجاست حاشا وکلا ہمہ
متفق از دو درغایت بندگی ونیازمندی وسرافگندگی واحتیاج بآنجناب۔ دیگر مخفی
نماند کہ توسط آنحضرت در شہود و اصل موجب عظمت وجلال وسبق اوست در
درگاہ غیرت وعدم توسط سبب تاخر وسقوط وتصور وحاصل حکایات عدم توسط
بسبب تاخر وسقوط وتصور وحاصل حکایات عدم توسط باں راجع میگردد کہ سالک
ہمیشہ خادمانہ ہمراہ آں حضرت بہ تبعیت وطفیل میرفت۔ واقتباس از وے میگرد
چوں بقرب درگاہ رسید وبیشتر رفت و درون درآمد وآں حضرت را پس انداخت و
بیروں درگذشت واز میان ساقط گردانید، خود در مجلس درآمد و بر منصہ قرب وصال
نشست، وکامراں شد۔ ومیگوید کہ من و تو برابریم من ہم بندہ ام، ورا توسطے درمیان
من وہذا نماند۔ اگرچہ دراصل بندہ وتابع تو وخادم تو بودم، وبواسطہ تو رسیدم الآن تو

ہیچ دخل و توسط نداری۔ نعم اگر با پیر و مرشد معاملہ و حال چنیں بستند، ممکن باشد کہ بوساطت
وعنایت و تربیت حضرت رسالت انوار و اسرار اقتباس و شقاوت و استفاضہ
نماید۔ وفیوض و فتوح حاصل کند، و از پیر در مقام قرب بیشتر رود و تقدم نشیند،
اما ایں عجب کہ بہ تبعیت آنرا بحضرت استفاضہ و استفادہ کند، و در مرتبہ برابر گردد،
و او را از میاں ساقط گرداند، و خود در مقام قرب بیواسطہ نشیند، ہیچ عاقل و عارف
ایں سخن روا دارد، وقبول کند، و ایشاں عجب نکتہ ملایانہ بتکلیف استنباط نمودہ و انشاء
کردہ، وگفتہ اند کہ گفتہ نشود کہ ازیں عدم توسط اگرچہ نیک بود، قصورے بجناب
خاتمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لازم می آید، زیراکہ میگویم کہ ایں عدم توسط مستلزم کمال
آنجناب است۔ نہ مستلزم قصور، بلکہ قصور در توسط است، زیراکہ کمال متنوع
آنست کہ تابع او بسط، قبل و تبعیت او بجمیع درجات برسد، و ایں معنی در عدم
توسط کائن است نہ در وجود توسط کہ آنجا شہود بے پردہ است کہ اقصی درجات
کمال است و ایں جا در پردہ پس کمال در عدم توسط بود، و قصور در توسط و از شوکت
وعظمت خادم است کہ خادم در ہیچ مقامے تخلف نہ کند، و تبعیت او شریک دولت
ہمگناں گردد، انتہی

ایں تخیل محض از قضایائے خطابیہ شعریہ است، نہ از براہین عقلیہ قطعیہ تعنیہ
وچوں ایشاں می گویند باید کہ از کشف صریح و ذوق صحیح شدہ باشد، واللہ اعلم۔ قولکم
ازیں جا است کہ آنسرور فرمودہ است علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ ایں
را بداں کہ چہ متفرع و مترتب ساختہ اند از بیان سابق خود لازم می آید کہ علماء امتی
کانبیاء زیراکہ شما ایشاں را اقصی درجات کمال ثابت گردانید، و در تمامت کمالات
شریک آں حضرت گردانید، ایں خود بالاتر از انبیاء بنی اسرائیل است، زیراکہ ہیچ
یکے از ایشاں شریک آں حضرت در تمام کمالات نیست، و حق آنست کہ مرتبہ علماء امت

بمرتبہ انبیاء نمی رسد وشبیہ باعتبار خلافة ونیابت در تبلیغ احکام وشرائع است چنانکہ
انبیاء بنی اسرائیل تابع توریت بودند وبعد از موسیٰ علیہ السلام تبلیغ احکام آں می
کردند نہ در قدر ومرتبہ ونزدیک محدثین ایں حدیث بصحت نرسیدہ وحدیث العلماء
ورثۃ الانبیاء صحیح است، عجب کہ ایں جا تصرف از ظاہر وارتکاب خلاف
آں راضی شدہ اند، فرزندی شیخ نورالحق می گفت یکبارے نزد ایشاں قول الولایۃ
افضل من النبوۃ مذکور شد، فرمودند ہر چند توجیہات وتاویلات راست ودرست
دارد اما موہم خلاف حق است، نباید گفت، ایں تناقص است، وتناقض در کلام
ایشاں بسیار است، بالجملہ در عقائد اہل سنت وجماعت مقرر شدہ است کہ ہیچ
ولی بدرجہ نبی نرسیدہ، اما حافظ نسفی[1] در تفسیر مدارک میفرماید کہ تحقیق لغزیدہ است
اقدام بعضے اقدام در تفضیل ولی بر نبی وایں کفر یست جلی)، ودر تعرف کہ کتاب معتبر
است در علم ایں قوم وشیخ شہاب الدین سہروردی[2] رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است۔۔۔
ماعرفنا التصوف، مذکور است کہ اجماع کردہ اند کہ انبیاء علیہم السلام افضل بشر
اند، ونیست یکے از بشر کہ موازی ومساوی ایشاں باشد، نہ صدیق نہ ولی نہ غیر
ایشاں، اگرچہ بزرگ باشد۔ فقد وے عظیم بود خطر وے وبلند باشد رتبہ او، وابویزید
بسطامی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ ہست آخر نہایت صدیقین اول احوال انبیاء است
ونیست مر نہایت انبیاء را غایتے کہ درک کردہ شود ونیز گفتہ است، نیست مثال
معرفت خلق وعلم ایشاں نزد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمچناں کہ چوں نمی بر سر خیک بستہ
پدید آید، ومی گوید مراد از ایں سخن آں است، واللہ اعلم کہ ہیچ کس از خلق بر سر محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نگردد۔ اگر ہمہ خلق گرد آیند ومعرفت وعلم خویش گرد

---

[1] ملاحظہ ہو۔ Ency. of Islam III p 847-8
[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ Ency of Islam III p 506

آرند، کما قال محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بشناسند و آں شناخت کہ ایشان بشناسند
آنرا مثل کردند بداینہا چنیک چیست فاما داشتن مقدار وے، و صفات وے، بداں
نم پدید نیاید و اگر نم نبودی ندانستندی کہ در آں چیست، انتہیٰ۔ قولکم کہ در حدیث
آمدہ است کہ چوں بندہ در نماز داخل میشود، حجابے کہ در میان بندہ و خدا است مرتفع
میگردد۔ ولہذا صلوٰۃ معراج مومن آمدہ، و حظ وافر از آں نصیب منتہی واصل گشت
چہ رفع حجاب مخصوص بواصل منتہی است، پس ارتفاع حیلولہ و توسط ثابت
گشت، انتہیٰ ایں خود صحیح است ولیکن ایں راقم می بیند کہ در تشہد کہ آخر وقت
ادائے نماز است، و وقت اکملیۃ و اتمیت شہود است، میگوید السلام علیک
ایھا النبی، و بعد از وصول اتم و اکمال مستغنی و فارغ نیستند، از توسط عمال و
کمال آنحضرت دنیاز و تسلیم و توجہ بدرگاہ وے پس توسط ہنوز و توسل مرتفع نگشتہ
است، و ایں حجاب در وقت نماز مرتفع می شود حجابہا است کہ بندہ بداں از مقام
قرب و حضور دل افتد۔ حیلولہ و توسط حقیقۃ محمدی است کہ وے با خدا است
دائم و آنکہ نوشتہ اند کہ رویۃ آخروے بے توسط و حیلولہ امرے خواہد بود بے موقع
است زیرا کہ سخن در رویۃ و شہود دنیا و یست و ایں بے پردہ نمی باشد، لا اقل پردہ
صفات درمیان است و بحقیقۃ رویۃ اخروی نیز بے پردہ صفات نخواہد بود۔
وصفات حق منفک از ذات نیست، و منتہی بر عرفست دیدن ذات را با صفات
در عرف دیدن ذات می گویند کسیکہ زید را می بیند با چندیں صفات از طول و
عرض و لون و شکل و جز آں میگویند، زید را دید و ہیچ کس نگفتہ است کہ در آخرت
ذات بحت مجرد از صفات را خواہند دید پس اگر روح محمدی کہ با ذات حکم صفات
دارد نیز باشد چہ مانع، و اللہ اعلم، قولکم از معرفۃ از خواص معارف عندیۃ ایں
فقرا است کہ حق سبحانہ آنرا بمحض کرم عطا فرمودہ بحقیقۃ آں متحقق ساختہ است

واین معرفۃ اشارہ است بآنچہ گفتند کہ عدم توسط موجب کمال است، وتوسط موجب نقصان۔ کہ آنجا شہود بے پردہ است واینجا درپردہ۔ واین کمال بالغیر است وگفتہ اند کہ کمال وشوکت عظمت مخدوم ومتبوع نیز ہمدریں است کہ تابع و خادم او بجائے رسیدہ است وبہ تبعیت او شریک، دولۃ او شدہ۔ سبحان اللہ این چہ تخیل وتوہم است وسرور ابتہاجست ودرلوازم ایں سخن نمی نگرید.... رسول خدا سنت ازمیان ودعوی مساوات بادے ترجیح اولیار برانبیار صلوات اللہ علیہم اجمعین وسلام، چنانچہ تقریر آں گذشت حاجت بتکرار نیست، اماہیں یک سخن باز تکرار کردہ کہ واسطہ کہ می خواہند، کرامی گویند محمد رسول اللہ را میخواہید کہ محبوب رب العالمین ومقصود دنیا ودین است، وآنحضرت راپردہ میگویند وحجاب نام می نہند، زہے آں عارف کامل مشاہد کہ حق را درمرأت محمدی مشاہدہ کند، جاہنا فدائے آں پردہ باد سبحان اللہ ایں چہ نقصان است، کدام کمال بالاتر ازیں باشد کہ جمال محمد وکمال حق ہردو مشہود شود ومنظور گردد، و محمد را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق برائے آں آفریدہ است کہ در آئینۂ جمال وکمال وے ذات او را مشاہدہ کنند ودر خلوۃ خانہ حقیقۃ درآمدہ باذات وصفات حق مواصلت نمایند، کہ ہرچہ ہست آنجا است۔ قال بعض العارفین لاتجلی اشعۃ اللہ بقلب الامن مراۃ سرہ وھوالنور المطلق ویردہ ہائے کہ دور باید کرد پردہ ہائے ظلمانی وروحانی وانفسی وآفاقی است، کہ حجاب مقصود وپردہ شہود شوند وآنکہ ذات محمد را پردہ گویند وازمیان ساقط گردانند، وچرا گوہند کہ نباید گفت کہ ایں قضیہ ان شاء اللہ درروز جزا مشخص گردد، بلکہ درعالم برزخ نزد آنحضرتؐ مذکور شود۔ اگر من پیش ازشما ازعالم رفتم اول شکایتے کہ ازشما پیش آنحضرت کنم ایں خواہد بود۔ واللہ اعلم۔ واگر دریں دنیا ہم بوقائع وحالات مطلع گردانند دورنیست وطریقہ وعادت مسکین

آنست چنانچہ مشغولاں ایں سلسلہ توجہ بذات حق نمودہ مراقبہ جمال شریف می نمایند۔ مراقبہ آنحضرت میکند رفتہ رفتہ بذات حق یکے شود بمعنی استغراق وحضور کہ نزد ایں طائفہ معنی اتحاد است، چنانچہ گذشت و مراقبہ حلیہ شریف .... کہ دائمی است و دریں ایام کہ سخناں شما ..... ذکر آنحضرت و توجہ بجناب وے تقریب شدہ است بحالتے مخصوص شدہ کہ زیادہ گرداند۔ خداتعالیٰ تمام عارفانؒ واصلاں ومقرباں ومحبوبان رامی بینم کہ زبان حال وقال بتوسل وگداگری و استمداد از آنجا کشادہ جز بندگی و نیاز وشکستگی وغلامی وسگی نمی نمایند، بر روئے ایشاں نمیدانم کہ کدام در معرفت کشادہ اند، ورد روئے حقیقت نمودہ ایں چنیں سخناں بوجود آمدہ، سر برزدہ است۔ چوں است ظاہر آں است کہ شاد دغا خوردہ اید۔ نمیدانم کہ از دست کہ خوردہ اید واللہ اعلم والعاقبۃ بالخیر۔ بہتیا مخدوما طریق صواب آنست کہ قطع نظر ازیں تفصیلات وتحقیقات ومعارف کہ مذکور است نمودہ، بے تردد تفصیل بگوئید کہ فیوض وفتوح در اول و آخر و ظاہر و باطن قبل الوصول وبعدہ مراداں ومراداں را ومحبوباں را ومحباں راہمہ بتبعیت وطفیل وتوسط بتوسل آنحضرت است، دیگر سخن نیست زیادہ چہ گوید۔ و عجب است درشان کافراں ومکذباں قرآں وارد شدہ، بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ھی ولما یاتھم تاویلہ درشان فقیراں صرف کردہ اید وایشاں ہم اگر ایں آیۃ را نخوانند واضلہ اللہ علی علم چہ شود۔ دیگر عرضہ میدارد کہ در وجود اتباع نبوی کہ مردم دعوی آں می کنند و برائے خود کمالات انتساب می کنند، وچنیں شنیدہ می شود کہ ایشاں در مکتوبات آنرا بر پنج مرتبہ نہادہ اند، وگفتہ اند کہ ہمہ مراتب درآں موجود است وہمچنیں ہم نوشتہ اند کہ در یکے از نیم مراتب علم باسرار مقطعات قرآنی نیز حاصل میگردد ایں مسکین را چہ نسبت کہ چگونہ است اتباع از اقوال وافعال می باشد، کہ ہرچہ فرمودہ از اوامر ونواہی بجامی آرند، وامتثال نمایند۔ وہرچہ کردہ اند از افعال بجا آرند وبصفات

ایشاں منصف شوند، و بعد ازاں در احوال باطن کہ ہرچہ از انوار و اسرار آنجا یافتہ و وجود یافتہ ایں جا موجود میگردد، وکیست کہ ایں کمالات در وے بتمام و کمال حاصل شدہ باشد، چنانچہ در حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آمدہ است و ایکم نطق ذٰلک ایں ہمہ طاعت و عبادت کہ چنداں شب در نماز می ایستادند کہ پاہائے مبارک می آماسید ندکجا است زہد و ریاضت کہ بر پلاس می خفتند و از نان جو سیر نمی شدند گو۔۔ وآں ہمہ عقل و سخاوت و شجاعت و قوت و رحمت و رافت و تواضع و حلم و عفو و وفا و حق و حسن عہد و صلہ رحم کجا است، وغیر ذٰلک فما ہو مذکور و مروی فی الاحادیث، کمالات آنحضرت را دریں صفات و اخلاق بود، و در اقصیٰ مراتب درجات بود، کراست و مقرر است کہ حصول فیوض وصول بمقام قرب بر قدر اتباع خواہد بود، خود مبالغہ و تاکید دریں باب بسیار کردہ اند، و در عبارت ایشاں اکثر ذکر متابعت بذکر فضل الٰہی مقرونست، وگفتہ باتباع آمد، بلکہ محض فضل الٰہی گویا برائے دفع شبہ و استبعاد است، و نوشتہ اند کہ بکشف صحیح و الہام صریح بہ یقین پیوستہ است کہ ہیچ دقیقہ از دقائق ایں راہ و ہیچ معرفتے از معارف ایں قوم بے واسطہ و توسط متابعت او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میسر نیست، و منتہی را در رنگ مبتدی و متوسط و فیوض برکات ایں راہ بے تبعیت وے طفیل حاصل نشود، انتہیٰ ایں امرے مجموع علیہ در دین احتیاج بکشف و الہام چہ دارد، چہ کمالات دین و صفات مسلمانی ہمہ موقوف برایں است وگویا تخصیص بہ دقائق و معارف بیان می کند و مخصوص بشرح و بیان آنست بہ یقین دانست کہ بکمال متابعت موصوفست و زبان او و اعتراض از وے قاصر، چنانچہ در اول مکتوب افادہ نمودہ آید، بعد ازاں زبان چنداں بمدح و ثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و احتیاج کلی توسط و توسل وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کشادہ اند، کہ جاں را سیراب و دل را شاداب میگرداند، و رفع تمام

توہمات وسوء ظن می کند اما با وجود ایں رفع وسائط و استتار آں از میان دقائق و معارف کلمات دیگر ناظر در سوئے ادب وگستاخی چیست، اکنوں آمدیم بحکایۃ سکر وصحو مقرر است کہ اصحاب صحو مفضل اند، بر اصحاب سکر، زیرا کہ محکوم وقت اند وحال حاکم است بر ایشاں وایشاں را ابن الوقت گویند واز تنگنائے نفس واحوال بر نیامدہ وایشاں باصحاب صحو کہ ازیں مضائق برآمدہ وحاکم وغالب شدہ اند، بر وقت وایشاں را ابوالوقت گویند، چہ نسبت است پس آنچہ از بعضے اقطاب کہ قدوہ ارباب صحو وتمکین اند مباہاتے ومفاخرتے بر مشائخ دیگر واقع شدہ است بامر الٰہی است نہ غلبہ سکر، چنانکہ حضرت غوث الثقلین امام الفریقین شیخ عبدالقادر گیلانیؒ فرمودہ اند قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ وبزرگی فرمودہ است می تحت خضراء السماء مثلی وامثال آں بامر الٰہی است کہ در باطن اولیاء اللہ منبا شد، نہ صادر بہ غلبہ سکر وطفح حال وسکر غیرت وبے تمیزیست واشارۃ ہذہ منافی آنست و نقل است کہ در بعضے احوال ومقامات حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم ایشاں بر قدم خود نہادہ اند کہ ایں قدم تو قدم من است، پس گفت شیخ قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، پس آں بجہۃ امتثال الٰہی کہ بتحدیث نعمت واقع شدہ است اگر گویند پس چیست تفاوت واختلاف احوال مشائخ واولیا در ارباب صحو وتمکین از صحابہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم کہ بعضے گفتہ اند وبعضے نگفتہ اند۔ گویم ایشاں تکلم نمی کنند مگر باذن خدائے عزوجل وامر وے جل وعلا، پس ہر کہ امر کردہ شد، گفت وہر کہ امر کردہ نشد نگفت۔ چنانکہ آمدہ است کہ از مشائخ وقت پرسیدہ شد کہ آیا شیخ عبدالقادر در ایں کلمہ را بامر گفت گفتند نعم بامر گفت، وگفتند ایں نشان قطب است۔ از اقطاب در ہر زمان کسے است کہ . . . میشود بسکوت وگنجائش ندارد۔ واور اگر بسکوت وبعضے امر کردہ میشود۔ بقول گنجائش ندارد۔ ایشاں را جز قول وایں الکلیۃ در مقام قطبی است

زیرا کہ ایں نشان شفاعت اوست شیخ صاحب عوارف رحمۃ اللہ علیہ بمقتضائے قیاس عقل، و مبلغ علم خود ایں سخن را دامثال ایں سخن را بر طغیٔ سکر و غلبہ حال و اشراق نفس حمل کردہ، و شیخ بر قصد محمدت اہل قوم و عدم حضور آں چنانکہ شما برائے مصلحت وقت کہ دریں مکتوب بر ترجیح و تفضیل سکر واقع شدہ کردہ اید براں ظاہر عبارت شیخ ساق سان مخالف است۔ فہم شیخ دریں جا ایں چنیں رفتہ چہ تواں گفت و قول وے دریں باب مخالف اقوال کبار مشائخ آنوقت شیخ ابو مدین مغربی[1] و شیخ نجیب الدین سہروردی[2] کہ پیر شیخ شہاب الدین سہروردی ست، واقع شدہ و دیگر مشائخ عظام کہ عد ایشاں موجب اطناب است چنانچہ در بہجۃ الاسرار[3] کہ کتابے معتبر و ذکر آں در کتب در طبقات ذہبی کہ از مشائخ علماء محدثین و شیخ محمد جزری کہ قدوۃ علماء متاخریں است و غیر آں مذکور است، و مصنف آں بدو واسطہ بحضرت غوث الثقلین میرسد و در کتب دیگر مثل روضۃ النا ظری مناقب الشیخ عبد القادر کہ تالیف شیخ مجد الدین صاحب قاموس[4] است و در کتب امام عبد اللہ یافعی وغیرہ مذکور است، و مریداں شما را دریں سخناں شما سہ قسم یافتیم جمعی می گویند ما چہ دانیم۔ ایشاں چہ می گویند، ما را کے مجال فہم سخناں ایشاں است ہر چہ گفتہ اند اعتقادی کنم کہ حق است و جماعتے می گویند کہ اینہا از سکر و بیخودی است۔ و فرقہ می گویند کہ ہر چہ ایشاں می گویند و می کنند ہمہ بامر الٰہی است ما ہم بریں معنی باشیم۔ اگر براہین قاطعہ از کرامات و آیات کہ از اں بزرگاں منقول و مشہود است مشاہدہ کنم وبے آں بحکم نختین ظن مجوز متوقفیم الا ایں حرف کہ در وے نسبت بسرور کائنات گستاخی و بے ادبی لازم می آید، ایں را بیشک منکر میدانیم ان اللہ لا یامر بالفحشاء والمنکر و بر ہر تقدیر، چنانکہ عادت ایں فقیر است توقف و تسلیم تجویز درمیان

---

[1] ملاحظہ ہو سفینۃ الاولیاء [2] ملاحظہ ہو "تذکرہ حضرت ابو النجیب عبد القاہر سہروردی" از مولانا حسن میاں (مطبوعہ لکھنؤ سنہ ۱۹۱۱ء) [3] بہجۃ الاسرار شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف المتوفی سنہ ۷۱۳ھ کی تصنیف ہے۔ [4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۳ ص ۱۱۴۳"

ما است کہ مصدر آں ناشی از مقام صحو و تمکین باشد، اما شما خود بزبان شریف خود اعتراف کردید، و گفتید کہ ہر کہ مثل ایں سخناں گفتہ، نشا آں سکر است و سکر را ترجیح بر صحو کردہ اند و گفتہ اند کہ صحو صرف بے مزج سکر عین قصور است۔ صحو خالص نصیب عوام است، ایں سخن اختراعی است۔ بخلاف مقامات متصف شدہ و بہیچ جا کہ بے تمیز نیست و بے اطلاع از تمام اشیاء ممزوج نگردد۔ و در حقیقت سکر و صحو ضداں اند کہ جمع نمی شوند صحو خالص کہ آنرا نصیب عوام گفتند کدام است سخن از مقام عارفاں و کاملاں و اہل خصوص می رود۔ و از کلام ایشاں معلوم میشود کہ از بزرگان آنہا کہ صحو ایشاں کہ ممزوج نیست صحو صرف دارند و بایں نوع کلمات تکلم داخل عوام اند۔ ایں چہ سخن است و گفتہ اند سکر بسطامی کہ بے تحاشی قول لوای ارفع من لواء محمد ازاں بوجود آمد، ازیں عبارت مدح سکر و اعلائے شان آں مفہوم است۔ و دوران مکتوب گفتہ اند کہ سبحانی ما اعظم شانی سبحانی من مساس ندارد کہ آں از دائرہ انفس و آفاق است و ایں از سر حیثیت جوش زدہ و ایں از عین صحو برآمدہ، و ایں جا ترجیح صحو نمودہ مفاخرت و مباہات بیان کردہ اند، و گفتہ اند کہ ظاہر شدن حالست بر دل نتواند کہ پوشیدہ دارد چیزے را کہ پوشیدن آں واجب بود پیش از ظہور آں حال و ایں محتمل دو قسم است۔ یکے آنکہ چیزے منکر و قبیح است و پوشیدن از جہت بودیا صحیح است لیکن در ستر و کتمان آں مصلحت دینی بود، لازم نیست کہ آنچہ در کلام اہل اللہ واقع شود البتہ ازاں قبیل باشد، ما از قسم اول از جہۃ عدم عصمۃ وجود ترک واجب کہ کتمان سرور غایت مصلحت است بر ہر تقدیر لازم آمدہ است و صاحب سکر معذور است، اگر بے اختیاری محض گردد، اختیار و تکلف را بدخل نبود۔ و بعد ازاں سکرہا کہ در کلام اکابر واقع شدہ است، بعد کردہ تحسین نمودہ اند، و مسلم داشتہ اند و وے دیر زمی گفتند۔۔۔ بیچارہ ہا پے باحسن نبردہ گرفتار ظل ماندہ اند و از زبان حضرت خواجہ شنیدہ ست

کہ میفرمودند کہ شیخ عبداللہ انصاریؒ فرمودہ اند کہ بر ما مزید و دروغ بستہ اند، یکے از انجملہ آنکہ گفت ضمیر بر پہلوئے عرش زدہ ام و لوائی ارفع من لواء محمد ہم ازاں جملہ خواہد بود بلکہ شنیع واقع است۔ ازاول و قول سبحانی را تاویل مشہور است۔ کہ در عوارف مذکور است کہ آنرا حکایت عن اللہ گفتہ است واقوال کہ از شیخ جنید بغدادی آوردہ کہ ھو العارف والمعروف ولون الماء لون انایہ والمحدث اذا قورن بالقدیم لمہ سبق لہ اثر بر تقدیر صحتہ صدور آں از ایشاں درباب فنا فی التوحید است و ایں مذہب و حال مقام ایں قوم است ایں جا سکر چیست، شیخ ابن عربی کہ بیان وحدۃ وجود و اثبات آں می کند۔ بر نہجی کہ معتقد او است از سکر نیست، مذہب و معتقد ایشاں ہمیں است، و مذہب شیخ جنید اگر خود ہمیں است خیر والا اشارہ است باصالۃ و حقیقۃ وجود حق سبحانہ و فرعیۃ و عاریۃ وجود خلق و فنای اضمحلال این در نظر شہود و در مقابلہ وجود حقیقی و غلبہ وسطوۃ ایں برآں ولون الماء لون انایہ تمثیل و تصویر است برائے ظہور صفات و افعال وے تعالیٰ در مکونات بحسب استعداد و قابلیت ایشاں نہ ظہور ذات وے تعالیٰ و تقدس در مرایا ظاہر۔ چنانکہ اہل وحدت میگویند و فرمودہ اند کہ اگر سحو خالص بود کہ افشاء اسرار آنجا کفر بود و خود را از دیگرے بہتر دانستن شرک بود انتہیٰ سابق مذکور شد کہ ایں کلیہ نیست، کہ بصحو باشد و با مرباشد کفر نیست اگر صحیح است و در اظہار آں فوت مصلحتے نیست، واگر وقوع آں از اہل صحو ممنوع ست، و خود را از دیگرے بہتر دانستن شرک چرا باشد، ظاہراً سہو قلم است و صحیح کر است، و نوشتہ اند کہ ایں فقیر کہ ایں دفاتر در بیان علوم و اسرار ایں طائفہ علیہ نوشتہ است، بے مزج سکر حاشا وکلا کہ آں حرام است و منکر است، دگر افست وسخن با فست، انتہیٰ سبحان اللہ تاکنوں گماں ایں بود و از کلاھہائے شما نیز کنایہ

لہ ملاحظہ ہو نفحات الانس۔

سکر کردہ آید، یا برائے تصحیح و تصدیق آنچہ واقع شدہ ست، بایں سکر برائے اثبات
سکر و مسافت معلوم میشد کہ ایشاں صاحب صحو و تمکین اند۔ واز سکر و تلوین منزہ و مبرا اند
در ینوقت چناں معلوم شد کہ صاحب سکر بودہ اند و مقرر است کہ مرتبۂ اہل سکر
عاقل و نازل است، پس تحقیقات و تدقیقات کہ کردہ اند برائے سکر کردہ اند، واگر
آنچہ واقع شدہ است بایں سکر صحیح و موسس بر قواعد طریقت و موافق تر از نزاد حقیقت
است، چنانچہ از بیان کردن حقائق و معارف برائے اثبات او ظاہر میشود، چہ
غم دارید، وچہ احتیاج .... وانکسار است والا اول بیبائست گفت کہ مقدس
دارید چیزے از مستی و بیخودی واقع شدہ است و بعد از غبار نیستی آں را از صرف
اعتبار و صفحہ روزگار میسر شد محو نمودہ توبہ کردہ وکلام السکاری یطوی ولا یردی
وعجب است از یں طور کسے کہ جمیع فضائل و کمالات محمدی افضل الصلوٰۃ واکملہا
حاصل گردد، باقصی الغایات و مراتب متابعت بکمال رسیدہ در قرب و وصول
بجائے رسید کہ تہمہ واپس انداختہ و حقیقت را بے پردہ دیدہ، و در یافتہ کہ گرفتار باشد
بسکر دیگراں خود چہ کار کنند کہ باصل نرسیدہ و گرفتار ظل ماندہ اند و محجوب اند از ایشاں
اگر بجہتہ فعال تجاہل سکری و بے تمیزی واقعہ شود، عجب نباشد و نوشتہ اند کہ سخن با فاں
کہ بصحو خالص متصف اند بسیاری اندریں قسم سخن نبافند، و دلہائے مردم از جا نبرند
اگر مراد دلہا خواص است مثل ایں سخن آں را از کجا از جائے می برند، و محظوظ میسازند
بلکہ متنفر و متبری می سازند۔ واگر دلہائے عوام است و اناس و فریقین آنہا چہ مقصود
است، وچہ اعتبار دارد۔ و دراصل سخن اعتبار ندارد۔ و مدار براں نیست بسا کس کہ
سخناں کاملاں می آورند۔ وکامل نباشند و بسا کس کہ حرف سازند و دلربا اند اندروں
بداند وکامل نباشند، الحمد للہ از آنجا کہ ایشاں اند ہم کمالست و ہم سخناں شما خوب بسیار
اند و دلربا اند اما ایں سخناں شنیع کہ نسبت بآں حضرت بے ادبی و گستاخی کردہ اید آنہا را می پوشد

وبدنام می سازد و بعضے از مسکیناں ایں راہ و خاکساراں ایں درگاہ و گدایاں ایں کوے باشند باوجود نقصان کتب و دفاتر درمیاں قواعد طریقت و احکام معاملہ ازاں زیادہ تو باشند، و دریک حرف رقم خوردہ طعن و انکار شریعت شدہ باشند، وازشاہراہ دین بیروں نیفتادہ وہاب کریم سخناں ایشاں را در بواطن اہل ایمان وقلوب صادقاں گوارای دادہ وقبول بخشیدہ است، وبحکم وصیت مشایخ کہ درشان ایشاں رفتہ است ولا یتکلمو بالحقائق والدقائق بین بل للحق علم المعاملات وما یتمون بہ من العیوب برہمیں قدر اقتصار نمودہ آید واز قبول عند اللہ وبیاض الوجہ عند رسول اللہ بستہ آید ان شاء اللہ باش کہ تا صحبت قیامت بداں ہنوز کار آید بااین پا در راہ ما شکستہ دلی می خرند وپس بازار خود فروشاں آں راہ دیگر ست سخن سید الطائفہ تاہست العبارت ودقت الاشارت وما ینفعنا الا رکعات فی اللیل غم ایماں باید خورد، واز سابقہ اندیشید کہ چہ رفتہ است ونوشتہ اند کہ ایں سخن کہ مبنی بر اسرار باشد واز مظاہر مصروف بود، درہر وقتے از مشایخ طریق بطور آمدہ است وعادۃ مستمرہ ایں بزرگواراں گشتہ۔ وایں امرے نیست کہ آں را ایں فقیر پیدا کردہ ولیس، ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام انتہیٰ، ظہور سخن مشتمل برافشاے اسرار توحید وشطحیات طامات کہ از ظاہر مصروف باشند وافہام عوام بداں نمیرسد وآنرا موہومات مبہمات میگویند بسیار است، اما ایں قسم سخن کہ بحضرت اولیا، خصوصاً بحضرت سید المرسلین درافتند ودعوی مداراۃ ومواساۃ وہمسرگی کنند از کسے در نظر نمی آید۔ وعاقلے گفتہ۔ ع

باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار

وظاہر ایں کلام بے ادبی وگستاخی است، حرف ایں از ظاہر نمیدانم کہ بسبب نشوو نماے خود ایں را ثابت ومتحقق بکشف ودلائل ساختہ اند ودر آخر سکر را بہانہ ساختہ

اند، آنہا کہ منتہی گردید دبے قید بہا نمودند، چہ چیز ہا بر سر ایشاں گذشتہ وہنوز زبان ما بطعن وتشنیع ایشاں دراز است۔ وقول شریف ولیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام عجب واقع شدہ است دراعتراف بشناعت آں کافی است و شیشہ شکستہ چوں باز بہم نمی آید وکذلک لا یلتام ماجرح اللسان وآیۃ کریمہ مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید وحدیث شریف کف ھذا یعنی اللسان دریں باب کافیست، واللہ اعلم۔

ایں کلمات بقصد استفسار واستکشاف حال ودفع تالم عارض بال تسکین نرقہ صدر نوشتہ شد قصد آں داشت کہ چیزے بنویسد، وبالزام نفس راضی باشد، اصل غرض نصیحت وخیر خواہی وکشف حال است الدین النصیحۃ وایں راز چند مجلس املا نمودہ وہر بار استخارہ بجناب سعادۃ از شر نفس وتبری از حول وقوۃ بمبالغہ اکید وتمام نمودہ ومی نوشت امید کہ معذور باشد وماجور گردد ظن فقیر بشیخ جمیل است ایں مقدار کہ مرا بشما نسبت محبت واتحاد ست کم کسے را خواہد بود صاحب کشف المحجوب درباب حسین بن منصور حلاج[1] گفتہ است، الحمد اللہ عزیز است وسے بدل من اما طریقش بہیچ وجہ مقبول نیست، وما قال نزد ایں فقیر شما ہم عزیز ید وہم طریقۂ ما، اما سخناں کہ نسبت بحضرت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میگوئید آنہا را تاب ندارد، وآنچہ نسبت بمشائخ گفتند کرہاً وجبراً برداشتہ شدہ است اما برداشت ایں کلمات از طاقت حال ایں فقیر بیرونست، وہمیشہ دعا فقیر در خلوت وجلوت بعد از صلوۃ در سائر اوقات ایں بودہ است اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللھم اجب وبعد از آنکہ آواز شد درمیان است ایں سرمی گویم خداوندا ایں مرد از کمالات خود ایں چنیں خبرمی دہد اگر صادق است، ما را دلیل بر صدق وحقیقۂ او الہام فرما ودر

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو تذکرۃ الاولیاء، کشف المحجوب اور نفحات الانس۔

تصرف نگهدارکہ رفع شبہة والتباس کند واگر نہ چنیں است اورا بر سر انصاف آرد
ازیں روش بازدارد یکباری شنیدہ باشد کہ نسبت بفقرایں می خواند کہ ان یك كاذبا
فعلیہ كذبہ وان یك صادقا یصبكم بعض الذی یعدكم التماس آنست کہ
اگر ایں طریق را مردم دست آویزد دگر ساختہ اند ترک دہید، و اعلام نمائید دوستان
ہمہ در ربقہ اطاعت وانقیاد بلکہ دشمناں نیز برراہ محبت، و اعتقاد نہ چوں ملازماں
حالا خود را در اہل سکر واصل کردہ اند، ایں سخن مشہور بایزید بسطامی است کہ در
وقت رفتن ازیں عالم فرمودہ اند الهم ان كنت قلت یوماً سبحانی، اعظم
شانی فالیوم انا مجوسی اقطع زناری وقیل اشهد ان لا الہ الا اللہ و
اشهد ان محمداً عبدہ ورسولہ الحمدللہ کہ ختم کلام بر شہادتین اتفاق افتاد
الحمدللہ عاقبت بخیر باد، وصلی اللہ علی سید المصطفیٰ الامین خلاصۃ الوجود ومرکز
ظهور ومنبوع الحق ولسان محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ہداۃ طریق الحق ومنهجی علوم
الدین ۔

درنامہ تو چو دست بر خامہ نہم
خواہم کہ دل اندر شکن نامہ نہم

(۱)

الی الشیخ الاعز الاحق مولانا الشیخ عبد الحق [1]

اے فقر کجائی کہ فریدوں کمنت
گر خاک نشینی مہ گردوں کمنت
ہر نقد کہ اندر گرہ ہمت تست
در خاک فرو ریز کہ قاروں کمنت

آرزومندے از گوشہ گزیں استدعا کرد چشم داشت کہ آنست کہ مرا در خلوت بیاد آوری۔ گوشہ گزیں در جواب گفت: ولے آں خلوت کہ تو بیاد من باشی۔ وازیں ہم بالاتر آنست کہ بزرگے دیگر فرمودہ ؎

خلوتے کش تو درمیاں باشی — کرم پیلہ کند چناں خلوت

حرف اول حسب حال ایں خستہ حال است۔ چہ نویسم کہ براں قدوہ ارباب صفوت وصفا ظاہر نباشد، باوجود آں چوں از ادب رسمے گزیر نیست بمقتضائے آں نیز عمل میکند۔ توقع آنست کہ چوں زاویہ وحدت وحجرہ خلوت رمجلس محباں جائی گزیدہ اند آنزا ہنگامہ کثرت اغیار نہ پسندند کہ محبت غیور است۔ امید کہ لذت زاویہ گوارا گردد و دل آرمیدہ ہم آغوشی نماید۔ ع

گر ما نرسیدیم تو بارے برسی

---

[1] یہ خط ۱۰۰۲ھ (مطابق ۱۵۹۳ء) میں لکھا گیا ہے۔ اسی خط میں تفسیر سواطع الالہام کے مکمل ہونے کا ذکر ہے۔ جو ۱۰۰۲ھ میں اختتام پذیر ہوئی تھی۔

ازشرط[1] ارتباط معنوی وانجذاب واشتیاق باطنی چہ نویسد۔ اگر در ضمیر فیض پذیر ایشاں کہ مجلی قلوب احباب است، پرتو انداختہ باشد راست والا در دعوئ شوق باقرار خود کاذب کم وقتے باشد کہ چوں نشاءِ آزادگی در خلال احوال کہ طبع بان مجبول است بہم رسد وخدام در پیشگاہ خیر خلوت نمایند[2] وصدر نشین باطن نگردند۔ قطع نظر ازیں نسبتہائے معنوی امتداد (و) اختلاط صوری را تاثیرات عظیمہ باشد ؎

اے ترک غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ | دردیدہ ام خلیدہٗ ودر دل نشستۂ
اے برق زہر خند بکشتی نشستگاں[3] | معذور دارمت کہ بساحل نشستۂ

غرض آنست کہ از یاد ایشاں فراموشی نیست کہ بیاد آرم۔ آخر کہ تو از یاد بردی سازا احوال صوری ومعنوی باآں دوست صوری ومعنوی می نویسد۔ مجمل آنکہ از خدائے خود ہزاراں[4] شکر دارم ؎

نصیب خود چگویم چوں گرفتم | زخواہشہائے خود افزوں گرفتم
نہ تنہا در دل من ریختی دُر | کہ دستم نیز کردی از گہر پُر
چو می بینم بخود کوتاہی ظرف | بقدر ہمت خود میزنم حرف
نمی بینی دریں دشتِ جگر تاب | شود صد مور از یک قطرہ سیراب
زمن تا ذرہ باشد آں قدر فرق | کہ می ترسم زیک شبنم شوم غرق
ازاں منبع کہ دریائے فتوح است | سرا بم قطرہ طوفاں نوح است
من آں مستم کہ بجرو شم بیک جام | نہ زاں دریا کشانِ آتش آشام
گذشتند آں ہمہ مردانِ آزرم | کہ طوفاں خنک کردند از دم گرم
کشیدہ صد ہزاراں چشمہ و جوئے | ولیکن ہمچناں لب العطش گوئے

---

[1] نسخۂ ثانی میں "شرح"
[2] ن، "در پیش گاہ ضمیر جلوہ نمایند"
[3] ن "از"
[4] ن "خندہ"

دریں درگہ نہان و آشکارا | برایناں باد ہر خواہش گوارا
زفیض ابر احسانش چگویم | کہ گنجانید دریا در سبویم
چو شد فیض ازل در چارہ سازی | تن خود را نمے کردم نمازی
نیم آخر ازاں آلودہ صوفیاں | جگر بے آب و لب بر موج طوفاں
معاذ اللہ ازاں[1] مشتے تہی دست | بگفتار بلند و ہمت پست
رفیق کاروان و کعبہ جویاں | بسانِ جرس رالبیک گویاں

افاضت پناہا! احیاناً شعرے ہم گفتہ می شود اما مدار توجہ خاطر بر آنست کہ ایں مسودہ تفسیر[2] کہ کردہ شدہ[3] اکثرے باں اشتغال دارد۔ در عاشر ربیع الثانی ایں سال تمام شد خدام ملا حیدر معمائی[4] کہ در معما کارنامہائے دارند و مسلم عراق و خراسانند، تمام سورۂ اخلاص[5] را تاریخ اتمام یافتند۔ و ہمانا کہ از الہامات تواند بود[6]۔ بندہ خود خاتمہ نوشتہ کہ نود و نو فقرہ است، و ہر فقرہ تاریخ اتمام شدہ۔ وقتے کہ تفسیر می نوشت حیران بود کہ از کجا می آید و چون می آید۔ بزودی بخدمت میفرستد، کہ الوا نظر دوستاں را تاثیرے دیگر است، امید کہ

---

[1] ن "ازیں"۔ [2] تفسیر بے نقط یا سواطع الالہام۔ اس تفسیر میں فیضی نے کوئی ایسا حرف استعمال نہیں کیا جس پر نقطے ہوں۔ یاد رہے کہ عربی کے پندرہ حروف ایسے ہیں جن پر نقطے ہیں۔ یہ تفسیر فیضی کی قدرت زبان اور ندرت فکر کا شاہکار ہے۔ بعض جگہ مطلب معموں میں بیان کیا گیا ہے جس نے کتاب کی افادیت کو کم کر دیا ہے اور ذہن پر بے جا زور پڑتا ہے۔ مثلاً اپنے باپ مبارک کا نام لکھنا چاہتا ہے تو کہتا ہے :-

اساس العلم ("علم" کی اساس، یعنی م) | اصل الروع ("روع" بمعنی "قلب" یعنی قلب کی جڑ۔ ب)
مطلع الالہام ("الہام" کا مطلع یعنی ا) | راس الرؤس ("رؤس" کا سر یعنی ر)
امام الکرام ("کرام" کا امام یعنی ک)

سے ان کا نام برآمد ہوتا ہے۔ تفسیر سواطع الالہام مطبع نول کشور سے شائع ہو چکی ہے قلمی نسخے ہندوستان اور ممالک غیر کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ [3] ن "بامراز نظر ثانی مزیں کردہ"

[4] ملا حیدر کاشان سے ہندوستان آئے تھے۔ شعر و سخن کا اچھا مذاق پایا تھا۔ تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ تفسیر سواطع الالہام پر یہ تاریخ کہنے پر دس ہزار روپیہ انعام پایا تھا۔ ملاحظہ ہو آئین اکبری سرسید ایڈیشن[؟]

[5] سورۂ اخلاص سے ۱۰۰۲ھ برآمد ہوتا ہے (مطابق ۱۵۹۳ء) [6] ن "موافق است ہر ثناگہ" (بندہ خود)

خط نجات اخروی گردد[1]

(۲)

ایضاً الیہ

توئے کبوتر بام حرم چہ میدانی
طپیدن دل مرغان رشتہ بر پا را

اشتیاق ملاقات گرامی و توجہ جمعیت باطن آں روحانی مواطن نہایتے ندارد[2]۔ و دل بعشق ایشاں شاہد حال بس کہ غبت روز افزوں است و ہموارہ چشم در راہ نامہ و پیغام می باشد۔ آں خود چوں گوید کہ در راہ مقدم شریف دارد کہ خود را تابع رضائے ایشاں داشتہ، از خود خواہی خود را گذرانیدہ است، علی الخصوص نسبت بایشاں، و ایں بار بہ خود پسندیدہ، ۶ دل اگر بار کشد بار بکائے یاتے۔

خوش باش کہ ما خوئے بہجراں کردیم
بر خود دشوار بر تو آساں کردیم

چہ نویسد کہ بر دل چہ میرود و در دل چہ می آید۔ محبت پناہا! تفسیر بے نقط کہ می نوشت شش ماہ معطل ماند۔ چوں خالی از غرابتے نبود، دریں ایام بجد شدہ[3] تمام کرد۔ در عاشر ربیع الثانی[4] تمام شد۔ و بعد از تمامی آں خاتمہ[5] نوشتہ آمد کہ نود و نہ فقرہ است و ہر فقرہ تاریخ اتمام[6] اوست۔ در ینولا از امر نظر ثانی می کند۔ اما بصد حسرت کسے کہ دریں امر دخلے کند، یک جہت یکبارگی دو جہات می یابد۔ و آں امر بادہیچ نماندہ کہ جزوے ازاں خدام دیدہ اند یا نہ۔ ہر چند مکرر نوشتہ شدہ اما چوں بہ بیاض نبردہ اند

---

[1] ن "آمید کہ خطبہ تحیات اُخروی گردد" [2] ن "الیقین دانید" [3] ن "بجد شاہ"
[4] ن "ربیع الآخر" [5] ن "خاتمہ آں" [6] ن "سال"

بخدمت نفرستاد، دریں باب ہرچہ فرمایند مختار اند، نواب میرزا[1] ایشاں را بسیار یاد می کند واظہار تعجب می نمایند، والحق تعجب ایشاں بجائے خود است، وآنکہ فقیر دریں باب ہیچ نمی گوید، حال[2] تعجب است، ایں ہمہ کہ نوشتہ شد حسب حالست نہ حس طلب باللہ والسلام۔ اگرچہ بیگانگاں ابرام در طلب خیال[3] کنند اما آشنا میداند کہ مقصود صحبت وسخن درکجاست[4]

بازگشتم از سخن زیراکہ نیست — درسخن معنی ودر معنی سخن[5]

بدوام حضور وسرور باشند[6]

(۳)

ایضاً الیہ

خدام کمالات آگاہی محفوف ومحفوظ باشند محبت وشوق چوں معرفت ارباب استعداد روز افزوں است، آنجا کہ صفوت وصفا است چہ احتیاج نوشتن، اما چوں درعوائق بشریت کہ جمیع افراد انسانی محاطہ آں دائرہ اند ملاحظہ میکند، دریں امور خود رائے اختیار یافتہ می خواہد کہ ہر کہ بآں طرف گام نہد حامل نامہ وپیغام باشد، وایمائے از لواعج شوق کردہ شود، مدتے است کہ از آنجانب نسیمے نوزیدہ موانع بخیر باد[7]، در پناہ حق باشند، عاقبت باد۔

(۴)

ایضاً الیہ

امید کہ محفوف دوام عافیت باشند۔ محبت وشوق پنہاں باطن را در

---

[1] غالباً نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید کی طرف اشارہ ہے۔ شیخ فرید کا ذکر شیخ محدث کے معاصرین کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ [2] ن "چہ جائے تعجب است" [3] ن "خیالے" [4] نسخہ ثانی میں "وسخن درکجاست" نہیں ہے۔ [5] ن "درسخن معنی ودرسخن" [6] ن "والسلام والاکرام" [7] ن "والسلام"

کشاکش دارد، کہ رقم پذیر تواند شد از آنجملہ بمقتضائے الغریق یتعلق بکل حشیش ہمیشہ میخواہد کہ بخامۂ نامہ جاں را آویختہ دارد، و چہ نویسد بغیر از حرف شوق و محبت۔ سخن ہمانست کہ بندہ را تابع ارادت سعادت انتظام خود دانستہ ایں معنی را از حسن طلب بشمارند۔ محبت پناہا! دریں ماہ رمضان آوازہ مقدم گرامی بسیار بود، چنانچہ خدام سلالۃ الاصفیا شیخ موسیٰ[1] بفقیر فرمودند و بجد[2] بودند، یارب چہ صورت دارد فی الواقع وقوع پیدا خواہد کرد یا محض[3] حرف و صوتے است باعلام حقیقت حال۔ راحت رساں۔ الیاس احدی الراحتین گردند۔ بزوائد اقدام میسر و دیجر باد[4]

(۵)

ایضاً الیہ

آناکہ بباغ سرو و گل پروردند — رو در قلم و مجبرۂ رام[5] آوردند

شاخ سمن از دم صبا چاک زدند — در غنچۂ گل سنبل تر حل کردند

در راہ نظر نظر بگام است مرا — در گرم روانِ عشق نام است مرا

پا از مژہ کردہ ام دریں رہ از شوق — ہر چشم زدن ہزار گام است مرا

خدام کمالات آگاہی سلم اللہ را نیاز مند است، دریں وقت کہ قاصدے بآنحدود متوجہ بود باظہار دعا و سلام یاد خود داد، شوق در طغیانست و سخن ہماں، حاشا[6] کہ خواہش خود را درمیاں انداختہ بخود خواہی خود را بدنام سازد، امید کہ از احوال گرامی نویسند، محبت پناہا! آوازۂ آمدن ایشاں در افواہ دوستاں بسیار افتادہ، می دانند کہ از کجا برخاستہ، یارب وقوع دارد یا محض در جوفہ است۔ توقع کہ آنچہ دراں

---

[1] تفصیلی حال شیخ عبدالحق رح کے مرشدین کے سلسلہ میں حصہ اول میں درج ہو چکا ہے۔

[2] ن "بجد فرمودند" [3] ن "مجرد" [4] نسخۂ ثانی میں اس کے بعد وہ اشعار درج ہیں جو مکتوب (۵) کے شروع میں لکھے ہیں [5] ن "ام"

[6] نسخۂ ثانی میں نہیں ہے

خیریت ہمگنانست بظہور انجامد، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۹)

ایضاً الیہ

اشتیاق ملاقات گرامی آن مانوس روحانی و مالوف ربانی طال بقاہٗ از قبیل رسمیات نیست کہ رقم پذیرد، چوں اول حال از مرضی خاطر فیض ماثر آگاہ نبود محتمل کہ حرف حرف خواہش درمیان آمدہ باشد، اما بعد ازانکہ دریافت کہ ایں راہ کہ بستہ اند، فقیر خواہش ایشاں را بر خواہش خود ترجیح داد، ایں نشاء گوارا بادؔ[1]۔ التماس آنست کہ بر خلوت کدۂ تنگ بیگانگی[2] نہ پسندند، پیش ازیں بدو سہ روز نقادۃ الاصفیا میاں شیخ موسیٰ بویرانۂ فقیر تشریف آوردہ بودند، ظاہر ساختند کہ دور نیست کہ ایشاں دریں ایام بیایند، ہر چند سبب پرسیدہ شد مبہم و مجمل گذاشتند، بحق معبود مطلق کہ ایمائے از فقیر نشدہ، و نخواہد شد[3]، اگر بیایند نورٌ علیٰ نور۔ بخدا قسم کہ خود را ازیں خواہش گذرانیدہ ام، و بیاد خود اظہار و ایما نکردہ ام و نخواہم کرد، ازیں ہم تصدیع نکشند، اما اگر بال و پرے می داشتم ہر روز بر بام حجرہ می نشستم[4] و دانہ چیں نکات محبت می شدم و مرغولہ ریز صفیر شوق می گشتم، دیگر چہ نویسم طبلہائے دردانہ آنجانب[5] می رسد، از برائے خدا بریں قافلہ اسرار خود راہ نہ بندند واگر ازاں طرف بندند ازیں طرف بستہ نخواہد شد، والسلام۔ دریں دو روز بتقریبے رودادہ بود ؎

فیضی دم پیر سیست قدم دیدہ بنہ — گام[6] مژہ می نہی و پسندیدہ بنہ

---

[1] ن "است" [2] ن "بیگ ہنگامی نہ پسندند" [3] ن "وقت گو اچہ حاجت طومار"
[4] ن "می گشتم" [5] ن "ازآنجانب" [6] ن "سالار"
[6] ن "ہر گام کہ می نہی پسندیدہ بنہ" آئین اکبری میں ابوالفضل نے اس مصرعہ کو اس طرح لکھا ہے ۶ پا از مژہ می نہی پسندیدہ بنہ۔ (ص ۲۹۱)

از عینک شیشہ ہیچ نکشاید ہیچ — لختہ بتراش از دل و بر دیدہ بنہ[۱]
اسکندر مسند فقر میاں بہلول را نیاز مندی میرساند[۲]۔

(۷)

ایضاً الیہ

مفاوضہ گرامی بعد از انتظار، جلا بخش دیدہ نگراں[۳] شد۔ اُمید کہ ایں جداول محبت و مناہل صفوت را ہموارہ جاری دارند، اگرچہ خواہش خود را تابع خواہش ایشاں کردہ بمفارقت[۴] صوری ساختہ ایم، و بخود[۵] اطمینان بہم رسیدہ، اما آنکہ قطع مراسلہ و مکاتبہ توانیم کرد و دریں معنی تبعیت ایشاں توانیم نمود۔ ریاضتے صعب می طلبد، آنکہ بعد از دیر گاہے[۶] یادی آرند، ظاہر امقصود تعلیم ایں ریاضت است[۷]

کمن مکن کہ نکو محضران چنیں نکنند

اُمید داریم کہ ہموارہ ظاہر بوطن مالوف با فرزنداں و دلبنداں آرامیدہ باشند، و در باطن آں وطن گاہ، اصحرائے[۸] غریب در یافتہ از خود انقطاع نمایند، چہ جائے فرزند دلبند، چوں مقصد بلند افتد اینہا ہم سنگ[۹] راہ اند، دیگر چہ نویسم، چہ نویسم[۱۰]، کتاب نل دمن[۱۱] تمام شدہ بود، بخدمت فرستادہ، اکنوں در گفتن[۱۲] مکرر اداراست ؎

۱؎ ن "لختے اخگر بتراش از دل و بر دیدہ بنہ" ۲؎ بدایونی نے ان کے متعلق لکھا ہے "علم حدیث را خوب ورزیدہ در صحبت اہل فقر و فنا رسیدہ، مدت مدیداست کہ لذت آں وادی یافتہ و توفیق استقامت و استدامت براں رفیق او گشتہ با اہل دنیا کارے ندارد و بافادہ و افاضہ طلاب مشغول است" منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۱۱۲
۳؎ ن "بیرصد" ۴؎ دوسرے نسخے میں نہیں ہے۔ ۵؎ ن "بمعرفت صوری" ۶؎ ن "بخود"
۷؎ ن "بعد از دیر بہ یادی آرند" ۸؎ ن "ہمراہی" ۹؎ ن "ہم چوں دیگراں"
۱۰؎ ایک بار ادر "چہ نویسم" ۱۱؎ نل دمن کے نام سے فیضی نے جس مثنوی کا ترجمہ کیا ہے اس کا اصل نام سنسکرت میں "شندہ چرت" ہے جس کو ملک الشعراء سری ہرش نے نظم کیا تھا۔ نل دمن عشق و محبت کا ایک دلگداز قصہ ہے۔ ۱۰۰۳ھ میں فیضی نے اسے مکمل کیا۔ اس میں چار ہزار دو سو اشعار ہیں۔ ملا بدایونی اس مثنوی کے متعلق لکھتے ہیں: "والحق مثنوی ست کہ دریں سی صد سال مثل آں بعد از امیر خسرو شاید در ہند کسے دیگر گفتہ باشد۔" (ج ۲ ص ۳۹۶)

۱۲؎ مکرر اداراست شیخ ابوالفضل بعد وفاتش در ۱۰۰۴ھ از مسودہ بہ تبییض در آورد" حاشیہ بر آئین اکبری (سرسید احمد خاں) ص ۱۸۹

آنکہ چنیں جنبش پرکار کرد　　نام ترا مرکز ادوار کرد

نقش ازل[1] ہیں کہ بسطح بسیط　　مرکز من دائرہ را شد محیط

جلوے و صد میکدہ در جوش[2] او　　موجے و صد بحر در آغوش او

از نل دمن اوائل بہ بند کہ خالی نیست، از انتقال و ارتحال آں دولت مند نوشتہ بودند از انجا کہ بشریت غالب است حالتے غریب بر بندہ[3] فقیر گذشت، معلوم شدہ[4] باشد کہ شوق شما تا رآں جہاں برد، داز تقاعد ایشاں کہ از مروت نبود[5] میگفت و اظہار حیرت می کرد، وفقیر عذر میگفتم، حیف و ہزار حیف عاقبت بخیر باد۔

(۸)

ایضاً الیہ

فریاد کہ دوریم ز مطلوب دل خویش

چندانکہ دراز است زبان طلب ما

ہرگز نسیمے با نجانب نمی وزد کہ تراشہ از جگر بادہ ہمراہی نمی کند، ایں بیت حسب حال در غزلے کہ بدرگاہ[6] معلے فرستادہ بود[7] اندراج داشت، بآں ملک الاحباب نیز می نویسد[8]

بہ بند تازہ دو گلدستہ از دل و جگرم　　بار مغلے بستاں بزمگاہ ببر

چہ نویسد عمر یست کہ بسواد قلم جلا بخش دیدہ[9] دل نشدہ اند[10]، چنیں بر دوستاں نہ پسندند و بعافیت بودہ باشند[11]

(نوٹ صفحہ ماقبل؛ [12] مرکز ادوار ما شیخ ابوالفضل بعد وفاتش در ۱۰۱۱ھ از مسودہ ہا بہ تجمیع در آوردہ۔ حاشیہ بر آئین اکبری (سرسید احمد خاں) ص ۱۸۹)

(صفحہ ہذا) [1] ن "ازبس" [2] ن "پر" [3] نسخہ ثانی میں "بندہ" نہیں ہے۔

[4] ن "شما" [5] ن "بود" [6] ن "بارگاہ" [7] ن "بودم"

[8] ن "دیدہ دل" [9] ن "آمد" [10] ن "بعافیت بودہ باشند" نسخہ ثانی میں نہیں ہے۔

(۹)

ایضاً الیہ

خط محبت نمط مسرت پیرائے خاطر مستہام شد، و رایح آشنائی بمشام وداد آمد چہ بخدمت اخوت پناہ اتقیا کہ بفضائل کسبی و کمالات وہبی متجلی اند، نسبت ارتباط صوری و معنوی در درجۂ علیا واقع است۔ و ازیں خط سِرّ کمال جوہر ذاتی و صفاتی فطری ظہور یافت، و از ورقات اشعار احتظاظ روئے نمود، مناسبت تمام می یافت

مسافران طریقت زمن جدا مشوید کہ دور بینم و چشم بمنزل افتاد است

چو ریگ بادیہ گم باد آنکہ قافلہ را نشان منزل مقصود دور دور دہد

مرغان بستان معنی ہمداستان بودن لازم ست، گرد ایں راہ خال رخسارۂ طالبان ایں منزل باد، استفسار از احوال برادر گرامی نمودہ بودند، بصحبت و حضور و عشرت و سرور از بزم نشینان نواب مستطات سپہ سالارے امیر الامرائے خانخانان اند، عجب کہ جاذبۂ محبت ایشاں نمی کشد، البتہ خود را برسانند، و کامیاب نعم ظاہری و باطنی شوند، زیادہ چہ تصدیع دہد۔

(۱۰)

ایضاً الیہ

اے آنکہ ہیچو بخت بما مہرباں نۂ

برعکس آرزو چہ روئے آسمان نۂ

از ارتباط خاص الخاص آں معدن دانش و بینش بلکہ از انجذاب خاطر مشتاق ایں ذرہ در نمود کہ ایام جدائی ایں ہمہ بامتداد کشد، ہیچ ہفتہ نمی گذرد کہ آنرا مورد قدوم گرامی نداند ہمیشہ در دل می گذرد کہ اینک رسیدند، دیگر کجا و بکہ خط

لہ ن "پیرائے" ؎۲ ن "نشوند" ؎۳ ن "و نمیرسد" ؎۴ ن "رخسارہا" ؎۵ ن "والدعا"

نوشتہ شود، ناگاہ کردہ است یک ماہ گذشتہ ونمی[1] دانست کہ ایشاں را طول امل وخیال
واہی باں جانب کشد، زیادہ بریں چہ درشتی نماید، باطن از دیر رسیدن ایشاں آں
قدر آزار دارد کہ شرح نتواں کرد، اکنوں کہ وقت تحریر ایں شوق نامہ است بخاطر می
رسد کہ مگر رمضان سنگ راہ شدہ باشد، بعد ازاں قدم درراہ نہادہ باشند، خصوصاً
ہوا نیز از تندی سورت[2] حرارت وپیوست تنزل نمودہ برطوبت واعتدال گرائیدہ
باشد، وایں ہمہ انتظار پامال بے نیازی ایشاں شدہ باشد، از برائے خدا از زیادہ
بریں ما را در کشاکش شوق وانتظار ندارند، وغبار بے مروتی ایں ہمہ بردامن کبریائی
خود نہ پسندند، بخدا سوگند کہ از بس[3] انتظار کشیدہ محبت وخلوص ورابطہ روحانی
ایشاں درنظر است، درخاطر می گذرد کہ دریں ہفتہ اینجا برسند، باز رمضان را مانع
می یابد، اما جسم می دارد کہ بغیر از رمضان مانعے نباشد، از برائے خدا زود تشریف
آورند، عذر تقصیرات بوجہ احسن واکمل خواہد خواست، وتاخیر بواسطہ ہمیں معنی شد
کہ آمدن ایشاں ہم موجب. نوشتہ ایشاں متیقن بود والاقرب وبعد وفراق ووصال
دریں باب[4] مساوی بود[5]، دیگر آنکہ تفسیر در[6] عاشر ربیع الآخر تمام شد، ودرہماں ماہ
خاتمہ ہم بے نقط نوشتہ شد، مشتمل بر نود ونہ فقرہ کہ ہر فقرہ تاریخ اتمام گشت[7]
دیگر میر حیدر معمائی از کاشان آمدہ اند تمام سورۂ اخلاص را تاریخ تمامی یافتہ اند ایں
معنی[8] از غرائب اتفاقات است، دیگر تواریخ بسیار یافتہ اند والحق امرے غریب
است وآنچہ دیدہ بودند مضاعف شدہ، وامر[9] ثانی واقع می شود وہمیں تاریخ
شود، ان شاء اللہ تعالیٰ - وتاریخ افتتاح درخطبہ نوشتہ شدہ در اسرار السماء عزیزے
لارطب ولایابس الافی کتاب مبین را نیز موافق ایں یافتہ، وایں ہم از غرائب

---

[1] ن "وہم خبرمی دانست" [2] ن "از شدت حرارت" [3] ن "کہ" [4] ن "وادی"
[5] ن "است" [6] ن "سواطع الالہام" [7] ن "اتمام کتاب است"
[8] ن "امر غریب است واز غرائب اتفاقات است۔" [9] ن "امر از نظر ثانی واقع می شود"

است، دیگر قاعدہ قدیم است کہ چوں تالیفے نادر تمام می شود افاضل وقت[1] توقیعات می نویسند۔ برائے تفسیر فقیر سید محمد شامی[2] در احمد نگر[3] بزرگے بود نوشتہ فرستادہ بود، شاید[4] دیدہ باشند، دریں ایام قصیدہ ملا ظہوری[5] گفتہ بودند، خود دیدہ باشند، و ہمچنیں ملک قمی[6] ہم خواندہ باشند، ایں جا ہم چیز ہائے خوب گفتہ ام[7]، دیگر مقدمہ تفسیر مقدار یک ہزار بیت ہم نوشتہ شد، مشتمل بر احوال خود و پدر و برادراں و علوم قرآنی و دیگر مطالب از مدح سلطان و غیرہ و قصیدہ[8] نیز مندرج شدہ کہ مطلعش در پٹن بحضور شما گفتہ بود، امید کہ بامر ارشادی تمام شود، خدام افاضت پناہے میر شاہ محمد را بنا زمند است۔ خدمت قاضی زادہ را سلام، حافظ و ہمراہاں[9] خود را دعا رسانند، از احوال اعزہ دکن نویسند، اول بایں بایستے نوشت چہ بلا شدہ[10]، پاجی کہ دو فلس[11] گرفتہ تا اینجا بیاید پیدا نمی شود، محبت شما تقاضائے آں می کرد کہ در ہر ماہے ایں دو[12] فلس برائے خاطر فقیر خرچ

---

[1] ن "عصر" [2] "عرب قم است و نسبت برادر زادگی بہ شیخ زین الدین جبل عاملے دارد کہ مجتہد و مرشد شیعہ بود و خوند کار روم او را بانواع لطائف و حیل بسیار در مکہ معظمہ بدست آوردہ باستنبول طلبیدہ بسیاست رسانید، شیخ محمد در سلک ارباب مناصب داخل است و بصفت شجاعت و شہامت موصوف و بکرم و کرامت کہ لازمہ عربیت موسوم و بحسن ادب و تواضع معروف مہارتش در علوم عربیہ و ادبیہ بمثابہ کہ ثانی کسائی تواں گفت" منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۱۳۳۔
[3] ن "احمد آباد" [4] ن "ایشاں" [5] "در دکن می بود، بصفت آزادی و تنگ کشی و دردمندی و کم ترددی بدر خانۂ ملوک متصف است و اخلاق حمیدہ او و ملک قمی کہ بملک الکلام مشہور است شیخ فیضی بسیار تعریف می کرد، و ایں ہر دو می خواستند کہ ہمراہ شیخ بپایۂ تخت لاہور بیایند اما برہان الملک مانع آمد و دریں ایام شنیدہ می شود کہ دکنیاں بے سر بنا بر شیوۂ نامرضیہ قدیم خود کہ عجب کشی باشد ایں ہر دو بیچارۂ مرحوم را نیز ہنگام ہرج و مرج بقتل رسانیدہ اند، مولانا ظہوری صاحب طرز و صاحب دیوان است" منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۲۶۹-۲۷۰۔
[6] "او را ملک الکلام میگویند، وضع درویشانہ دارد" منتخب التواریخ ج ۳ ص ۳۳۲
[7] ن "گفتہ اند" [8] ن "دیگر" [9] ن "تا چہ پیش آمد کہ" [10] ن "دہ فلس" [11] ن "دہ فلس"

می کردند انکردند، و چندیں مردم بیگانہ متوجہ ایں حدود ہستند ہرگز یاد نکردند، نمی دانم کہ چوں از عہدہ جواب خواہند برآمد، اگر دراں ایام تقصیرے رفتہ بود و انتقام آں می کشند خود بسیار عجب است، من خود جواب خود گفتم کہ باللہ ہمیشہ بموجب خطوط ایشاں منتظر بودم و می دانستم کہ امروز و فردا می رسند، ندانستم کہ ایں ہمہ بامتداد کشد، ملاحظہ اینست کہ مبادا فقیر را مقصر دانند و بے مروت خیال کنند۔ حاشا کہ گردے ازیں راہ برجبیں داشتہ باشم، خدا نکند عمدہ باعث بیاں چہ تقصیر شما است بے سروٗ دلی[1]، و بے دلی، و بے دماغی از ہمہ مصیبت عظمی بود کہ گذشت و از انجا کہ طبیعت بشریت است[2] بازبقوت غفلت فی الجملہ بحال خود آمدہ

(۱۱)

ایضًا الیہ

سلام علی المولی الاولی[3] ادام اللہ بقاؤہ و یسر لقاؤہ، معبود مطلق قسم کہ ہرگز ایں شوق و قلق کہ ایں مخلص[4] را نسبت بایشاں است۔ بدیگرے نبودہ[5] و نیست ؎

ز منزلے نگذشتم بمحفلے نرسیدم
کہ دردلم نگذشتی بخاطرم نرسیدے

والحق ایں ہمہ مہر و مہربانی و دوام ہمنشینی و ہمزبانی کہ در ایام کربت و غربت از ایشاں و بایشاں محقق بود، چرا ایں کس را چنیں کشاکش شوق بے قرار نسازد، سخت سنگدلی باید کہ ایں شیشۂ محبت را بر طاق نسیاں نہد و باطالع واژگوں خود چہ نالد و بصاحب دلاں کہ جاذبۂ ہمت دارند چہ گوید، و پیش ایشاں چگونہ سفید رو تواند شد، کہ انجذاب باطن برعکس نتیجہ دہد۔ بموجب وعدہائے موکدہ کہ در ضمن رقائم وداد منہ رج بود ہیچ روزے

[1] ن "بے سروری"   [2] نسخۂ ثانی میں "بشریت" کے بعد "است" نہیں ہے۔
[3] "علی معالی الاولی"   [4] "کہ مخلص مشتاق را"   [5] ن "بودہ"

بے انتظار قدوم گرامی نگذشته۔ چه صدق مقال را درجه (؟ چه) ظهور است۔ ناگاه خبر رسید که
آں طرف نقل و حرکت اتفاق افتاد۔ حیرت بر حیرت افزود و هیچ ندانست که ایں معنی را
حمل بر چه خبر کند۔ دریں مرتبه که دادن همراهش آمدند ظاهر شد که در نوروز البته بورود سعادت
مسرور خواهند ساخت۔ خاطر از ماضی[1] باز آورده به تسلی تمام گل گل بشگفانیده، وقت
را غنیمت شمرده منتظر نوروز را در انتظار[2] بشرف آفتاب رسانید و از طلوع آں نیر سعادت
هیچ پرتوے ظاهر نشد و ازیں[3] جا نا امیدی کفر طریقت است مدام[4] منتظر می بود تا آنکه
اوسط اسد رسید، و دریں مدت پنج شش ماه بود باوجود کثرت مترددین[5] خبرے و اثرے
نیافت۔ با دل بے قرار و خاطر ناشکیبا ایں دو کلمه در عین باراں رقم زدهٔ کلک اخلاص
ساخت۔ اگر کسے عذری خواسته باشد همیشه عذری تواند کرد۔ اگر زمستان ست می
خواهد که در خانهائے گرم[6] با دلبنداں و فرزنداں بسر برد[7] و اگر تابستان و هوائے گرم است[8]
چگونه تواند برآمد، ته خانهائے سرد می خواهد، و اگر موسم برشگال است در باراں[9] چگونه
تواند رفت که دریں فصل جوگیاں هم بتکیه گاه خود می سازند و اگر دل بهانه طلب نیست
و باطن را علاقه شوقی و رابطه توجهی بجانبے می کشد همه وقت وقت است، زمستان
خود موسم سفر است، و در تابستان خود اوائل روز وقت حار است چند راه می تواں
رفت، و از شبها چه گوید[10]۔ و اگر ایام باراں است خود بهار هندوستان است و ایام خوشدلی
دوستاں وقتیکه باراں نمی باریده باشد و ابر باشد بهتر ازاں هوائے نیست، نمایش
در منزلها و رباطها مقام می تواں کرد[11] و با شگفته پیشانی آمد[12] و گل ولائے[13] ولایت مالوه معلوم
است که از کجا تا کجا است۔ الحاصل دریں هوا برهم بندی علاج کار می تواں کرد، و اگر پرتکے

[1] ن "ماضی" [2] ن "منتظر بوده" [3] ن "ازاں جا" [4] "همیشه"
[5] ن "امتداد" [6] ن "گرما" [7] ب "بسر برد" [8] نسخۂ ثانی میں "است" نہیں ہے
[9] ن "برشگال و باراں" [10] نسخۂ ثانی میں "گوید" نہیں ہے [11] ن "می کرد"
[12] ن "می تواں آمد" [13] نسخۂ ثانی میں "ولائے" نہیں ہے۔

هم باشد، چناں بتواں پیچید کہ مورد آسیب نگردد، اُمید کہ دریں وقت درراہ باشند واگر حرکات آسمانی ہنوز مخالف ارادہ ایں کس باشد ونارسیدن ایں صحیفہ قدم[۱] درراہ نہادہ باشند، ظاہر است کہ دریں وقت قطع یاراں خواہد شد یا بتقلیل خواہد کشید، بے شائبہ مکث اہمال از ہمہ چیز گذشتہ سخن درراہ گویند، حیرانم کہ شرح شوق بچہ زبان گویم و چوں تحریر کنم، ہرگاہ اختلاج کتف می شود، از ہمہ گذشتہ خاطر بجانب ایشاں می کشد بازمی بیند کہ اثر دیگر ظاہر شدہ، خصوصاً دریں چند روز کہ ہمیشہ مژدہ دوستی از دوستاں می رساند، امید کہ دریں مرتبہ آں دوست شما باشید، البتہ البتہ وصد ہزار البتہ البتہ کہ مخلص را زیادہ بریں درکشاکش شوق ندارند وایں بیماری برمن نپسندند، واز غیرت الٰہی نیز اندیشہ نمایند، وایں لواعج شوق کہ بصد[۲] امراض مزمنہ برابری می کند، از مرخود بر من روا مدارید، چوں[۳] نیک می اندیشم و بر[۴] دوستی شما محکم. در شما ایں استعداد و فطرت است کہ کسے در اشتیاق شما ایں ہمہ محنت کشد، و خود را می بینم بآمدن شما می ارزم، بہر تقدیر زیادہ بریں انتظار[۵] نہ دہند و برحالے ومنولے کہ باشند قدم رنجہ فرمایند و بر تقصیرات من بگزرند، کہ بعد از قدوم گرامی تدارک وتلافی خواہد شد، وتقصیر خود را نیز مہیای جواب باشد، چوں انصاف حکم باشد دلہا گلستانست بزداید اقدام زرفت[۶]۔

(۱۲)

ایضاً الیہ

سلام اللہ علی المخدوم والاجل الانجم الاکرم الاحسن الامین الغنی عن الالقاب و المستغنی من[۷] الاحباب مدظلہ العالی افاضت دستگاہا اگرچہ شیوۂ ارباب سلوک قطع نمودن است از ماسوی اللہ من الاحباب والاعداء فی السراء والضراء، اما فقیر حقیر والمسو

---

[۱] ن ثانی "قدم قدم" [۲] ن "در" [۳] ن "و" [۴] ن "در" [۵] ن "زیادہ بریں کشاکش نہ پسندند" [۶] ن "والسلام" [۷] ن "عن"

التقصیر ایشاں را از فرقہ اصحاب کمال میدانند کہ کل را در جزو می بیند، و ہر ذرہ را مظہر آفتاب دہر، قطرہ را محیط بحر نایاب می داند، عجب کہ دریں مدتہائے مدید و شدتہائے شدید خبرے از ذرہ خاکسار و پریشاں روزگار نگرفتند و بروفق عادت قدیم و عنایت قویم عبورے و مرورے بایں نواحی نفرمودند، دل نگرانی نہایت دارد، آراستگی فتحپور دیدنی دارد، ہذا قریب من عبد ربی، سفاوضہ قدسیہ کہ مصحوب مکتوب سیادت پناہ بود امیدوار ساخت کہ شاید قبل از وصول ایں نمیقہ تشریف آورند، شنیدہ باشند کہ بندگان حضرت بتاریخ بستم شہر شوال بفتحپور نزول اجلال فرمودند، و تمکن فہم می شد، چوں قاصد مستعجل بود ایں عریضہ در درخانہ نوشتہ شد، چوں تشریف آورند در ذکر احوال مشائخ ہند آنچہ داشتہ باشند از ملفوظات وغیرہا ہمراہ آرند۔ البتہ البتہ بدست عزیزے کتابے در احوال مشائخ ہند بود موسوم بتذکرۃ الاصفیا اگر دراں شہر بہم رسد بہم رسانند کہ بسیار مطلوب است۔

(۱۳)

ایضاً الیہ

تسلی دل من در فراق ممکن نیست
اگرچہ نامہ و قاصد ہزار می آید

بعد از شرح اشتیاق و آرزومندی مشہود ضمیر فیض پذیر آنکہ بتاریخ دوم صفر ختم اللہ بالخیر والظفر قطع مراحل و طے منازل باآخر رسید و بگوشہ مالوف آمد از محنتہائے راہ ایں سفر جانکاہ چہ نویسد۔ الحمد للہ کہ بخیر انجامید و شکر تعاقب آلام و تواتر نعماء کہ عبارت از رسیدن سفاوضات گرامی ایشانست پے در پے باکوزہائے نبات کہ یاد

لہ نسخۂ ثانی میں نہیں ہے
ثہ ن "آخر شد"
لہ نسخۂ ثانی میں صحیح ہے
لہ ن "بموفق"
لہ ن "درخانہ"
لہ "محنتہائے"

زانتبہ اللہ نباتاً حسنا امیدا دار شرح بیروں است۔ اگر از مفاوضات گویم تعویذ بیماراں مراحل فراق بود، اگر از نبات شربت آفتاب خوردہاے تیہ اشتیاق تقصیر در ارسال عرائض شوق نہ از ممراں بود کہ مکرراً قلمی فرمودہ[1] اند حاشا چوں باشد بلکہ چوں بخاطر شریف ایشاں رسد کسیکہ مخصوص باں شہر میرفتہ باشد ہم نمی رسید، بسراں آں حیات سلطان کساں راپیش خویش خودمی فرستادند بکرات گفتہ اند کہ و درکالپی نیست بیرون رفتہ والاہمیشہ خاطر نگراں می بود و تفحص کہ کسے اگر می رفتہ باشد از شرح آرزومندی[2] نویسد اگرچہ آں در تحریر نمی گنجد زیادہ بریں ہرچہ نویسد داخل اہل رسم خواہد بود، دیگر آنکہ بتازگی خبر حاکم سابق کالپی رسید کہ آنجا آمدہ اند و خدام سیادت مآب اتحاد آثاری میر صدرالدین نیز آمدہ اند۔ بسیار بسیار خاطر مسرور شد، ؎

مرحباً اہلاً وسہلاً مرحبا

بحضرت نواب ایشاں از فقیر دعائے مشتاقانہ خواہند رسانید، البتہ البتہ و بعضے احتمال را راہ می دادند کہ ملازمان را ہم وقت عبور بایں نواحی رسیدہ محتمل کہ دریں قافلہ تشریف آرند، امید کہ ہرجا باشند از حاشیہ ضمیر منیر محو نفرمایند و توجہ صمیمی و لطف قدیمی مخصوص دارند، والباقی عندالملاقات ظل عافیت و عاطفت ممدود باد والسلام۔ دریں لشکر چند حرف جزو بے نقط بزبان عربی مستنبط از نص و حدیث و کلام علماء کردہ شد، رباعی مفتتح نوشتہ شد ؎

الحمد للملھم الکلام الصاعد وھو المحمود اولاً والحامد

ما وحدہ موحدٌ الا ھو واللہ والھکم الہ واحد

وغیر ازیں رباعی یک قصیدہ دیگر کہ در خطبہ مذکور شد ہم[3] شرع بیست، نام مش موارد و الکلم سلک درر الحکم شدہ کہ تاریخش ہم می شود، واگر آنجا اشعار بے نقط پیدا شود فرستند البتہ البتہ

---

[1] ن "فرمودند" [2] ن "اشتیاق" [3] ن "ہم"

یک بار در سلک شعر و شعرا خواہد بود در تعریف ایں رسالہ ہم قطعہ بخاطر رسید یا ناظر انی
ھٰذہٖ والصفات خذ لب الدقائق من درامن مجموعتہ مما تسقطنا ....
ولقد تفرقنا .... فیہما ترجمت المعانی .... لولم تجد فیہما ....

ملک زاوج فلک می کند مبارکباد — بشاہ اکبر و سلطان سلیم و شاہ مراد
کہ اخترے ز سپہر جلال طالع شد — بغرۂ مہ محرم ز نہصد و ہشتاد
ہے ببرج سعادت ز رخ نقاب کشود — دُرے ز لجۂ اُمید بر کنار افتاد
ز آسمان کرم کوکبے چنیں ننمود — بوستان ارم غنچہ چنیں بکشاد
چہ شاہ زادۂ والا کہ گوشوارۂ عرش — بہفت کرسی خود شہ نشاں شاد نہاد
زہے سعادت داریں کہ ایں چنیں خلفے — کہ تازہ ساختہ ارواح اقدس اجداد
خرد بر آنچہ فکر چوں تامل کرد — نوشت مدت عمرے از ہزار زیاد
ہنوز بندہ ز آزاد فسرق ناکرد — ہوائے خدمت رو کردہ بندہ و آزاد
چہ بادشاہ جہانست شاہ درویشاں — ہمیشہ ہمت درویش می کند امداد
مدام تا بتقاضائے وقت کارگرانند — بکارگاہ جہاں جان عنصر اضداد
بتخت و بخت شہ و شاہزادہا باشند — بحق ذات محمد و آلہ الامجاد

ایں طرفہ رباعی کہ بدل رو دادہ — درخانۂ فیضی بظہور افتادہ
از ہر بینش کہ شاہ بیت آمدہ است — معلوم شود ولادت شہزادہ

از مولد شاہزادہ عالمیاں — دل می یابد پیامے از عالم جاں
اجمیر بود چو مولد شاہزادہ — امید کہ جاوداں بماند بجہاں

لہ ن "د" — لہ نسخہ ثانی میں یہ اشعار کچھ فرق سے ملے گئے ہیں — لہ "کرند"

بعد از ادائے دعا و سلام مشتاقانہ مشهود ضمیر انور و خاطر فیض گستر آنکہ جریان احوال در مجاری امن و امان است و ازیں ہیچ رہ گذر[1] تفرقہ واقع نیست الا دوری ضروری[2] کہ ایں ہم نماند و اشتیاق از حد متجاوز است ؎

چوں جمال توام از پیش نظر غائب نیست
شرمم آید کہ شکایت کنم از تنہائی

ازاں وقت باز کہ ما زماں بجانب وطن شریف عناں عزیمت مصروف داشتہ اند اصلاً وقطعاً عنایت[3] نامہ نرسید حقا کہ ہمیشہ چشم انتظار در راہ بودہ و میدارد[4] در اجمیر از جناب سید یعقوب شنیدم کہ مصحوب میر ہزارہ دیوان سعید ہروی فرستادہ اند، ہماں لحظہ بمنزل خواجہ حیدر علی[5] رفتہ استفسار کردہ شد، آخر چناں ظاہر شد کہ ایشاں بفتحپور آمدہ از ہمانجا رخصت پرگنہ یافتند، و دریں ولا باز طلبیدہ اند و حالا حضرت والی مدظلہ العالی در شہر ناگور حرسہا اللہ عن الحوادث الدہور تشریف دارند و در رفتن بگجرات توجہ عظیم است، و مردم را در نواحی میرٹھ گذاشتہ اند کہ مردم سرحد را از ہماں راہ میفرستادہ باشند کہ بجواب خان کلاں و امرائے نامدار کہ مقدمۃ الجیش اند ملحق شوند بخاطر فیض فقیر می رسد کہ دیوان را باز بلا زماں رسانیدہ باشد ؎

ایں قصہ گرچہ نیست یقیں ایں گماں خوش است

دیگر احوال بخیر و عافیت بدعا و فاتحہ امداد فرمایند، سلامت باشند۔ مخفی نماند کہ در غرہ جمادی الاول کہ ماہ پنجم ایں سنہ حسنہ است شاہزادہ عالمیاں طال عمرہٗ ولادت فرمودند در خطہ پاک اجمیر و اعزہ بسیار تواریخ[6] گفتند۔ فقیر را یک غزل و یک رباعی روداده بود کہ ہر بیت رباعی تاریخ ولادت میشود، نوشتہ فرستادہ امید کہ بنظر شریف در آرند[7] بالخیر باد ؎

---

[1] ن "مر" [2] ن "صبوری" [3] ن میں "عنایت" نہیں [4] ن "دمے"
[5] ن میں "علی" نہیں [6] "تاریخ" [7] تحریر فی التاریخ چہاردہم شہر جمادی الاول سنہ ہفصد و ہشتاد من شہر ناگور حرسہا اللہ عن حوادث الدہر۔

منم کشتۂ گجراتیاں بیدادم | خراب عشوۂ خوباں احمدآبادم
سہی قوی زسرناز جلوۂ ننمود | کہ ہمچو سایہ بدنبال آں نیفتادم
بہر طرف کہ خرامید سرو آزادی | غلام او شدم و خط بندگی دادم
چو رشک گلشن فردوس احمدآباد است | ازو مباد برونم کنند چوں آدم
بروں زفتن ازآں جا تصورتیست محال | چرا بروں نروم من ہم آدمی زادم
بحسن مردم گجرات یاد نیست دلے | بمیروند جوانانِ دہلی از یادم
حدیثِ عشق تو فیضی کہ نقل مستان است | ببزم جرعہ کش دہلوی فرستادم

ایں غزلے است کہ بیاد غزالان گجرات گفتہ شدہ بود، منظور و ملحوظ باد و مثنوی در شرح احوال ایں سفر ختم بالخیر والظفر گفتہ میشود، وچوں بہ بیاض بردہ شود فرستادہ خواہد شد، چند بیتے منتخب ازاں محل کہ حکام گجرات برائے دیدن حضرت خلافت پناہی خلیفہ الٰہی خلد اللہ ملکہ، و خلافتہ[۱] رسیدہ اند نوشتہ می شود ؎

ہماں دم اہالی و حکام شہر | کہ در شہر بودند مشہور دہر
ہمہ کردہ آویزۂ دست خویش | کلید در گنج شاہان پیش
رسیدند از سرقدم ساختہ | زشادی سراز پائے نشناختہ
سرخود نہادند برپائے شاہ | کہ مائیم سرتاقدم در گناہ
زعمریکہ نگذشتہ دربندگی | بصد گونہ داریم شرمندگی
رسیدیم در خدمت بندہ وار | بجز بندگی بندگاں راچہ کار
ہمہ نیک و بد بندگان تو ایم | اگر نیک اگر بد ازان تو ایم
گذشتیم ازاں ناخوشی و خوشی | اگر می گذاری و گر می کشی
تو شاہ جہانی جہاں زان تست | بدو نیک در زیر فرمان تست

[۱] ن "او" [۲]

شہنشاہ از آنجا ز الطاف اوست | زباں قاصر از شرح اوصاف اوست

جو ہر صدق ایشاں نظر باز کرد | عین عنایت سرافراز کرد

بسے از دل نکتہ داں نکتہ راند | ز دریائے حکمت گہرہا فشاند

کہ قائم مقام سلیماں منم | جہاں از من است و جہانباں منم

مرا بہر شاہی فرستادہ اند | کلید جہاں را بمن دادہ اند

دلیل[1] بر اثباتِ حق ساطع است | دم تیغ من حجت قاطع است

من آں آفتاب فلک پایہ ام | کہ ذات خداوند را سایہ ام

کسے را کہ بینم در اندوہ غم | کہ می سوزد از آفتاب ستم

برو سایہ معدلت گسترم | دراں سایہ اش تا ابد پرورم

دگر مست باد ہوا خوردہ | ز باد تکبر دل افسردہ

تبابم برو گرم چوں آفتاب | کہ ننشیند آں آتش از ہفت آب

چو فرمان من راست[2] عنوان حق | من ایں جا رسیدم بفرمانِ حق

کہ گجرات[3] از ظلم خالی کنم | برو شحنہ عدل والی کنم

براندازم آئین بیداد و زور | روم تا بسرحد دریائے شور

بدریا کنم غرق اہل فرنگ | برم از دل اہل اسلام زنگ

در[4] بستہ کعبہ را وا کنم | سکندر صفت سیر دریا کنم

گر آئینہ روشن[5] ز اسکندر است | مرا تیغ و آئینہ روشن تر است

چو حکام و اشراف و اعیان ملک | کہ بودند ہر یک نگہبان ملک

شنیدند[6،7] آں نکتہ ہائے بلند | کہ سر دوز جان و دل ہوشمند

---

۱ ن "دلیلے" ۲ ن "فرمان ارا است" ۳ ن "در" ۴ ن "رہ"

۵ ن "کز" ۶ ن "ما" ۷ نسخہ ثانی میں یہ شعر نہیں ہے۔

کشیدند در گوش خود ہمچو دُر　　سراں گوش شاں چوں صدف گشت پُر
زہے بخت درائے شہ بحر و بر　　سکندر نظیر و ارسطو نظر
در حکمۃ از شاہ حکمت گذار　　سزد بہر گوش خرد گوشوار

زیادہ بریں گنجائش ندارد، والباقی[1] عندالاتمام والسلام والاکرام دیگر واضح باشد کہ مولانائے غزالی نیم شب بست دہفتم رجب در احمد آباد وفات یافت، در پیر گنج مدفون شد۔ فقیر برائے او تاریخ یافتہ ؎

چوں غزالی مشہدی بجہاں　　بود از شاعران عام فریب
سال تاریخ فوت او زآں روز　　میشود شاعر عوام فریب

؎ ھذا کتاب قلت فی بشارتہ　　یالیت قلبی کان فی اشنایہ
درنامہ تو چو دست برخامہ نہم　　خاہم کہ دل اندر شکن نامہ نہم
کتاب مستطاب کہ مخبر از سلامتی ذات قدسی بود رسید ؎
روحش لقب نہاد کہ یا ایمن الحسن　　عقلش خطاب کرد کہ یا احسن الکلام

سوادش کحل الجواہر عین الباطن والظاہر شد و بیاضش از ہار زواہر حدیقہ خاطر فاطر گردید ؎

تا از سواد خط تو ام نور یافت چشم
روشن شد ایں حدیث کہ النور فی السود[2]

چوں خامہ بقصد جواب نامہ برداشتم کہ حرفے چند از سوانح روزگار بنگارم وسخنے چند از بے مہری سپہر کج رفتار در قلم آرم قلم ہر بار خشک می شد و عبارت قاصر بود، واکتابت[3] گنجائش نداشت ؎

عندی جمل من اشتیاق وصول　　لایمکن شرحہ بکتب ورسول

---

[1] ن میں "والباقی" نہیں　　[2] ن "السواد"　　[3] ن "کتابت"

لاجرم ایں عریضہ را بغزلے کہ مجدد گفتہ ام اختیار می نمایم [1]

علی الصباح کہ باد بہار می آید — مرا ز آمدنش بوئے یار می آید

بجاں تو کہ نیامد ز ہجر بر جانم — ہر آنچہ بر دلم از انتظار می آید[2]

تسلی دل من در فراق ممکن نیست — اگر ز نامہ و قاصد ہزار می آید

مگر کہ از اثر ابہام بود فیضی — چنیں کہ گفتہ من آبدار می آید

چوں بیت ثالث کہ بموجب الثالث بالخیر حسب حال بود، تمام غزل بطفیل آں نوشتہ شد، معذور خواہند داشت ظل[3] عاطفتکم و عاطفتکم بحرمت النبی و آلہ[4] الامجاد۔ دیگر آنکہ کتاب مقاصد الشعراء را البتہ البتہ چوں تشریف آرند ہمراہ آرند کہ اختتام تذکرہ موقوف بآں ماندہ و از کتب دیگر ہم آنچہ توانند استنباط فرمود[5] فرمایند کہ فقیر می خواہد در خطبۂ آں[6] ذکر شریف کنم و یادگار بماند ؎

ہر دم نفسے زدند و رفتند — ماہم نفسے زدیم و رفتیم

از احوال درگاہ عالم پناہ استفسار فرمودہ بودند ؎

یار ہماں شوق ہماں دل ہماں — عشق ہماں قصۂ مشکل ہماں

القصہ تمام ممالک خالصہ شدہ و قاعدہ داغ نہادہ اند ؎

در ہر کہ بنگری ہمیں داغ مبتلا ست

نامہ رنگیں خامۂ کہ چوں[7] شاہد خالستہ بر عنائی بود در ساحت دیدۂ انتظار کشیدہ جلوہ گری نمود و دل ربائی کرد، تعالی اللہ عجب ... بود کہ در طلسم خانہ خیال اہل سیمیا[8] ایں چنیں شکلے برانگیختن متصور نیست ؎

خیز تا بر کلک آں نقاش جاں افشاں کنم — کایں چنیں نقشہ عجب در گردش پرکار داشت

---

[1] نسخۂ ثانی میں نہیں ہے [2] نسخۂ ثانی میں نہیں ہے [3] "مد ظلہا" [4] "و اصحابہ"
[5] "عنایت فرمائند" [6] ن ثانی میں نہیں ہے۔
[7] با من بکلک کلہ مدول ؛ کلے بکلک کلہ مشغول۔ [8] "را"

التماس ازاں الفاس معنی نگارانست کہ بہر صورت کہ باشد آں شاہد رعنا را تازہ بتازہ بلباسہائے دل فریب وآ[۱] ساختہ بنظر عاشقاں بیقرار در خلوۃ آرند، دیگر از سیر کشتی وتلاطم وتزاحم امواج چہ نویسد ؎ کہ آں بحریست بے پایاں

؎ آں شد کہ بار منت ملاح بردمی
گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت است

مجملاً آنکہ ؎ دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختۂ برکنار

در وقت مراجعت از باراں وگل چہ گوید ؎ مرا پا بگل ماندہ و دست۔ بر سر[۲] المنۃ للہ کہ فتح ونصرت ہمہ جا بود۔ القصہ اشتیاق می فزاید ومتضاعف ست والباقی عند الباقی[۳] جناب معرفت نصاب مولانا شیخ حسن نقشی تشریف حضور پرنور داشتند دعوات می رسانند وبفقیر فرمودند کہ یک کوزہ بردعائے ما نویسند بسیار شیریں فرمودند[۴] ؎

شیریں ترازیں قصہ کسے یاد ندارد

خدمت فضائل مآبی[۵] مولانا علی احمد کہ ہم خانہ وہمنشیں وہمرہ دہم ادست، دعاے مشتاقانہ عرض می کند ؎

جا کردہ خیالت بدلم اے دلبر   زانساں کہ بجز خیال تو نیست دگر
ہر جا کہ رواں شوم تو باشی ہمرہ   ہر سو کہ نظر کنم تو آئی بنظر

جہاں جہاں اشتیاق رسانیدہ بکدام زبان شکر ہائے[۶] رنگیں کہ از مرترک عادت مالوف وطریق مانوس کہ عبارات از قدوم رہگذر فیض منظوم ایشانیست در دل گرہ شدہ برآرد ہر چند ایشان مودب بادب سلف نصر اللہ منہم باشند، و ملاقات باایں ہرزہ کار ضائع روزگار محض تضیع

---

۱ ن "مجلے"   ۲ ن "بر سرماندہ"   ۳ ن "عند الملاقاتے"   ۴ ن "گفتند"
۵ ن "مآب"   ۶ ن "شکوہ"   ۷ ن ثانی میں نہیں ہے۔

وقت دانند، اما بمقتضائے ہماں رابطہ باطنی کہ بصلحا دارد و واسطہ سابقہ مودت جانبین شدہ
علی الدوام چشم انتظار در راہ می دارد و مواعید قدوم کہ در مکاتیب محبت لزوم اندراج می
یابد سر رشتۂ رجا را از دست نمی دہد، بعد از چندیں انتظار گاہ نامہ و پیغام فرستند، حقا
کہ موجب نا امیدی از دوستان جانی بلکہ از جان و زندگانی دست می دہد قطع
[illegible] جواب [illegible] رونقے پیدا کردہ کہ از دور بدیدن آں عنوان آمد توقع
[illegible] ہر نوع [illegible] کہ [illegible] و شغل و عذر مگذرانند و طریقہ قدیمہ
را سلوک دارند و محبت و اعتقاد [illegible] کہ تا چہ مقدار است، چہ احتیاج کہ
بتازگی بر زبان قلم آرد، چنداں اشتیاق دارد کہ اگر [illegible] خاقانی ... نبود بکاپلی میرسید،
دیگر آنکہ یکبار عنایت نامہ متضمن بر طلب طبقات ناصری رسیدہ بود، دراں وقت فقیر
را باجمیر فرستادہ بودند، و امروز مکتوبے تازہ بر ہمیں معنی رسید۔ افادت پناہا و اللہ باللہ
[illegible] فقیر نبود کہ ایں کتاب خدام پیش فقیر باشد، بواسطہ آنکہ از پریشانیہائے خاطر و
اشتغال از خاطر رفتہ بود یک پارسے بفقیر [illegible] است [illegible] بیاد دارد کہ بار سال ایں کتاب را
اخوی افضل شیخ ابوالفضل کہ ایں جا آمدہ بودند در دست گرفتہ بردند۔ نقیر را اندکے بیاد آمد فی
الحال برادر میاں ابوالخیر را فرستادہ کہ در کتابہائے ایشان تفحص و تصفح نمودہ ایں کتاب را بیابند
کتابہائے اخوی متفرق شدہ بعضے در آگرہ و بعضے در حویلی ایشان و بعضے در یاتشخانہ اند بسرعت
تمام ایشاں دیدہ اند و نیافتہ اند۔ فقیر را ازیں معنی طرفہ اضطرابے دست دادہ۔ اگرچہ یقین است
کتاب فوت نمی شود اما چوں در وقت احتیاج دست نہ دہد حکم فوت دارد۔ حالا ملک کہ
حامل مکتوب است در رفتن کمال سرعت دارد و یک روز ہم نمی ایستد، در ساعت او
را وداع کردہ شد، انشاء اللہ تعالیٰ فقیر خود مقید شدہ پیدا ساختہ متعاقب می فرستد و مجموعہ
کمند راحق و ملک خود دانستہ فرستادن آں بسیار صعب نمود بہ ملازمان ازاں دست بشویند

۱ہ تواند ۲ہ سازند ۳ہ امادت دستگاہا ۴ہ نقیر ۵ہ نماپسند

کہ ایں مقدار تصرف جائز است ؎

مدہ فیض شرح و بسط کلام
سخن ختم کن بر دعا والسلام

(۱۴)

ایضاً الیہ

سلام اللہ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ اولاً و ابداً۔ بعد از نیاز و اخلاص حمد طراز مشہود
ضمیر منیر فیض پذیر آنکہ می خواست کہ افتتاح کلام بشعرے نماید، چنانچہ سنت ایں طائفہ
پریشاں روزگار است موافق مدعا بیتے بخاطر رسید کہ پیش ازیں گفتہ بود، و طرد اللمات
تمام غزل می نویسد، فہو ہذا[2] ؎

من براہے میروم کانجا قدم نامحرم است	از مقامے حرف می گویم کہ دم نامحرم است
خوش دلم گر دیدۂ من شد سفید از انتظار	کز پئے دیدار جاناں دیدہ ہم نامحرم است[3]
اے اسیرِ عشق طعنِ بے غمی بر من مزن	خلوتے دارم بیاد او کہ غم نامحرم است
ما اگر مکتوب نہ نوشتیم عیب ما مکن	درمیان راز مشتاقاں قلم نامحرم است
منزلِ تردامناں نبود حریم کوئے عشق	ہر کہ نہ بود پاک دامن در حرم نامحرم است[4]
فیضی از بزم نشاط ما حریفاں غافلند	ہر کجا با جام می گریم حشم نامحرم است

دو عنایت نامہ گرامی در یک روز رسیدند و بر دو دیدہ نہادہ آمد چوں مبنی از مقدم شریف و
اعتدال عنصر لطیف بودند موجب سرور مشتاقاں شدند، تا ہنگام دولت ملاقات ہمیں
منوال از کیفیت عافیت مال نویساں باشند، اگرچہ گفتہ ام ؎

---

[1] "مدح" [2] نسخۂ ثانی میں "فہو ہذا" نہیں [3] نسخۂ ثانی میں اس کے بعد یہ شعر ہے
با خیال او تمنجد یاد خوباں در دلم ہر کجا خلوت کند سلطاں حشم نامحرم است
[4] نسخۂ ثانی میں یہ شعر پہلے اور اس سے پہلا بعد کو درج ہے۔ [5] نسخۂ ثانی میں "رسید" ہے

تسلی دل من در فراق ممکن نیست
اگر ز نامہ و قاصد ہزار می آید [1]

بشرف استیلام انامل کوامل افادت پناہ افاضت دستگاہ مصداق الاسماء تنزل من السماء حسن الاسم والمسمی شرفہ[2] باحسن الحسنیٰ مشرف باد۔

(۱۵)

ایضاً الیہ

فیضی کہ ز درد حال خود درہم دید | وز داغ درون سلسلہ را برہم دید
ہم درد درون سینہ اش درماں یافت[3] | ہم داغ دل فگار او مرہم دید

بعد از عرض شوق و عزام متضمن بطول محن ایام معروضے دارد کہ مدتے مدید و عہد بعید گذشتہ کہ راہ رسل و رسائل را بسد سدید بستہ و مسدود کردہ اند و بیماران فراق را و بعبارت قلم خوش خرام مشرف نمی سازند، ہرچند گلہ است اما جائے گلہ نیست ؎

از محنت ایام حکایت نتواں کرد
صد رنج تواں دید شکایت نتواں کرد

بسمع شریف رسیدہ باشد کہ چند روز تفرقہ صوری واسطہ جمعیت معنوی بخدام مخدومی ابوی راہ یافتہ بود و نائرہ صدجوار اشرار اشتعال یافتہ و بنص افترائے اخوان زمان درحرکت آمدہ اما الحمد للہ علی تواتر الآیہ و تقاطر نعمائہ کہ برشحات سحاب الطاف الٰہی و قطرات مطرات اعطاف نامتناہی نیران فساد منطفی شد ؎

ہزار شکر خدا صد ہزار شکر خدا

---

[1] نسخہ ثانی میں اس شعر کے بعد لکھا ہے: ثم الدعاء والدعاء
[1] ن "اللہ" [2] ن "شدہ" [3] ن "گرفتہ"

وبا تمہ ختم الکلام والسلام والاکرام التماس آنکہ گاہے از روندہ نام گمنامی پرسند و بدست آیندہ پیغامے فرستند ؎

مکتوب من ارچہ کہ نیرزد بجوابے
بنویس و بنہاں گیر کہ سہو القلم است ایں

چوں[1] لفظ قلم بر زبان جاری شد اتفاقاً چند بیت در بیان قلم بزبان قلم میرود ؎

خواست تا اسرار معنی را کند انشا قلم | شد سیہ روئے و نکرد از شرم سربالا قلم
گہ ز روم آید بشام وگہ ز شام آید بروم[2] | روز و شب چوں تاجراں دارد بسر سودا قلم[3]

(۱۶)

ایضاً الیہ

؎ یار آوارگی ہمی خواہد | رفتن ج بہانہ افتاد است
[4] کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس
گہ گہے پس ماندگان راہ منزل می کنند
کعبہ را ویراں مکن اے عشق کہ شمع رہ ماست
ہر کہ سنگے ز سر راہ گذاری بر داشت

عزیز من! بسیار خوب کردی کہ پیش خدام کمالات انتظام رفتی، ایں جا و آں جا کیست دریں میاں نام آں خانہ تاریک دلاں کہ بنائے حجابست، چرا بردی، بہر بہانہ کہ رفتی خوب رفتی۔ زنہار قدم از نشاط آباد گجرات بیشتر نہ گذاری[5] ؎

---

[1] ع و "نہیں ہے۔
[2] نسخہ اول میں "چوں" نہیں ہے۔
[3] نسخہ ثانی میں یہ مصرعہ اس طرح ہے: "گہ بروم آید بشام گہ بر شام آید بروم"
[4] نسخہ ثانی میں ایک شعر اور ہے ؎ تا رکے ازیں سیہ روئے دو زباں سخن کنم — فیضی غم دل تمام کردم تمام
[5] ن "و نہ گذری"

سرگشتہ راہ کعبہ بیہودہ مشو
بنشیں کہ کم از سنگ سیاہ نیست دلت

بواسطہ وبیواسطہ شما با آزید[1] جدائی نیست۔ بداند کہ آنجا جائے دیگراست واین جا مقام دیگر۔ و ما دیگریم۔ یا ایشاں دیگر خدانخواستہ باشند حق خدمت ونمک صحبت را فراموش بکنند وحفظ الغیب را از حفظ کلام کمتر دانند،[2] واحوال نہ نویسند، العاقبت بالخیر باد۔

(۱۷)

ایضاً الیہ

نگار ریحانے مقنع وضمیرانے برقعے کہ طیلسان خضرا[3] برسر عقد لآلی شب تاب در سر داشت اعنی نگاشتہ نگاریں کہ برسر بط غمخواری محتوی و درخریطہ زنگاری منطوی بود، از بس چابکی وموزونی ودل ربائی دست بردی غریب نمودہ، ودلداری نیز چابکدستی نمایاں بکار بردہ، امید کہ سلسال عذب را بجدواں[4] عروق[5] قلبی ونجاری روحی[6] وروانی آوردہ، ساری دارند کہ روح و رواں تشنہ ایش[7] زلال حیات خواہد بود،[8] ونہال محبت وولا بائیں[9] آب وہوا نشو ونما وبرگ و نوا خواہد یافت۔

صبح دمید فاتحہ کوں چوں تف شراب ساقی بدست کن پر طاوس آفتاب

واین مطلع کہ

عید آمد من خواہم کز درکہ خاقانی صد ماہ نوانگیزم از سجدہ پیشانی

دیروز ہم درجواب آں مفاوضہ دوکلمہ نوشتہ از روئے شوق دیگر ہم نوشتہ بدوام عافیت باشند[10]

---

[1] ن "شما با مدگیست" [2] نسخہ ثانی میں اس کے بعد "واحوال والدعا" لکھ کر خط کو ختم کر دیا گیا ہے
[3] ن "او" [4] ن "بجدا ول" [5] ن "عروق" نہیں ہے۔ [6] ن "روحی"
[7] ن "درون شیرائن زلال حیات" [8] ن "و" نہیں ہے۔ [9] ن "ہیں"
[10] ن "والسلام"

(۲۰)

ساقی و جام و گوشہ دیر[1] است ایں جا — بحمد اللہ کہ احوال بخیر است ایں جا

نکتہ عشق مپرسید کہ ہوشم باقی است — سخن از یار[2] مگوئید کہ غیر است ایں جا

درحوالی بتکدہ بتن و مغلکہ فتن[3] نشستہ عنان دیدہ را بخلیج[4] گنگ پیوستہ است[5] آما چہ کند کہ ایں نہ آبی است کہ غبار غم ہجراں از روئے دل یا مغز جان بشوید، وآنکہ کردی برمی دارد، و دردے می چیند، عبارات آبدار واشارات تابدار آں افاضت پناہ بصیرت انتباہ[6] است کہ آنرا نتیجۂ انتظار می داند، روزیکہ از دیدہ درآمدہ بدل نمی گذرند، چہ گوید کہ در دل و جان چہ می گذرد، واگرچہ منصب عبودیت آنست کہ اگر او ہجراں خواستہ باشد صد مرتبہ بروصل شرف دہند۔ اما گو آں[7] زہرہ و جگر و کرا آں رضا و تسلیم دریں جا تسلیم ازعدم مروت میدانند[8]، حیرانست کہ مبادا کفرے سرزدہ باشد، اما کفر محبت را اسلام[9] می داند، بلکہ کفر و اسلام ہر دو گناہ[10] ہے۔

کفر کافر را و دین دیندار را — ذرۂ دردت دل عطار را

ایں[11] اشتیاق نامہ را مرا نگاہ دارند، و بشنوید کہ شستہ نخواہد شد، مامول[12] از اخلاق رضیہ آنکہ ہرچہ جوہری داشتہ باشد بگیرند، صد آفریں کہ بندہ را خوب شناختہ اند و دیدہ نادیدہ را[13] مشتاق منتظر ربانی و مطلع نورانی خود دانند، در دل خود چہ جائے گنجیدن عزیزاں خالی بگذاشتہ[14] اند، اگر اعزہ بر نجیدہ ایشاں متعہد جواب اند، من خود کار ساختگی نمیدانم پارۂ سوختگیم پوست کندہ[15] از مغز جاں خود نفس می برآرم و میدانم کہ محبت ایشاں از طریق مدارا و صلح کل نیست، از ربط

---

[1] ن "ساقی و جام مے و نوشہ دہر است ایں جا" [2] ن "ناز" ہے [3] ن "پرفتن"
[4] ن "بخلیج" ہے۔ (؟) [5] ن "است" نہیں ہے [6] ن "اگر آں"
[7] ن "می دانند" [8] ن "کامل" [9] ن "اند" [10] ن میں "ایں" نہیں ہے۔
[11] ن "رضا بر مسند چہ قید رضا" [12] ن "گذاشتہ" [13] ن "برنجیدن"
[14] ن "خواہند بود" [15] ن میں نہیں ہے۔

روحانی و خواہش صمیمی است، آنکہ فقیر بخدمت ایشاں گفتہ۔ در راہ ماولیتر نگا پوکمن کہ ہست۔
صادق می آید حسب حال ایشانست کہ از زبان ایشاں گفتہ شدہ بہر حال گفتہائے من بپزیرند
و برلغت من نگیرند۔ والسلام والاکرام

یکچند دماغ بدود چراغ تیرہ ساخت و یکچند چشم خرد بصحبت ابنائے زماں .... از صحبت
ناس غیر از یاس ہیچ روئے ننمود، و از دریافت مردم در دخیر نیافت، با وجود ایں ہمہ دل دردمند
ہماں در جست و جوست، و زبان خواہش ہمچناں در گفتگو کہ بدیا دلی رسد کہ دل از و آب
خورد و التہاب دوے انطفی یابد۔

اکبر کے انتقال پر شیخ محدثؒ کا خط
نواب سید فرید مرتضیٰ خاں کے نام

(مندرجہ ذیل خط جس کا عنوان ہے "تنبیہ الغافلین بغنار الدنیا و اربابہا و اغترار الجاہلین بزخار فہا و اسبابہا" شیخ محدثؒ نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضیٰ خاں کو لکھا تھا اور ہدایت کی تھی کہ جہانگیر کے سامنے بھی اس کو پیش کر دیا جائے۔ مراۃ الحقائق میں لکھا ہے:

ایں رسالہ در واقعۂ رحلت جلال الدین اکبر بادشاہ برکن السلطنت نواب سید فرید مرتضیٰ خاں برائے اطلاع و آگہی نور الدین محمد جہانگیر پادشاہ فرستادہ شد"

یاد رہے کہ حضرت شیخ "ستر و کتمان" کے قائل تھے اور پردے پردے میں بات کرتے تھے۔ اس خط میں انہوں نے اکبر کی ایک ایک گمراہی کی نشان دہی کی ہے اور اس کے جانشین کو آگاہ کیا ہے کہ کہیں وہ ان گمراہیوں کا اعادہ نہ کر بیٹھے۔ یہ خط بہت غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ اس میں شیر کی حکایت، پیغمبری کی نوعیت پر گفتگو، "انقیاد شریعت و اعتقاد مسلمانی" کا مطالبہ شیخ کے احساسات اور تاثرات کا پتہ دے رہا ہے)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سبحان الملک الحی الذی لا یموت و لا یفوت غبار محنت و کدورتے کہ از ہیجان ایں واقعہ عظیمہ و داہیہ شدیدہ بر صفحات خواطر خلائق نشستہ و حیرتے و وحشتے کہ از یکایک واقع شدن ایں حادثہ روئے دادہ از حیطہ تحریر و تقریر بیرون است، چہ تواں کرد سنت الٰہی بریں جاری ست، تا بود چنیں بود، چہ شاہ چہ گدا ہمیں راہ است۔ شعر ؎

ہر کہ آمد بجہاں اہلِ فنا خواہد بود
وآنکہ پاینده وباقیست خدا خواہد بود

حق جل وعلی بدولت وشوکت ایں بادشاہ گردوں شکوہ قوی دولت جواں بخت ابد اللہ جلالہ وخلد فی مراضیہ ملکہ واقبالہ تمامہ برایا را از خاص وعام خصوصًا زمرہ اہل اسلام را کنف امن وامان وسایہ عدل واحسان از جمیع آفات ومکروہات محفوظ ومصئون داراد، اللھم اصلح الامام والامۃ والراعی والرعیۃ والف قلوبھم فی الخیرات، ایں دعا از عظما مشائخ قدس اللہ اسرارہم مرویست ومداومت براں مثمر سعادت دنیا وآخرت وباعثِ امن وامان ظاہر وباطن ست، دیگر ایں دعا اللھم اصلح امۃ محمد اللھم ارحم امۃ محمد اللھم اغفر لامۃ محمد گفتہ اند کہ ہر کہ براں دوام نماید در مرتبہ بپایہ ابدال نشیند، واللہ الموفق الکنول از فنائے دنیا وبے ثباتی آں چگوید وچہ نویسد قال بعض الحکماء الدنیا اشبہ شئ بظل الغمام ونوم الاحلام میگوید، دنیا مانند سایہ ابر است کہ رواں میگذرد، یا مثل خواب شیطانی ست کہ مرد بالغ می بیند، در تشبیہ اول فنا وبے ثباتی دنیا را وانمود ودر ثانی حقارت وقلت متاع آنرا بیان کرد ے گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانہ ۔مثل مرگ حادثہ درمیان کہ بیشک وشبہ رسیدنیست وآدمی زاد ازاں غافل نشستہ ودیدہ عبرت وحیرت فروگرفتہ وبربستر غفلت افتادہ پروا ندارد کہ چہ کارے سخت ومہمے صعب درپیش دارد، ومیگویند کہ یقین مشکوک کدام ست یعنی چیزیکہ آدمی بیقین داند باوجود یقین دراں شک دارد گویا نمی داند، آں چہ چیز است گفتہ اند کہ آں مرگ است، بیقین میدانند کہ رسیدنی ست اما چناں زندگی میکنند وبرنہج میروند کہ گویا نمیدانند تبارک اللہ ایں چہ قدرتست وایں چہ پردہ کہ برروئے آدمی زاد فروہشتہ اند وایں غفلت وفریب ست کہ وے میخورد وہماں مثل شیر ومرد گریزندہ از پیش اوست۔ حکایت می آرند کہ شیرے در بیابانے بدنبال مردے افتادہ بود، وے از پیش شیر گریختہ میرفت، چوں مجال گریز تنگ آمد اضطرار خود را در خرابہ چاہ زد وہم دراثنائے راہ

بشاخہا و بیخہائے گیاہ کہ دران چاہ بود دست زد و معلق ماند در پایاں چاہ میکند اژدہائے می بیند، دہاں باز کردہ نشستہ کہ اگر بیفتد ہم در نفس فرو برد، شیر کہ در دنبال بود آمدہ بر روئے چاہ ایستادہ کہ اگر بر آید ہم در ساعت کارش تمام کند، ساعتے لطیف متعلق بآں حشیش دمے زدہ و نفسے راست کردہ بود کہ موشے چند رسیدند و رشتہائے گیاہ را کہ مثال رشتہ عمر آدمی ست و بداں متعلق است بریدن گرفتند، بیچارہ حیران ماند کہ چہ کند، اگر پایاں افتد اژدہا نشستہ واگر بالا رود شیر ایستادہ تن بہ بلا در داد و منتظر ہلاک نشست، نگاہ نظرش بر لانہ نحلے افتاد کہ در کنج دیوار چاہ شہدے تے کردہ، مرد آں ہمہ را فراموش کرد، ہم از شیر و ہم از اژدہا و موش چشم بربست وانگشتے بآں شہد زد و باں مزاحمت مگساں و نیش زنبوراں شہد لیسیدن گرفت دو سر انگشت شہد نہ لیسیدہ بود کہ رشتہ عمر گسستہ شد و در چاہ محنت و اندوہ بکام اژدہائے مرگ فرو رفت، اکنوں ما شہد لیساں آں چاہیم کہ شیر قضا در تقاضائے ماست و امروز فرداست کہ در چاہ بلا کہ دنیا است بکام اژدہائے مرگ فرو رفتہ ایم کاش کہ مدت حیات معین بودے و امتداد ایں مسافت معلوم گشتے کہ چندست تا موافق آں راہ روشے بخود قرار دادندے و قطع ایں مسافت بتانی و تدریج کردندے و یک قسم فراغتے و قرارے یافتندے، و نفسے چند براحت زدندے، ہیچ معلوم [illegible] مدت عمر چندست و لعد از یں مسافت چہ قدر در ہر گام و در ہر نفس خطرست و احتمال آنکہ ہمیں [illegible] آخر باشد، روز و ہفتہ و ماہ را خود کہ داند و اگر فرضا معلوم بودے و دراز بودے ہم چہ بودے [illegible] رفتنی است و گذشتنی، چہ معلوم و چہ نامعلوم و چہ دراز و چہ کوتاہ ؎

چوں قامت ما برائے عزق است — کوتاہ و دراز را چہ فرق است

اگر صد سال مانی در یکے روز — بباید رفت زیں کاخ دل افروز

دریں صندل سرائے آبنوسی — گہے ماتم بود گاہے عروسی

چو بہر شادی و غم جائے روبند — بجائے سر بجائے پلے کوبند

دنیا اگر دائم بودے و اسباب دنیا دائم وعیش و فراغ خاطر و آسائش وقت متصل آنگاہ اگر یکے بہ محبت مولیٰ و شوق آں عالم ازاں صبر کردے و بز خارف آں التفات ننمودے کارے بود اکنوں کہ فانی ست و سراسر وحشت و کدورت و محنت و مشقت و صد بلا بر بالائے ہم افتادہ ترک آں چہ مقدار کارست کہ بداں بنازند و بر فوت آں حسرت خورند اگر یکے بقدرے ازاں دست بدارد و کامے چند فراتر نہد تمام خود ممکن نیست صرفہ روزگار خود کردہ باشد و منتے بر جان وقت خود نہادہ اما خاصیت ایں شراب چنیں افتادہ، ہر جرعۂ کہ ازاں بخورند و ہر قطرۂ کہ ازاں بنوشند بحرص زیادتی کند و تشنہ تر سازد تا مستی آرد و بے خبر گرداند، آنگاہ نصیحت را گوش او راہ نباشد و اندیشہ عاقبت را در سر او جائے نہ مستی و غرور دنیا و حکمرانی بجائے کشد کہ دعوئے خدائی و پیغمبری کنند، دیگر چہ تواں گفت، فرعون باں سرحد زمین مصر کہ ملک او بود و دہ روزہ را بیش نبود دعوئے خدائی کرد، دیگراں را چہ گوید آں از خدا بیخبر نمیدانست کہ خدا آفریدگار آسمان و زمین باشد، تو خود کلوخے یا مگسے در عالم پیدا نکردہ دیگر ایں دعوی چیست' دیوادہم نبود تا اینہا از سر دیوانگی گفتہ باشد، اگر دیوانہ بودے موسیٰ پیغمبر را علیہ السلام بدعوت وے چرا میفرستادند. دعوت انبیاء صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم عقلا را بود د مجانین را ایں نبود مگر غرور و مستی دنیا و ملک و سلطنت کہ او را بدیں ہذیانات میداشت در سرشت بعضی غرور و حماقت ضمیر کردہ اند کہ فہم و تمیز را از ایشاں بر میگیرند و با وجود عقل عزیزے کار دیوانہا میکنند و سخن دیوانہا میگویند، دیوانہ نیستند اما دیوانہ صفت اند، یکے دیگر بری خیزد و دعوی پیغمبری میکند و ہیچ نمیداند کہ معنی پیغمبری چیست، پیغمبری میانجی شدن است میان خدا و خلق از خدا فیض میگیرد و بخلق میرساند و پیغمبر از اول عمر تا آخر از گناہاں معصوم بود و بعالم قدس و ملکوت متصل و فرشتہ بر وے بیاید و پیام حق گذارد و معجزات بنماید و در زمین و آسمان تصرف کند و قرص ماہ را باشارۂ انگشت دو پارہ سازد و چشمہا از انگشتاں رواں گرداند و درختاں او را سجدہ برند و سنگ و گیاہ بر وے سلام کنند و ہا مے کتابے باشد کہ اگر جن و انس ہمہ جمع شوند مانند سورہ

ازاں نتواند آورد، واگر تمامہ علما، وعقلائے عالم او را تفسیر کنند بپایاں نتوانند آورد و پیغمبر لیتے بنهد و عالم را بنور علم وایمان منور گرداند، کافراں را از کفر و جاہلاں را از جہل بیروں آرد ودوراں را نزدیک گرداند و گمراہاں را براہ راست بردو در تمامہ خوبیہائے ظاہر و باطن وصورت و سیرت از ہمہ کس افزوں تر و بالاتر باشد و ہیچکس در ہیچ خوبی مانند وے نبود، و پیغامبراں آت بود و بصلاح و فلاح آراستہ و بحلیہ محبت واعتقاد پیراستہ، نزدیکاں وے در علم وعمل و زہد و تقویٰ و نورانیت از ہمہ پیشتر و بیشتر و بمتابعت وے جامع کمالات و مظہر خوارق و کرامات گشتہ، پیغمبری نہ مجرد دعوی و غلبہ و سلطنت وشوکت ست اینہا ہمہ روشن ست اما بامت چہ تواں گفت۔ نعوذ باللہ من الغباوۃ الغوایۃ۔

درآدمی سہ چیز ست، نفس وقلب وروح، جبلت نفس ہم ازیں عالم کون وفساد ست و ہمیں لذات جسمانی ومستلذات حسی کمال اوست ونفس زینے ست وظلماتے واز اجزائے بدن ست، غایت آنکہ نسبت باجزائے دیگر ایں قدر لطافت ونورانیت پیدا کردہ کہ چیزے از محسوسات تواند دریافت وما دہ سمع وبصر وشم وذوق ولمس گشت ونفس از لذات عقلی و روحانی خبر ندارد وہمیں نفس است کہ آدمی را گرفتار ایں عالم ساختہ است و روح لطیف ست و نورانی محض واز عالم بالاست و توجہ او ہمیشہ بعالم قدس ولذت وے بعلم ومعروف است ومحبت مولیٰ تعالیٰ شانہ وشناخت ذات وصفات وے تعالیٰ وتقدس نصیب اوست و لیکن بعلت تعلقے کہ او را ببدن دادہ اند واز اختلاطے واز دولجے کہ او را بانفس واقع شدہ گرفتار عشق ومحبت نفس گشتہ وسرشتہ گم کردہ است وتعلق روح را بانفس بعینہ مثل تعلق مرد بازن گفتہ اند کہ از ازدواج آنہا لطیفۂ قلبیہ پیدا شدہ وقلب متقلب بود، میان روح و نفس اگر بریکے احکام روحانی غالب آید ونفس وقلب تابع او شوند وایں پسے نلورا فتد از نیجا ہمہ خیر وصلاح آید واگر نفس غالب آید و روح وقلب تابع افتاد ہمہ شر و فساد خیزد وایں سخن مشہور ست در محل خود مشرح تر ازیں بیان یافتہ است مقصود اینجا بیان تمدیذ سہا در کشاکش

افتادن آدمی زادست کہ از یک طرف عقلش بجانبی میخواند و از طرف دیگر ہوا بجانب دیگر می برد و بصد محنت و شدت گرفتار است باز ایں محن و شدائد آں عالم تفصیل بیندیشد و تصور کند از خود ر و د و از ہم پاشد، و در حدیث آمدہ است

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً و لبکیتم کثیرا

فرمودہ اگر بدانید انچہ من دانم از احوال مبداء و معاد و آخرت کہ چہا رفتہ است و چہا پیش آمدنی ست کم بخندید و بسیار بگرئید ولیکن چوں حکمت ابتلاے و قضاے الٰہی اقتضاے آں کردہ کہ ایں عالم را از نظر ہا پوشیدہ و در پردہ غیب داشتہ است و انچہ می بیند و می یابند عین عالم ظاہر است از ینجا فریب خوردند و سر رشتہ گم کردہ کہ یعلمون ظاہرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الآخرۃ ھم غافلون مخبران صادق کہ حضرات انبیا اند صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین خبر آں عالم میرسانند و انوار علم و ہدایت می نمایند امّا مردم چناں در ظلمات نفس و طبیعت افتادہ اند کہ قطعاً گوش نمی نہند و قدم نمی رنند حقیقت حال بعد از مردن منکشف گردد کہ چیست ؎

باش تا پردہ براندازد جہاں از روے کار
انچہ امشب کردۂ فردات گردد آشکار

الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا فرمودہ مردم در خواب غفلت اند چوں بمیرند بیدار شوند و آگاہ گردند ؎

خلق تا در جہانِ اسباب اند
ہمہ در کشتی اند و در خواب اند

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اکنوں اگر گویند پس چہ کار باید کرد و کجا باید رفت، سخن بہ نقیض آمد ترک دنیا می فرمایند و بتجرید از خلق و خلاف طبیعت و مخالفت نفس می خوانند وجود ایں حال محال و از دست آمدن ایں کار مشکل آدمی زاد تا در قید حیات ست و در دنیاست

از اسباب دنیا و معیشت با بنی نوع و آسائش طبع و قید نفس چاره ندارد و مدار حیات دنیا
وانتظام کار عالم بریں ست، جوابش بدانکه تا سخن را نیک نفهمند و بکنه آں در نروند دل نشین
نگردد و جز حیرت و سراسیمگی نیارد مقصود ازانکه گویند ترک دنیا باید داد و از خلق برکرانه باید
بود و براه مخالفت نفس و طبیعت رفت آنست که خلاف حق نکنند و از جاده بیروں نروند
و راه و روشے که در دین و شریعت قرار داده اند از دست ندهند، بایں نوع اگر بظاہر
با خلق باشند در باطن با حق اند و اگر بصورت در دنیا باشند بمعنی ترک دنیا اند چه دریں
صورت اگر موافق نفس عمل نمایند در حقیقت مخالف آں کرده باشند، محققان گفته اند که
مقصود اصلی موافقت حق ست نه مخالفت نفس یعنی سالکاں که برخلاف نفس روند و
برضد وے کارے کنند برائے آں کنند که نفس موافق حق گردد و براه راست رود و اگر
او خود براه راست رود مخالفت او معنی ندارد فقرا اند و اغنیا، امرا اند و رعایا مالکا نند
مملوک خادمانند و مخدوم و علیٰ ہذا القیاس، فقرا را صبر باید، و اغنیا را شکر، امرا را
عدل، رعایا را انقیاد، مالکاں را رحم، و مملوکاں را خدمت، خادماں را ادب، و مخدوماں
را عنایت، ہرکدام از ہر طائفه که براه و روش خود روند و طریقه بندگی و انصاف از دست
ندہند واصل و مقرب و مقبول درگاه باشند، ازینجا گفته اند که سلوک ہر طائفه حرفت اوست
یعنی ہرکسے بر ہر حرفتے و کارے که باشد اگر بر منہاج قاعده و ادب رود سالک ست دعوت
شریعت غرا ہمبریں نہج است، سرور کائنات و سید رسل صلوٰة الله و سلامه علیه ہیچکس را
از ہر حرفتے که داشت بیروں نیاورد، مزارعان را در کار زراعت گذاشت و تاجراں را
در تجارت و متاہلاں را با اہل و عیال و مجرداں را در ترک و تجرید و اغنیا را با مال و منال
و فقرا را با فقر و فاقه ولیکن ہر طائفه را قاعده و دستور العمل مقرر داشت تا براں نمایند و
از جاده بیروں نروند، بیروں که آورد از کفر و معاصی بیروں آورد و دیگر ہمه را درون دائره گذاشت
سر سعادت ہما انقیاد شریعت و اعتقاد مسلمانی ست و یقین داشتن برآنکه ہر عمل را اجرے ست

وہرگروہ راجزائے وعاقبت عمل نیک نیک وعمل بدبد فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ غایت آنکہ فرقہ جزائے خیرا ہم در دنیا طلبند واز آخرت غافل باشند وجماعۃ دیگر را مطمح نظر جزاء آخرت ست وکار دنیا سہل انگارند وہرکس ہر کارے مشروع کہ برائے خدا کند او را ہم دنیا شود وہم آخرت فعند اللہ ثواب الدنیا والآخرۃ عاقبت بخیر باد۔

اہم سیاسی، ادبی اور مذہبی واقعات

(بہ اعتبار سنین)

۹۵۸ ہجری	ولادت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۹۶۰ھ	انتقال سلیم شاہ سوری
۹۶۱ھ	ہمایوں نے دوبارہ اقتدار حاصل کیا
۹۶۳ھ	شمالی ہندوستان میں شدید قحط
	ہمایوں کا انتقال اور اکبر کی تخت نشینی۔
	شیخ عبدالوہاب متقیؒ مکہ معظمہ میں۔
۹۶۸ھ	بیرم خاں کا قتل
۹۶۹ھ	اکبر اجمیر میں
۹۷۰ھ	وصال شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری۔
۹۷۱ھ	ولادت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ
	جزیہ معاف کیا گیا۔
۹۷۳ھ	ولادت خواجہ محمد باقی باللہؒ
	شیخ عبدالنبی صدر الصدور مقرر ہوئے
۹۷۵ھ	وفات شیخ علی متقیؒ ـــ فیضی دربار اکبری میں۔
۹۷۶ھ	وفات شیخ ادہن بن بہاء الدین جونپوری۔
	ولادت شیخ بلاول ـــ پیدائش شہزادہ سلیم۔
۹۷۷ھ	فتح پور سیکری کی تعمیر کے لیے احکامات جاری ہوئے۔

۹۷۸ھ	ولادت شہزادہ مراد
۹۷۹ھ	وفات شیخ نظام الدین انبیٹھوی ؒ ـــ وفات شیخ سلیم چشتی ؒ
۹۸۱ھ	تصنیف "خوارقات" درحالات سید محمد گیسو دراز ؒ
	ابوالفضل اور بدایونی دربار میں پیش ہوئے۔
	تصنیف "صراط المستقیم" از شیخ خوب محمد چشتی ؒ
۹۸۲ھ	گجرات میں قحط۔
۹۸۳ھ	گلبدن بیگم کی روانگی حج کے لیے۔
۹۸۶ھ	عبادت خانہ میں جلسے شروع ہوئے۔
۹۸۷ھ	اکبر نے خطبہ پڑھا ـــ محضر جاری ہوا۔
	تصنیف "تحفۂ اکبر شاہی" عباس شیروانی۔
۹۸۸ھ	مخدوم الملک اور عبدالنبی جلا وطن کیے گئے۔
	وفات مولانا محمد یزدی۔
۹۸۹ھ	اجراء دین الٰہی ـــ محمد حکیم مرزا گورنر کابل کی بغاوت
	وفات شیخ رزق اللہ مشتاقی ؒ ـــ وفات شیخ جلال الدین تھانیسری
	وفات شیخ محمد اسحاق سہروردی۔
۹۹۰ھ	ترجمہ مہابھارت (رزم نامہ) از بدایونی۔ وصال شیخ سیف الدین ؒ
۹۹۲ھ	سنہ الٰہی جاری ہوا
۹۹۳ھ	"مرکز ادوار" فیضی مکمل ہوئی ـــ "تاریخ الفی" شروع ہوئی۔
	نور اللہ شستری نے "مجالس المومنین" لکھنی شروع کی۔
۹۹۴ھ	"بابر نامہ" کا فارسی ترجمہ شروع ہوا۔
۹۹۵ھ	ابوالفضل نے "رزم نامہ" کا مقدمہ لکھا۔ فیضی نے "لیلاوتی" کا ترجمہ کیا۔

۹۹۵ھ	جوہر نے "تذکرۃ الواقعات" کی ابتدا کی۔
	شیخ عبدالحق دہلویؒ گجرات پہنچے۔
۹۹۶ھ	شیخ عبدالحق دہلویؒ حجاز میں۔
	کلیات عرفی کی تکمیل ہوئی۔
	ملا احمد تتاوی (تاریخ الفی) کا قتل
	ابوالفضل نے "عیار دانش" مکمل کی۔
۹۹۷ھ	شیخ نظام نارنولیؒ کی وفات۔
۹۹۸ھ	"بابر نامہ" کا فارسی ترجمہ مکمل ہوا۔
	شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ کی وفات
	"جذب القلوب الی دیار المحبوب" شروع کی گئی۔
۹۹۹ھ	تکمیل ترجمہ "راماین" از عبدالقادر بدایونی۔
	تکمیل "اخبار الاخیار"
	وفات عرفی۔
۱۰۰۰ھ	ولادت شاہجہاں
	تکمیل "تاریخ ہمایوں" از بایزید۔
	"برہان المآثر" (علی بن عزیز اللہ طباطبائی) کی ابتدا
۱۰۰۱ھ	انتقال شیخ مبارک ناگوری۔
	"جذب القلوب" مکمل ہوئی۔
۱۰۰۲ھ	"سواطع الالہام" فیضی مکمل ہوئی
	"ہفت اقلیم" امین رازی مکمل ہوئی۔
	"طبقات اکبری" (نظام الدین) کی آخری تاریخ۔

۱۰۰۳ھ	وفات مرزا نظام الدین احمد بخشی۔
	تکمیل "زاد المتقین"
	تکمیل "نل و دمن" فیضی
	"منتخب التواریخ" (بدایونی) کی آخری تاریخ
	وفات حکیم عین الملک والد نورالدین محمد جامع "لطیفۂ فیضی"
۱۰۰۴ھ	تکمیل برہان المآثر۔
	"تاریخ حقی"
	انتقال فیضی
	تکمیل "منتخب التواریخ"
	تکمیل "اکبر نامہ"
۱۰۰۵ھ	وفات نورالدین طباطبائی۔
۱۰۰۶ھ	تکمیل "سراج الاستخراج" ملا فریدالدین مسعود بن حافظ ابراہیم دہلوی
	ترجمہ "یوگ وشسٹھ"
۱۰۰۷ھ	ولادت خواجہ محمد معصوم رح
۱۰۰۹ھ	تصنیف "حفظ مراتب" شیخ خوب محمد چشتی رح
	ایسٹ انڈیا کمپنی کو منشور ملکہ ایلزبتھ کی جانب سے۔
	"اکبر نامہ" کی تکمیل۔
۱۰۱۰ھ	احوال ائمہ اثنا عشر خلاصہ اولاد سید البشر
۱۰۱۱ھ	قتل ابوالفضل
۱۰۱۴ھ	انتقال اکبر۔ تخت نشینی جہانگیر
	سلطان خسرو بن جہانگیر، شیخ نظام الدین بن عبدالشکور تھانیسری کی

۱۰۱۴ھ	خدمت میں۔
	"اخبار الاصفیاء" از عبد الصمد
	"نور العین" (شرح قران السعدین) از شیخ نور الحق رح
۱۰۱۵ھ	وفات محمد معصوم مصنف تاریخ سندھ۔
	"گلشن ابراہیمی" فرشتہ۔
۱۰۱۷ھ	"فرہنگ جہانگیری" از جمال الدین حسین۔
	"تذکرۃ الملوک" از رفیع شیرازی
۱۰۱۹ھ	"اشعۃ اللمعات" کی ابتدا
۱۰۲۰ھ	"مراۃ سکندری" از سکندر محمد بن محمد اکبر
۱۰۲۱ھ	"تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی" نعمت اللہ ہروی
۱۰۲۳ھ	"مفتاح فتوح الغیب"
۱۰۲۴ھ	وفات شاہ ابو المعالی رح
	پیدائش داراشکوہ
۱۰۲۵ھ	وفات شیخ محمد صادق بن شیخ احمد سرہندی رح
	پیدائش شہزادہ شجاع
	تکمیل "اشعۃ اللمعات"
	تکمیل "لمعات التنقیح"
	ترتیب مکتوبات شیخ احمد سرہندی رح
۱۰۲۸ھ	پیدائش اورنگ زیب
۱۰۲۳ھ	وفات ہندو شاہ فرشتہ
	تکمیل "شرح سفر السعادت"

۱۰۳۴ھ	انشاء ہرکرن
۱۰۳۷ھ	وفات جہانگیر
۱۰۴۵ھ	وفات میاں میرؒ
۱۰۴۶ھ	وفات شیخ بلاولؒ
۱۰۴۹ھ	وفات محمد شریف معتمد خان "اقبال نامہ جہانگیری" "سفینۃ الاولیاء"
۱۰۵۰ھ	انشائے منیر
۱۰۵۲ھ	وفات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ